1574

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम वरन व्यवस्था, औरत और उसकी तालीम, गुलदस्ता तहज़ीब,

लेखक लाला शंकर दास M.A.

प्रकाशन वर्ष 1899

आगत संख्या 1574

1579

1574

ورن بیوستھا پر شاستراتھ

مابین

مہاشہ منشی رام آریہ و پنڈت گوپی ناتھ ہندو

تمہید - پنڈت گوپی ناتھہ کے چیلنج پر مہاشہ منشی رام نے
اُن کے ساتھہ حسب ذیل وشیوں پر شاستراتھہ کرنا منظور
[illegible]تھا - (۱) کیا براہمن گرنتھہ بھی وید ہیں ؟ (۲) کیا منتر سنگہتا
[illegible] میں مورتی پوجن کی اجازت ہے ؟ (۳) کیا مُردوں کا
شرادھ جائز ہے ؟ (۴) کیا ویدوں میں سنسکاروں کی

ودہی ملتی ہے؟ (۵) کیا ورن بیوستہا جنم پر نربہر
ہے یا گن کرم اور سوبھاؤ پر؟ اول اور دویم وشئوں پر
چار دنوں تک بمقام لاہور شاستراتہ ہوتا رہا۔ اول
دن آریہ مندر لاہور میں تل رکھنے کو جگہہ نہ رہی۔ جس کی
وجہہ سے کہ ہندو ہوٹل کا مکان باقی تین دنوں کے لئے تجویز
ہوا۔ جہاں پہلے دن یعنی ۲۷ر نومبر ۱۸۹۸ء کو چھہ ہزار
۲۸ر نومبر ۱۸۹۸ء کو دس ہزار اور ۲۹ر نومبر کو تقریباً
آٹھہ ہزار کی حاضری رہی۔ اس کے بعد ۳۰ و ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۸ء
کو بمقام جلندھر ہندو دھرم سبھا کے مکان میں ورن بیوستہا
پر شاستراتہ ہوا۔ جسکی کیفیت اسی وقت اخبار
ست دھرم پرچارک میں شایع ہوگئی تھی۔ وہی اب ناظرین
کی آگاہی کے لئے اس مختصر سے رسالہ میں شایع کی جاتی
ہے۔ اس کے مطالعہ سے سرو ساوھارن آریہ سنتان کو

معلوم ہو جاوے گا کہ رشی دیانند کے قائم کیئے ہوئے
اصولوں کی بنیاد ستیہ سناتن ایشوریہ اُپدیش وید کے
اوپر مبنی ہے *

آتما رام اسسٹنٹ سکرٹری آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

شاسترارتھ کے حالات

پنڈت صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ وہ جلندھر دہرم سبھا کے
جلسہ میں شریک ہونے کے لیئے آویں گے - ۳۰ ر اور ۳۱ ر دسمبر
کو شاسترارتھ ہو جاوے - وقت کے لیئے میں نے ٹھہرا لکھا
کہ دن کو شاسترارتھ ہونا چاہیئے - لیکن چونکہ دہرم سبھا والے
صاحبان اپنے جلسہ کے وقت میں سے کوئی وقت دینا نہیں
چاہتے تھے - اِسلیئے رات کا وقت ۶½ سے ۸½ تک میں نے

بھی منظور کر لیا۔ شاسترارتھ کا مضمون "ورن بیوستھا" تھا
دو روز اسی مضمون پر شاسترارتھ ہوتا رہا۔ پہلے دن (مورخہ
۳۰ر دسمبر ۹۵ء کو) بیس بیس منٹ فی مرتبہ لیتے ہوئے دونوں
فریق کو تین تین مرتبہ تقریر کرنے کا موقع ملا۔ اور دوسرے
دن آدھ آدھ گھنٹہ لے کر دو دو مرتبہ تقریریں ہوئیں۔
پنڈت صاحب کی گھڑی نے دونوں دن سُست چل کر دھوکہ
دیا۔ سوائے اس کے پنڈت صاحب کی درخواست پر میں اُنہیں
لاہور کے موافق وقت بھی زیادہ دیتا رہا۔ تاہم خاتمہ
پر پنڈت صاحب نے یہی کہا کہ اُن کا ارمان اب تک باقی
ہے۔ ۳۱ر دسمبر کو جب میں مع اپنے چند دوستوں کے
پہونچا۔ تو ایک سادھو صاحب جن کا نام ہنس سوروپ بتلایا
جاتا تھا۔ اپنی تقریر ختم کر رہے تھے۔ اُن کے آخری الفاظ
جو میں نے سُنے حسب ذیل ہے۔ "ایک طرف محض منطقی ہیں اور

ایک طرف سنسکرت کے پنڈت ہیں۔ شاستر ارتھ کا جو نتیجہ ہوگا
آپ لوگ سوچ سکتے ہیں"۔ خیر سادھو صاحب کے بعد پنڈت
گوپی ناتھ صاحب کچھ تقریر کرنے لگے۔ جنہیں فوراً بتلایا گیا
کہ میں حاضر ہوں۔ اسپر دونوں طرف میز لگ گئے اور شاستر
ارتھ شروع ہوگیا۔ پنڈت گوپی ناتھ صاحب شاستر ارتھ
کو شروع کرنے والے تھے اور میں ختم کرنے والا تھا۔ یہ جگہہ
اگر ہر دو فریق کی ہر مرتبہ کی تقریر کا خلاصہ لکھا جاوے تو
بہت سی باتوں کو مکرر سہ کرر لکھنا پڑے گا۔ اس لئے
میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جسقدر یکتیاں اور پرمان دونوں
طرف سے پیش کئے گئے تھے۔ اُن کو علیحدہ علیحدہ لیکر اُنکی
نسبت جو جو کچھ دونوں طرف سے بیان کیا گیا تھا ظاہر
کر دیا جاوے۔ اور نتیجہ یہاں بھی ناظرین پر چھوڑا جاوے
جیسا کہ شا[illegible]ن پر چھوڑا گیا تھا۔

(۱) طرفین کا دعویٰ۔ پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے
ہندو دہرم سبہا کی طرف سے اپنا منتویہ یہہ بیان کیا کہ ورن
کا کرم کے ساتھہ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ محض جنم کے ساتھہ
تعلق ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ شودر خواہ کتنا ہی وید کیوں نہ
پڑھ جاوے اور کیسے ہی اُتم کرم کیوں نہ کرنے لگ جاوے
وہ کبھی بہی براہمن نہیں ہو سکتا۔ اِس کے جواب میں آریہ
سماج کی طرف سے میں نے بیان کیا کہ محض جنم ورن کی
بیوستہا کو قایم نہیں کرسکتا۔ اپنے نیک اعمال کی بدولت
شودر بہی ویشیہ۔ کہشتری اور براہمن بن سکتا ہے۔ اور
اسی طرح پر بد اعمالی کی وجہہ سے براہمن اپنی پدوی سے
گر گر شودر تک بن سکتا ہے۔ گویا ایک طرف سے یہہ دعویٰ
تہا کہ ایک ورن کا آدمی کبہی اور کسی حالت میں بہی دوسرے
ورن کو نہیں پراپت ہوتا۔ اور دوسری طرف سے یہہ جواب

تھا۔کہ گُنؑ کرم اور سوبھاؤ کی تبدیلی کے باعث ایک ورن کا آدمی دوسرے ورن کے اندر داخل ہو سکتا ہے:۔

(۲) **بے تعلق بحث۔** پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے اِس بحث کے اندر بہت سا بے تعلق مضمون بھی داخل کر دیا تھا۔ چنانچہ اپنی پہلی ہی تقریر میں پنڈت صاحب کا سبسے اوّل اعتراض آریہ سماج پر یہہ تھا کہ آریہ سماج نے ابتک گُنؑ۔کرم انوسار ورن بیوستھا پر عمل کیوں نہیں کیا۔ اُنہوں نے اپنی آئیندہ تقریروں میں اسی اعتراض کو لیکر بہت سے ناشایستہ حملے آریہ سماج اور آریہ سماجیوں پر کئے۔جس کے جواب میں تبلایا گیا۔کہ ایک ستیہ اصول محض اسلئے جھوٹھا نہیں ہو سکتا کہ اُس پر عمل نہ کیا جاوے۔ اولاً تو پنڈت صاحب کو کیا معلوم ہے کہ اِس اصول پر کیونکر عمل ہوتا ہے۔ دوئیم اگر عمل نہیں ہوتا تو بھی آریہ سماجیوں کا

قصور نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کی بدقسمتی سے انگریزوں
کو پہلے پہل شاستروں کی بیوستھا دیتے ہوئے ایسے خود غرض
اور بے اصول پنڈتوں سے واسطہ پڑا۔ جنہوں نے کوڑی کی
خاطر شاستروں کے برخلاف بیوستھائیں دیدیں۔ اُنہیں
بیوستھاؤں کے مطابق پریوی کونسل نے فیصلے دیدئے۔ پس اِس
وقت جبکہ مطابق انگریزی قانون کے اگر کوئی ویدوں کو ماننے
والا جنم کے کشتری کا جنم کی براہمنی کے ساتھ گن۔کرموں کی تلنیتا
دیکھ کر بواہ کرے تو اُس کی اولاد ولد الحرام قرار دی
جاوے گی۔ تو آریہ سماجی اگر قبل اِس وقت کو تا لوٹا دُور
کراتے ہوئے ورن بیوستھا کو گُن۔کرم۔انوسار نہ قایم کرسکیں
تو کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔

پنڈت صاحب نے اپنے گزٹ کی شایستہ تحریروں کو اِس جگہہ
دوہراتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر وید کا جاننا ہی براہمن بنانے

لکھدینے کافی ہے تو ڈاکٹر سٹائن صاحب رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی
کو کیوں نہیں براہمن مانا جاتا - اور اگر لڑنا ہی کشتری پن
ہے - تو جنرل لوک ہارٹ سے لیکر معمولی گورے تک کو کیوں نہیں
لڑکیاں دی جاتیں - اس تہذیب سے پُر اعتراض کا جواب
یہہ دیا گیا کہ محض وید کا پڑھنا ہی براہمن نہیں بناتا - بلکہ اسکے
ساتھ آستکتا - برہم پراپتا وغیرہ اور ویدک سنسکاروں
سے سنسکرت ہونے کی بھی ضرورت ہے - اسلئے جب تک کہ
یہہ کل گن ان لوگوں میں نہ آویں اُنہیں براہمن یا کشتری
ہرگز نہیں کہا جاسکتا - اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے پنڈت
صاحب نے یہہ بھی فرمایا - کہ اگر گن کرما نوسار ورن ویوستھا
مانتے ہو تو تمہارے اخبار میں ملہوترہ - چلہوترہ وغیرہ کی
پنخ لگاکر کیوں بواہ کے اشتہار دئے جاتے ہیں - اس کے
جواب میں کہا گیا کہ چونکہ قانون مانع ہے - اسلئے ابھی تک

جنم کے باہر گو نہیں جاتے - پھر بھی ہر ایک شخص کے اندر
ایک حرکت کام کر رہی ہے - جس کی وجہ سے وہ گو دیگ اور کی
سے باہر نہیں نکل سکتا - تاہم اُس کے اندر ہی گُن کرم انوسار
ورن یا ودیہو تلاش کرتے ہوئے دکھاتا ہے کہ گُن کرم انوسار
ورن بیوستھا کا اصول ٹھیک ہے - پنڈت صاحب کو اُن کے اپنے
رسالہ کی طرف توجہ دلائی گئی - جہاں کہ اِس قسم کے
اشتہاروں کے لئے اُنہوں نے خود رائے ظاہر کی تھی - پس
بتلایا گیا کہ اِس قسم کے اشتہار ظاہر کر رہے ہیں کہ جہاں
دیگر کاموں میں محض پیدائش ورن کی اُتمتا کی نرنائک نہیں
ٹھہرتی وہاں بواہ کے بارے میں بھی عام طور پر ہندو لوگ
ورن بیوستھا کو گُن - کرم - سوبھاؤ انوسار قایم کرنے کیطرف
رجوع ہو رہے ہیں :-

(۴) واضح رہے کہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے اپنی پہلی تقریر

سے ہی اپنی طرف سے کوئی اس قسم کا پرمان پیش کرنے کی
کوشش نہیں کی تھی جس سے یہہ ظاہر ہوتا کہ ورن کا نرنئے
محض جنم ہی ہے - اُنہوں نے عموماً مہرشی دیانند کے پیش
کئے ہوئے پرمانوں اور یُکتیوں کے کھنڈن پر ہی اکتفا کی
تھی - ہاں خاتمہ پر ایک دو پرمان دیاکرن مہابھاشیہ کے
"دیانند تمر بھاسکر" سے لیکر دئے تھے - جن کا جواب سُن کر
کہ علاوہ دھرم سبھا کے پنڈتوں کے اندر اب تک کھلبلی مچ
رہی ہے . خیر اُس کا جواب اُس موقع کے لئے چھوڑ کر میں
پنڈت گوپی ناتھ کے اصل اعتراضوں کے جواب کی طرف
رجوع ہوتا ہوں ۔

(۱) مہرشی دیانند جی نے اپنے ستیارتھ پرکاش میں منوسمرتی
کے حسب ذیل شلوک کا پرمان دیا ہے -

शूद्रो ब्राह्मणतामेति ब्राह्मणश्चैति शूद्र

साम् । क्षत्रियाज्जातमेवन्तु विद्याद्वैश्यात्तथैव च ॥

(دیکھو منوسمرتی ادھیائے ۱۰ اشلوک ۶۵)

اِس شلوک کو لکھکر حسب ذیل عبارت مہرشی دیانند نے لکھی ہے - جسے کہ پنڈت گوپی ناتھ نے شاستر ارتھ کے وقت پڑھا تھا "شودر کی کل میں اُتپن ہو کے براہمن کشتریہ اور ویشیہ کے سمان گن کرم سوبھاؤ والا ہو تو وہ شودر - براہمن - کشتریہ اور ویشیہ ہو جاوے - ایسے ہی جو براہمن - کشتریہ اور ویشیہ کل میں اُتپن ہوا ہو اور اُس کے گن - کرم - سوبھاؤ شودر کے سدرش ہوں تو وہ شودر ہو جاوے وغیرہ ...."

اِس پر پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے یہہ اعتراض کیا کہ سوامی جی نے اس ادھیائے کے شلوک ۶۴ کو نظر انداز کرکے محض شلوک ۶۵ لکھکر لوگوں کو دھوکھے میں ڈالا ہے - چنانچہ اُنہوں نے بیان کیا کہ شلوک ۶۴ میں درج ہے کہ اگر براہمن

شودرانی عورت میں اولاد پیدا کرے۔ اور پہر اسی طرح

اُس میں برہمن پہر اولاد پیدا کرے اور یہہ سلسلہ سات

جنموں تک جاری رہے۔ تو ساتویں جنم کے بعد برہمن ہوجاتا

ہے۔ ایک جنم میں شودر ہرگز برہمن نہیں ہوسکتا۔

اِس کے جواب میں کہا گیا۔ کہ (۱) اگر پنڈت گوپی ناتھ کے

ہی ارتھہ مان لئے جاویں جو کہ اُنہوں نے "دیانند تمر بہاسکر"

نامی گرنتھہ سے لئے ہیں۔ تب بہی اُن کی پہلی بات کہ (کہ جنم

کا برہمن کبہی بہی شودر نہیں ہوسکتا اور جنم کا شودر

کبہی بہی برہمن نہیں ہوسکتا) اُڑ گئی۔ اور یہہ ثابت

ہوگیا کہ ورن جنم پر مُستقل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ گُن کرم سُبہاؤ

انوسار بدلتے رہتے ہیں۔ (۲) یہہ کہ اِس جگہہ شلوک ۲۴

میں کسی عبارت سے یہہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ برہمن۔ اور

شودرا الفاظ سے جنم کے برہمن اور شودر ہی مراد ہیں بلکہ

ست شاستروں کے حوالجات سے جو کہ آگے پیش کئے جاویں گے
ثابت ہے کہ ورن ویوستھا کا انحصار گُن کرم۔ سوبھاؤ
پر ہی ہے۔ اور اِس لئے یہاں گُن کرمانوسار جو براہمن اور
شودر ونی ہیں۔ اُنہیں سے مُراد ہے۔ پس گُن کرم کے بدلنے
سے وے بدل ہی سکتے ہیں۔

(۳) خاتمہ پر आसप्तमाद्युगात् جملہ پڑا ہوا ہے جس کے
معنی ہیں۔ "ساتویں جنم تک" نہ کہ "ساتویں جنم کے بعد"۔ پس
مطلب یہہ ہوا کہ ایک سے ساتویں جنم تک جس وقت گُن۔ کرم
براہمن کے شودرا کی اولاد میں آجاویں۔ اُسیوقت اُس کی
براہمن سنگیا ہوجاتی ہے۔ میرے کئے ہوئے اس ارتھہ کی کلوک
بھٹ ہی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ شلوک ۶۵ کی ٹیکا میں وہ
مانتا ہے کہ सप्तमे पंचमे वा ساتویں یا پانچویں۔
آگے چل کر یاگیہ ولک کے حوالے پر تیسرے جنم میں اُتم ورن کو پراپت

ہونا ہی مانتا ہے ۔لیکن سب سے بڑھ کر میرا جواب یہہ تہا ۔ کہ
شلوکہا ئے ۶۴ و ۶۵ کا سمبندھ پورانک لوگ ٹہیک نہیں جوڑتے
کیونکہ شلوک ۶۴ محض ایک قسم کی مثال ہے جہاں کہ ورن
بدل جاتا ہے ۔ یعنی اگر اُتم ورن والا ادہم ورن کی استری
میں بہی گرہستہ کرے تب بہی چونکہ پتا کے گن ۔کرم کا
بہی سنتان پر قدرے اثر پڑتا ہے ۔اُن کی اولاد کچہہ
پشتوں بعد اُتم ورن کو حاصل کر سکتی ہے ۔جس سے معلوم ہوا
کہ اگر محض جنم کے ذریعہ سے ہی والدین میں سے کسی کے اچہے
گنوں کا پرویش سنتان میں ہو تب تو بہت عرصہ ورن
تبدیل کرنے میں لگتا ہے ۔لیکن اگر ادہم یونی سے پیدا ہوا
پُرش خود اپنے گن کرم اُتم بنانے میں کوشش کرے تب
بہت ہی جلد یعنی ایک جنم میں ہی نیچے ورن سے اونچے ورن
کو حاصل کر سکتا ہے ۔چنانچہ منوسمرتی کے ادہیاء ۰ کے

شلوک ۴۲/۷ کا حوالہ دیا گیا۔ جہاں لکھا ہے کہ

ब्राह्मण्यं चैव गाधिजः

اور اُس پر ٹیکا کرتے ہوتے کلوک بہٹ نے (جو کہ پُرانکوں کا مُستند ٹیکا کار ہے) لکھا ہے۔

गाधिपुत्रो विश्वामित्रश्च क्षत्रियः

स नृ तेनैव देहेन ब्राह्मण्यम् आप्तवान् ॥

جس کا مطلب یہہ ہے کہ گادہی پُتر وشوامتر کشتریہ تہے۔ وے اِسی جسم سے (یعنی ایک ہی جنم میں) براہمن ہوگئے۔ پس اگر پنڈت گوپی ناتہہ صاحب کے یہہ معنی ٹہیک سمجہے جاویں تو منوسمرتی میں اِس جگہہ پر پرسمپروردہ پڑتا ہے۔ پس صاف ثابت ہے کہ شلوک ۶۴/۱۰ اُن اسباب میں سے ایک سبب کو بیان کرتا ہے۔ جن کی وجہہ سے کہ ورن بدل جاتا ہے۔ پس اس کا تعلق شلوک ۶۵/۱۰ کے ساتہہ صاف ہوجاتا ہے۔ یعنی شلوک

۶۴ میں ورن کی تبدیلی کی ایک مثال دیگئی ہے۔ اُس پر شاید کسی کو یہہ شک ہو کہ ورن کیونکر تبدیل ہو سکتا ہے؟ اُس شک کو دور کرنے کے لیئے منوجی نے عام قاعدہ شلوک ۶۵ میں لکھدیا۔ کہ ورنوں کی باہم تبدیلی ہونا بھی ایک نیم ہے۔ پس شلوک ۴۴ اُس قاعدہ کے جزو کو بتلاتا ہے۔ نہ کہ قاعدہ کو محدود کرتا ہے۔

اِس شلوک کے متعلق اور بھی بہت سے حوالجات اور دلائل پیش کئے جا سکتے تھے۔ لیکن چونکہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے اِسے محض ایک مرتبہ دوہرا کر چھوڑ دیا تھا۔ اِس لئے زیادہ کہنے کی ضرورت نہ پڑی۔

(ب) پنڈت گوپی ناتھ صاحب کا دوسرا اعتراض یجروید کے اکتیسویں ادھیاء کے اُس مشہور منتر کے ارتھ کے متعلق تھا۔ جس کا کہ ورن بیوستھا کے ساتھ خاص تعلق ہے منتر ذیل

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद्बाहू राजन्यः

कृतः । ऊरू तदस्य यद्वैश्यः पद्भ्यां शूद्रो अजायत ॥

کو پڑھ کر سوامی دیانند کے ارتھ پڑھ دیے نہ صرف ارتھ ہی
پڑھ دیے۔ بلکہ اُس کے پورانک ارتھوں پر جو اعتراضات کہ
سوامی جی نے کئے ہیں وے بھی پڑھ دیے اور پھر اُن پر وہی
اعتراضات پیش کئے جو کہ دیانند تمر بھاسکر کے مصنف نے کئے
ہیں۔ اس کے متعلق ایک بات جتلا دینا ضروری ہے۔ کہ پنڈت
گوپی ناتھ صاحب نے اپنی طرف سے حسب ذیل ارتھ کئے تھے۔

"اُس وراٹ سوروپ برہم کے براہمن مکھ ہیں۔ کشتریہ
باہو ہیں۔ ویشیہ اُرو ہیں اور شودر پاد ہیں"

اس میں شبہہ نہیں کہ جب ہم نے اُن کو جتلایا کہ اُن کے کئے ہوئے
ارتھ کے مطابق تو سوامی دیانند کا دعویٰ بالکل ٹھیک ثابت
ہوتا ہے۔ اس وقت پنڈت صاحب کسیقدر گھبرا گئے اور ارتھوں

کو بدلنے کی کوشش بھی کی - لیکن بالکل بے سود -

(۱) پنڈت صاحب کا اعتراض یہہ تہا کہ جن لوگوں کو سرشٹی کے آدمیں پیدائیش کے وقت ہی براہمن بنایا گیا وے کیونکر شودر بن سکتے ہیں - اِس کا جواب یہہ دیا گیا - کہ سرشٹی کے آدمیں کسی کو براہمن بنایا یعنی فرض کیا نہیں گیا - بلکہ گذشتہ کلپ کے کرموں کے انوسار جو براہمن پدوی کے مستحق تہے اُنہیں براہمن قرار دیا گیا -

(۲) دوسرا اعتراض سوامی جی کے ارتہوں پر " دیانند تمر بہاسکر" کے الفاظ میں یہہ تہا کہ " اگر یہہ معنی کیئے جاویں کہ جو جانگہہ کے بل سے آوے وہ ویشیہ ہے تو یہہ جتنے براہمن - کشتری - ویشیہ - شودر وغیرہ پردیس میں آتے جاتے اور سفر کرتے ہیں - اور راجہ کی فوج بہی جانگہہ بل سے پردیس میں جاتی ہے - تو یہہ سب ہی ویشیہ ہونے چاہئیں؟ اِسکا

جواب یہہ دیا گیا کہ مثال ہر ایک حِصّہ پر صادق نہیں آیا کرتی یہاں مطلب یہہ نہیں ہے۔ کہ براہمن وغیرہ چل نہیں سکتے بلکہ مطلب یہہ ہے کہ براہمن کا زیادہ تر کام سر یعنی گلے کے اوپر والے حِصّہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ بتلایا گیا کہ دیکھو گلے کے اوپر اوپر پانچوں گیان اندریاں یعنی قوت ناطقہ۔ قوت باصرہ۔ قوت لامسہ وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن کرم اندریہ صرف بانی یعنی زبان ہے۔ پس براہمن کا وصف یہہ ہے کہ گیان اندریوں سے جسقدر گیان حاصل کرے۔ اُسی زبان کے ذریعہ سے فایدہ عام کے لئے پھیلاوے۔

(۳) واضح ہو کہ پورانک لوگ اس منتر کا ارتھ اس طور پر کیا کرتے ہیں۔ کہ براہمن پرمیشور کے (بعض پرانوں میں برہما سے پیدایش لکھی ہے) مُنہہ سے کشتریہ پرمیشور کے باہُو سے ویشیہ۔ پرمیشور کے اُرو سے اور شودر پرمیشور کے پیر سے

پیدا ہوتے ہیں۔ اور دلیل دیا کرتے ہیں۔ کہ جس طرح پیر کر منہہ پیر نہیں
ہو سکتا۔ اسیطرح براہمن شودر نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب سوامی جی
حسب ذیل دیتے ہیں۔" اور اگر منہہ وغیرہ انگوں سے براہمن وغیرہ
پیدا ہوتے تو اُپادان کارن (اپنی علت مادّی) کیطرح براہمن وغیرہ
کی شکل ضرور ہوتی۔ جیسا کہ مکھہ کا آکار گول مال ہے ویسے ہی اُنکے
شریر کا بھی گول مال منہہ کی طرح ہونا چاہیئے۔......" سپرنٹنڈنٹ
صاحب نے " دیانند تمر بھاسکر" کی دلیل کا سہارا لیکر اعتراض کیا۔ کہ
سب لوگ بھگ سے پیدا ہوتے ہیں تو سب کا آکار بھگ کی طرح کیوں
نہیں ہوتا (افسوس اِس شائستگی پر) اِسکا جواب یہہ دیا گیا کہ یونی
محض منشیہ شریر کے باہر آنے کا راستہ ہے۔ ورنہ منشیہ کا شریر
رج اور ویرج کے سنیوگ سے بنتا ہے۔ اس کے جسم کی علت مادی
بھگ نہیں ہے۔ بلکہ مرد کا ویرج اور عورت کا رجس بلکہ والدین
کے ایک ایک انگ کا حصّہ ایک ایک بچہ کا انگ شاستر کا روئے

بتلایا ہے۔ لیکن پورانکوں کا تو یہہ وشواش نہیں ہے کہ براہمن کی صرف پیدا ہونیکا راستہ پرمیشور کا مُنہہ ہے۔ بلکہ وہ تو یہہ معنیٰ کرتے ہیں۔ کہ پرمیشور کا مُنہہ ہی براہمن کی علّت مادی ہے۔ پس سوامی جی کا اعتراض بدستور قایم رہتا ہے۔ کہ اگر فی الحقیقت پرمیشور کا کوئی مُنہہ ہوتا اور وہی براہمنوں کی علت مادی تہا تو اُسی کے سدرش براہمنوں کا آکار ہونا چاہئے تہا۔

(۴) پہر پنڈت گوپی ناتہہ کا اعتراض یہہ تہا کہ اگر براہمن کشتری وغیرہ کی پیدایش پرماتما سے نہ مانی جاوے تو اُس کے قریب ہی گہوڑے وغیرہ اور ویدوں کی پیدایش بہی پرماتما سے ہی لکہی ہے وہ غلط ہوجاویگی۔ اِس کا جواب یہہ دیا گیا کہ یجروید کے اکتیسویں ادہیاۓ منتر ۹ تک پیدایش کا ذکر ختم ہوگیا۔ اُس کے بعد اِس کل بیرہاؤ منتر میں کے اندر کہ پرمیشور کا جاگرت یا دپنہ پنہ کلام کرتا ہے۔

(دیکہو اسی ادہیاۓ کا منتر ۱۲)

पादोऽस्येहाभवत्पुनः ॥

ایک وراٹ روپ قایم کرکے منتر ۱۰ میں سوال کیا ہے کہ اُس وراٹ
کی کتنے پرکار سے کلپنا کرسکتے ہیں۔ اُس کا جواب منتر ۱۱ سے شروع
ہوتا ہے۔ پہلی کلپنا یہہ ہے کہ کُل انسانی پیدایش کو اگر ایک پُرش
مان لیویں تو اُس فرضی پُرش کا گلے تک کا اوپرلا حصّہ براہمن
سمجھو۔ کیونکہ جس طرح پر اُس حصّہ میں پانچوں گیان اندریاں اور
بانی کرم اندریہ ہے۔ اِسی طرح براہمن کا کام ہے کہ کُل گیان حاصل
کرکے جیسا حاصل کیا ہے ویسا ہی لوگوں کے اُپکار کے لئے ظاہر کردیوے
چھاتی کے حصّہ کو بازوؤں سمیت کشتریہ سمجھو۔ کیونکہ جس طرح پر کہ بدن
کے کسی حصّہ پر آفت آنے لگے یا چوٹ لگے تو حفاظت کرنے والے بازو
ہی ہوتے ہیں۔ اِسی طرح پر انسانی جماعت پر جو آفتیں باہر سے آویں
اُن سے حفاظت کا کام کشتریہ کا ہے۔ کمر کے تمام حصّہ کو رانوں تک
ویشیہ سمجھو۔ کیونکہ جس طرح کہ معدہ ہر ایک چیز کو ہضم کرکے فضلا کو

خارج کر دیتا ہے اور غذا کا ست ہر ایک حصّہ کی پرورش کے لئے
پہونچاتا ہے۔ اِسی طرح ویشیہ کا کام ہے کہ تجارت اور کھیتی کے
ذریعہ سے دیگر ورنوں کو اُن کے ضروری سامان بہم پہونچاوے۔ اور
جسطرح پیر کل شریر کو پھیر لئے پھرتے ہیں۔ اسیطرح ہر ایک ورن کا
آدمی اپنے اپنے فرائض میں مشغول معمولی کاموں میں شودر سے
خدمت لے لیتا ہے۔ اس کے علاوہ بتلایا گیا کہ اگر منتر ۱۲۔ اور
اس کے آگے کے منتروں پر وچار کیا جاوے تو صاف ظاہر ہو
جاوے گا۔ کہ یہاں استعارہ کے طور پر تعلیم دی گئی ہے چنانچہ
منتر ۱۲ میں چندرما کو من سے تشبیہہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ
جس طرح من انسانی بناوٹ میں سب سے تیز چلنے والا ہے۔ اسی
طرح پر چندرماں سیاروں میں سب سے تیز چلنے والا ہے۔ اس
پر پنڈت صاحب نے یہہ اعتراض کیا تھا کہ ممکن ہے کہ کوئی سیارہ
چندرما سے بھی زیادہ تیز چلنے والا ہو۔ جس کے جواب میں پنڈت

صاحب کو چیلنج دیا گیا کہ اگر کوئی ایسا ستیارہ ہو تو اُس کا نام لیویں لیکن سوائے خاموشی کے جواب کیا ہو سکتا تھا۔ اسکے سوائے اُسی منتر میں سورج کو آنکھوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جو بالکل مناسب ہے۔ کیونکہ جس طرح کل روئے زمین کو دکھانے والا سورج ہے اُسی طرح پر انسانی بناوٹ میں کل جسم کو دکھلانے والی آنکھہ ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ پنڈت صاحب نے اپنی طرف سے کوئی مستند ارتھہ اس منتر کے پیش نہ کئے اور نہ ہی بحث میں کسی قسم کا سلسلہ قایم کیا ورنہ اُنہیں اپنی غلطی بہت جلد تسلیم کرنی پڑتی۔ بہر صورت جو کچھہ بات چیت اس منتر کی نسبت واقعی ہوئی وہی اسجگہہ درج کی گئی ہے۔ ورنہ زیادہ واضح کرنے سے کچھہ شک نہیں رہتا کہ صحیح ارتھہ وہی ہیں جو کہ سوامی دیانند جی مہاراج نے کئے ہیں کیونکہ اس منتر کے حصول کی ویاکھیا شت پتھہ براہمن میں بھی کی گئی ہے۔ جو کہ ٹھیک سوامی جی کے ارتھوں کے مطابق ہے :-

(ج) اوپر بیان کئے ہوئے منتر پر بحث کرتے ہوئے پنڈت گوپی ناتھ جی نے سوامی دیانند جی مہاراج کی تحریروں میں پرسپر وروده دکھلانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ اسجگہہ تو سوامی جی لکھتے ہیں کہ شودر کو وید پڑہنے کا ادہکار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مورکھ ہوتا ہے۔ لیکن آگے چلکر اُسی ستیارتھ پرکاش میں سوامی جی نے شودروں کے لئے بہی وید کا ادہکار بتلایا ہے۔

واضح رہے کہ اسجگہہ پنڈت صاحب نے شودر کو ادہکار دینے والے کسی منتر یا عبارت کا حوالہ نہیں دیا تہا۔ لیکن ہماری دریافت پر معلوم ہوا کہ پنڈت صاحب کی مراد یجر وید کے چھتیسویں ادہیاے کے دوسرے منتر سے ہے۔ اِس کے جواب میں منتر مذکور کو پڑہا گیا۔ جو حسب ذیل ہے۔

यथेमां वाचं कल्याणीमावदानि जनेभ्यः। ब्रह्मराजन्याभ्यां

शूद्राय चार्याय च स्वाय चारणाय ॥

اِس کا ارتھہ مہرشی دیانندکرت بتلایا گیا کہ اِس منتر میں پرمیشور فرماتا ہے۔ کہ "اے اِنسانو! جیسے میں سب اِنسانوں کے لیے اِس مبارک وید کو اُپدیش کرتا ہوں۔ اُسیطرح پر تم بھی براہمن۔ کشتریہ ویشیہ۔ شُودر۔ عورتوں دیگر متعلقین اور اَتی شُودروں (یعنی چانڈال وغیرہ) کو بھی اُپدیش کرو" بتلایا گیا کہ اِس جگہہ وید کے اُپدیش کا ادھکار سب کو ہے۔ لیکن جہاں کہیں شودر کو پڑھانے کا نشیدہ ہے اُس کی نسبت سوامی دیانندجی آگے چلکر خود بتلاتے ہیں کہ

"جیسے پرماتمانے پرتھوی۔ جل۔ اگنی۔ وایو۔ چندر۔ سوریہ اور اَنّ آدی پدارتھہ سب کے لیے بنائے ہیں۔ ویسے ہی وید بھی سب کے لیے پرکاشت کیے ہیں اور جہاں کہیں نشیدھ کیا اُس کا یہہ ابھپرائے ہے۔ کہ جسکو پڑھنے پڑھانے سے کچھہ بھی نہ آوے وہ نربدھی اور مورکھہ ہونے سے شودر کہاتا

اُس کا پڑھنا پڑھانا وِیرتھ ہے؟"

پس صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ سوامی جی کی تحریر میں پرسپرورودھ نہیں ہے۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ شودر (مورکھ) پر محنت کرنا بیفایدہ ہونیسے لکھا ہے۔ کہ وید اُس کو نہ پڑھایا جاوے۔ لیکن ویدک اُپدیش کے سب ادھکاری ہیں۔ چنانچہ اِسی دوران میں مینے اِس بات پر خوشی ظاہر کی کہ جو پَورانک لوگ کہ آریہ سماج کے کام شروع کرنے سے پہلے یہہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ شودروں کو وید منتروں کے سُننے کا ادھکار نہیں ہے۔ اور جن بھائیوں کا اِس پُوران واکیہ پر وشواس تھا کہ "اگر شودر کے کانوں میں وید منتروں کی آواز کہیں چلی جاوے تو سِکہ گلا کر اُسکے کانوں میں بھرنا چاہئے" وے اب خود مہرشی دیانند کے بتلائے ہوئے وید واکیہ پر عمل کرکے شودر تو درکنار۔ مسلمانوں عیسائیوں اور چانڈالوں تک کو وید منتر سُنانے میں دریغ نہیں کرتے۔

(واضح رہے کہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے حسب عادت خود زیادہ تر انحصار دلیلوں پر رکھا تھا۔ اس لئے اُن کی ہر ایک دلیل کا جواب دیا جانا ضروری تھا۔ گو اُن میں سے بہت سی دلیلیں مضمون سے کم تعلق رکھتی تھیں۔ تاہم اس خیال سے کہ مبادا غلط فہمی ہو۔ سب کا جواب دیا گیا تھا۔ پس اگر کسی غیر متعلق دعویٰ کا جواب میری طرف سے دیا گیا تو اُس کے لیے پنڈت گوپی ناتھ جی ذمہ وار ہیں۔)

(۵) سوامی دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش میں حسب ذیل سوال فریق ثانی کی طرف سے خود بخود اُٹھایا ہے " پرشن۔ جو کسی کے ایک پتر وا پتری ہو۔ وہ دوسرے ورن میں پرویشٹ ہو جاوے۔ تو اُس کے ماں باپ کی سیوا کون کریگا۔ اور ونش چھیدن (خاندان کا خاتمہ) بھی ہو جاویگا۔ اسکی کیا ویوستھا ہونی چاہیے؟" اس کا جواب سوامی دیانند نے حسب ذیل دیا ہے:۔

" نہ کسی کی سیوا کا بھنگ اور نہ ونش چھیدن ہوگا۔ کیونکہ اُنکو

اپنے لڑکے لڑکیوں کے بدلے اپنے ورن کے یوگیہ ودھ شتر ستان (دوسرے)
وِدّیا سبھا اور راج سبھا کی ویوستھا سے مِل گئے - اس لئے کچھ
بھی اپوستھا نہ ہوگی!! سوامی دیانند کا یہہ لیکھہ پڑھ کر
پنڈت کوپی ناتھہ نے اِسے Unnatural (خلافِ قدرت)
ظاہر کیا - اور سامعین کے جذبات کو خاص طور پر بڑے رِقّت
انگیز الفاظ میں اپیل کیا - پنڈت صاحب نے ایک یہہ اعتراض کیا
کہ اگر ایک کشتری کروڑپتی کا لڑکا شودر بن جاوے اور ایک
شودر مفلس کا لڑکا کشتریہ کی پدوی کا ادھکاری بنے تو کیا
دونوں کے خاندانوں کی تبدیلی افسوسناک نہ ہوگی - اِس کے
جواب میں عرض کیا گیا کہ اگر وید اور شاستروں کی بتلائی ہوئی
ورن اور آشرم ویوستھا قایم ہو جاوے تب تو اِس سوال
کی گنجایش ہی نہیں رہتی - کیونکہ مطابق تقسیم آشرموں کے
ہر ایک گرہستھی پچیسویں سال کے شروع میں گرہستھ آشرم کا

آرنبھہ کرتا ہے۔ پس اُس کا سب سے بڑا لڑکا چھبیسویں ۲۶ سال
سے پیشتر پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر پانچویں یا آٹھویں یا دسویں
سال اُس لڑکے کو گورُوکل میں داخل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔
اور پچیس برس کی عمر تک برہمچریہ پالن کرنا ہی اُس کے لئے لابدی
ہے۔ پس جس وقت پتا کی عمر کے ۵۱ سال کا آغاز ہوگا۔ اُس وقت
کہیں لڑکا گرہستہ آشرم کا ادہیکاری بنے گا۔ لیکن باپ اُس وقت
وان پرستھ آشرم کی طیاری میں لگا ہوگا۔ پس باپ کو لڑکے کیساتھ
گھر میں رہنا نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔ پھر سیوا وغیرہ کا بہنگ ایک
دھمی سوال ہے۔ لیکن سوامی جی کا جواب حال کے ورن آشرم ہم
سے گرے ہوئے زمانہ کے لئے ہے۔ سوامی جی فرماتے ہیں۔ کہ اگر
سنتان کا ایسا لالچ ہی ہو اور ساتھ ہی گرہستی گرہستہ میں
ہی لپٹے رہیں تب ہی اپنے ورن کے مطابق راج سبھا اور ودیا
سبھا کے انتظام کے موافق لڑکے لڑکیاں لے سکتے ہیں۔ اس میں

خرابی اس لیے نظر آتی ہے کہ ایسی عادت نہیں پڑی اگر قاعدہ
بدل جاوے جو کہ مناسب ہے تو عادت پڑنے پر کشتریہ باپ کے
گھر شودر کے اوصاف رکھنے والا لڑکا unnatural
معلوم ہونے لگے گا - اسجگہہ پنڈت گوپی ناتھہ جی نے کہا کہ اگر راج
سبھا کسی کشتریہ کے لڑکے کو پتت ہونے پر شودر کے حوالے کردے اور
لڑکا اپنے باپ کی کروڑوں روپیوں کی جایداد کا دعوی کرے -
اور اُس کا مُدعا علیہ لالہ منشی رام کو وکیل کرے تو کیا ہم بحث کرینگے
کہ مدعی جایداد پدری سے محروم ہونا چاہیئے - اِس کے جواب میں
کہا گیا کہ راج سبھا جو کچھہ کرے گی اپنے قانون کے مطابق کرے گی
پس اگر راج سبھا موجودہ غلط طریقے کو بدل کر ورن بیوستھا
کو گُن کرم انوسار قایم کردے گی - تو پھر ہم کیوں نہ بحث کرینگے
کہ گُن کرم ہین لڑکا جایداد سے محروم کیا جاوے ۔
(ح) پنڈت گوپی ناتھہ جی نے اس کے بعد فرمایا کہ خود سوامی

دیانندجی کی سنسکار ودہی اور دیگر گرنتھوں میں آئے ہوئے بیانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ورن بیوستھا کا انحصار جنم پر ہی ہے نہ کہ گن۔ کرم پر۔ چنانچہ انہوں نے اس ضمن میں تین دلایل پیش کیں جن کا جواب کہ سلسلہ وار دیدیا گیا۔

(۵) پنڈت صاحب نے فرمایا کہ اگر ورنوں کا فیصلہ برہمچریہ آشرم کے خاتمہ پر ہوتا تو کیوں سنسکار ودہی میں لکہا گیا کہ نام کرن سنسکار کرتے وقت براہمن کے لڑکے کے نام کیساتھ شرما۔ کشتریہ کے لڑکے کے نام کیساتھ ورما وغیرہ الفاظ جوڑے جاویں۔ اس کا جواب یہہ دیا گیا کہ چونکہ ماباپ ہی گن کرم انوسار ہی براہمن۔ براہمنی بنے ہیں۔ اسلئے سنسکاروں کی فلاسفی کے مطابق اُنکے شُبہہ گنوں کا اثر ضرور اولاد پر پڑیگا۔ اسلئے انومان ہوسکتا ہے کہ براہمن کا لڑکا زیادہ حالتوں میں برہمچریہ آشرم پورا کرنے پر بہی براہمن ہی رہیگا۔ لیکن اگر وہ کسی وجہہ سے اپنے پتا کے ورن سے

گر گیا تو گرو اُسکو جنیھا یوگیہ ورن میں داخل ہونیکی آگیا دیدیگا۔

نیز یہہ بھی جواب دیا گیا کہ सूत्रशाटी न्याय
(سوترشاٹی نیائے) کے مطابق بھی اُن کا نام شرما۔ورما رکھ
سکتے ہیں۔جس طرح پر کہ جولاہے کو سُوت دیکر کہا جاتا ہے کہ ساڑہی
بُن دے۔حالانکہ ساڑہی کا اُس وقت تک وجود نہیں ہوتا اسیطرح
پر براہمن اپنے لڑکے کو گُرو کے سپرد کرکے کہتا ہے کہ براہمن بنا
دے اور اُس کے نام کے ساتھ شرما پد بھی جوڑ دیتا ہے۔گو اُس
وقت تک وہ لڑکا پُورا براہمن نہیں بنا۔اس کے جواب میں پنڈت
صاحب نے فرمایا کہ ڈپلوما Deploma دیکر چھین کیسے لیا
جا سکتا ہے۔اور کس کو اختیار ہے کہ براہمن کے لڑکے سے شرما کا
ڈپلوما چھین لیوے۔اسکے جواب میں عرض کی گئی کہ جس طرح ایک
براہمن کے عیسائی یا مسلمان ہو جانے پر اُسے شرما نہیں کہتے۔اور
اُس کا براہمن پن کا ڈپلوما چھین لیا جاتا ہے۔اسیطرح پر یہاں

ہی ڈپلوما پہنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اِس سے ہرگز یہہ ظاہر نہیں ہوتا
کہ نام کرن کے قواعد مقرر کرنے والے رشی یا مہرشی دیانند ورن
بیوستھا کو جنم انوسار مانتے تھے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ظاہر
ہوتا ہے کہ وے لوگ ورن بیوستھا گن کرم انوسار مانتے تھے۔ تب ہی
تو براہمن کی اولاد سے اُمید ہو سکتی تھی کہ زیادہ حالتوں میں اچھر
ہی نکلے۔ (۲) اِس ضمن میں دوسرا دعویٰ پنڈت گوپی ناتھہ کا
یہہ تھا کہ چونکہ سوامی دیانند نے اُپ نین سنسکار (جنیئو دھارن
کرنے کا سنسکار) میں لکھا ہے کہ براہمن کا پانچویں۔ کشتریہ کا
چھٹے۔ اور ویشیہ کا آٹھویں برس یگیوپویت ہونا چاہیے۔ اِس سے ہی
ثابت ہوتا ہے کہ ورن بیوستھا جنم پر ہی ماننی ٹھیک ہے۔
اگر ایسا نہ ہوتا تو یہہ عمروں کی تفاوت کچھہ معنی نہیں رکھتی۔ اِس
جواب میں بتلایا گیا کہ یہاں براہمن۔ کشتریہ۔ ویشیہ کے اُپ نین
سنسکار کا ذکر نہیں ہے بلکہ اُن کے لڑکوں کے اُپ نین کا ذکر ہے

چنانچہ بھوشیہ پُران یہ زور دیکھ ہی گھسا دیا گیا۔ چونکہ منو و پنڈت
صاحب نے اپنے اس بیان کی تائید میں پیش کیا تھا۔ (دیکھو بھوشیہ
پُران ترجمہ ہندی مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۸۶ء ص)

پتر ہو ہمیشہ دس برس کی دلہیا والا ہو یعنی پانچویں برس میں بالک کی جنیا
والا کشتریہ چھٹے برس میں اور دہیا کی کامنا والا ویشیہ آٹھویں
برس میں اپنے اپنے بالکوں کا یگیوپویت کریں۔

(واضح رہے کہ اوپر لکھا ہوا بھوشیہ پُران کا اقتباس منو کے اس
شلوک کا لفظی ترجمہ ہے جو کہ سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش صفحہ
ودیا میں لکھا ہے۔ بھوشیہ پُران میں منو کا شلوک منو سمرتی اور
مہابھارت کے بغیر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ شلوک حسب ذیل ہے۔

ब्रह्मवर्चसकामस्य कार्यं विप्रस्य पं
चमे । राज्ञो बलार्थिनः षष्ठे वैश्य
स्येहार्थिनोऽष्टमे ॥

دیکھو منوسمرتی ادھیاے دوم شلوک ۳۷) اسکے سوائے
یہہ بتلایا گیا کہ اگر ورنوں کی تقسیم کو جنم پر قایم کیا جاوے تو یہہ
تفریق بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو سلسلہ منو بھگوان
نے قایم کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ براہمن کے لڑکے کی
بُدھی کو دیگر ورنوں کے لڑکوں کی بُدھیوں کی نسبت جلد نشو ونما
پانے والی مانتے ہیں۔ لیکن اگر جنم سے ہی براہمن مانا جاوے
تو جہاں چاروں ویدوں کے جاننے والے براہمن کا لڑکا پانچ
برس کی عمر میں وید آرنبھ کے قابل ہو جاتا ہے وہاں گیان
کھو دینے والے دور شرم و بخود۔ بدچلن قمار باز جنم کے براہمنوں
کے لڑکے شاید دس برسوں کی عمر میں مشکل سے ہوش سنبھالنے
کے لایق ہو سکتے ہیں۔ پھر بلا تمیز ہر ایک براہمن کے لڑکے کیلیے
پانچ برس کی عمر کی قید ظاہر کرتی ہے کہ منو جی ورنوں کی
تقسیم گُن کرم انوساری کرتے تھے۔ اور جب یہہ اصول ٹھیک

مانیں تو یہہ مختلف ورنوں کے لڑکوں کے یگیوپویت کے زمانہ
کی تفاوت سمجھہ میں آجاتی ہے ۔ (۴۲) اسی ضمن میں میرا
اعتراض پنڈت صاحب کا یہہ تہا کہ جب کشتریہ کا لڑکا برہمچریہ
کی سماپتی پر برہمن ہوجاوے تو اپنے ورن اور ماتا کی چہہ پیڑہیوں
اور نیز گوتر کو چہوڑ کر بواہ کرنے کے کچھہ معنے نہیں رہتے اسکے
متعلق مہرشی دیانند. کرت سنسکار ودہی سے پنڈت صاحب
نے حسب ذیل پاٹھہ بہی پڑہا تہا ۔ جو کہ منو جی کے دو شلوکوں
کا ترجمہ ہے ۔ "نہ یتہاوت اُتم ریتی سے برہمچریہ اور ودّیا
کو گرہن کر گرو کی آگیا سے سنان کرکے براہمن کشتریہ اور
ویشیہ اپنے ورن کی اُتم لکشن یُکت ستری سے بواہ کرے
جو ستری ماتا کی چہہ پیڑہی اور پتا کے گوتر کی نہ ہو وہی
دوِجوں کے لئے بواہ کرنے میں اُتم ہے" جواب میں کہا گیا
کہ اپنے ورن سے مراد یہی ہے کہ گُن کرما نوسار جس ورن کا یوگیہ

ہو اُسی ورن کی ستری سے وِواہ کرنا چاہئے چنانچہ نِرُکت
کے پرمان سے دکھلا یا گیا۔ کہ ورن کے معنے جاتی کے نہیں بلکہ
گُن کرما نوسار اوسکا رونے کا نام ہی ورن ووستھا قایم
کرنا ہے۔ ।। वर्णो वृणोते (دیکھو نرکت ادھیائے ۲ ۔
پاد اوّل کھنڈ ۳) پس اپنے ورن سے مراد یہہ ہے کہ اگر مرد براہمن
کے گن۔ کرم۔ سوبھاؤ سے موصوف ہو تو عورت بھی اِنہیں صفات
سے موصوف ہونی چاہئے۔ ماتا کی چھہ پیڑھیوں اور پتا کے گوتر
کو چھوڑ کر وِواہ کرنے کا مطلب یہہ ہے کہ وِواہ دور ہونا ہی
اچھا ہوتا ہے۔ جسقدر دائرہ وِواہ کا فراخ ہوگا۔ اُسیقدر
نیا خون داخل ہونے سے اولاد مضبوط اور اچھی ہوتی رہے گی۔
پس جب اس اصول پر وِواہ قایم کیا گیا ہے تو اصل ماتا
کی چھہ پیڑھیاں چھوڑنی ضروری ہیں۔ مثلاً ایک شخص کشتری
کا بیٹا براہمن ہوگیا ہے۔ تب بھی اُسکے لئے ماتا کی چھہ پیڑھیاں

چھوڑنی لازمی ہیں۔ مبادا چھ پشتوں کے اندر اُسی خاندان
کا اور کوئی آدمی براہمن ہو چکا ہو اور اُس کی لڑکی کے ساتھ
وواہ ہو جاوے تو دائرہ تنگ ہو جاویگا۔ اور جو اُس کُل
کے لوگ کشتریہ کے کشتریہ ہی بنے رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ تو
سمبندھ ہونے کی کوئی اُمید ہی نہیں ہے۔ پس گُن کرما نوسار
ورنوں کی تقسیم مانتے ہوتے بھی ماتا کی چھ پیڑھیاں چھوڑنی
ضروری ہیں اور پتا کے گوتر چھوڑنے کی بھی اسی لئے ضرورت
ہے۔ گوتر کی نسبت پنڈت گوپی ناتھ صاحب کی ایک اور غلط
فہمی بھی دُور کی گئی ۔ پنڈت صاحب گوتر سے یہ مُراد لیتے
تھے کہ جس نام کے گوتر کا جو خاندان ہے اُسی نام کے رشی
کی سنتان اُنہیں ماننا چاہیے۔ اس کے جواب میں عرض کی
گئی کہ اگر ایسا ہی ہے تو کیوں ایک ہی رشی کے نام سے براہمن
اور کشتریہ دونوں کے گوتر مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گوتر چاروں

ورنوں میں مشترکہ ہیں۔ چنانچہ براہمن اور کشتریہ دونوں
کے گوتر بھاردواج وشِشٹھ وغیرہ دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے میں نے
دو نتیجے نکالے۔ اول یہہ کہ اگر ایک ہی کی اولاد کشتریہ اور
براہمن دونوں ہو سکتے ہیں تو پنڈت گوپی ناتھ کا یہہ دعویٰ
اُڑ گیا کہ براہمن کے ویریہ سے اُتپن ہو کر کشتریہ وغیرہ نہیں
ہو سکتا۔ اور اگر یہہ مانا جاوے کہ گوتر سورث اعلیٰ کے نام پر
ہی نہیں ہوا کرتا تھا۔ بلکہ آچاریہ کے نام پر بھی۔ تب پنڈت
صاحب کا موجودہ اعتراض قایم نہیں رہتا۔ کیونکہ ورن
بدل جانے پر بھی آچاریہ کا گوتر بچانا برابر ضروری رہا۔ گوتر
کے آچاریہ کے نام پر ہونے کے بابت میں نے پرمان بھی دیا تھا
پانینی کرت اشٹادھیائی کے دوسرے ادھیائے کے اول پاد کا
اُنیسواں سوتر حسب ذیل ہے :-

संख्या वंश्येन ॥ اسپر وارتک کار لکھتے ہیں۔

विद्यया जन्मना वा प्राप्ता मामेकलक्षणा सन्तानो वंश इत्यभिधीयते ।

اس سے زیادہ عبارت پڑھنے کا موقعہ نہ تھا۔ کیونکہ بہت سے اعتراضوں کے جواب دینے تھے۔ تاہم اِس سے معلوم ہو گیا۔ کہ خاندان محض جنم پر قایم نہیں ہوتے بلکہ ودیا کا سمبندھ بھی خاندان کا کارن ہوا کرتا ہے۔

(ط) پنڈت صاحب نے سب سے پہلے یہہ دعوی کیا تھا کہ نہ ہی شودر براہمن ہو سکتا ہے اور نہ ہی براہمن شودر ہو سکتا ہے لیکن جب ہم نے بھوشیہ پران اور مہابھارت وغیرہ سے کچھہ پرمان پیش کردئے (جنہیں آگے لکھا جاویگا) تو پنڈت صاحب نے مجبوراً اِسویکار کیا تھا کہ جو براہمن اپنے کرموں سے گر جاوے اُس کے دیگر ادہیکار تو نہیں لینے چاہئیں۔ یعنی اُس کا آدر نہیں کرنا چاہئے اُس کو نیوتہ نہیں کھلانا چاہئے۔ وغیرہ۔ لیکن اُس کا ورن

پہر بہی براہمن کے ہی گہر کرنا چاہیئے۔ پس پنڈت صاحب نے
آخر کار سِدّہانت قیام کیا کہ ورنوں کی تقسیم محض ذواہ کے لئے
جنم کے مطابق ہونی چاہیئے۔ باقی امور کے لئے براہمن پتت ہونے
پر شودر سمجہا جانا چاہیئے۔ اور شودر نیک اوربا بد ہونے پر
براہمن سے بہی بڑہ کر سمجہا جانا چاہیئے۔ چنانچہ پنڈت صاحب
نے منوسمرتی کا حسب ذیل شلوک پڑہا۔

यथा काष्ठमयो हस्ती यथा चर्ममयो मृगः।
यश्च विप्रोऽनधीयानस्त्रयस्ते नाम बिभ्रति॥

منوسمرتی ادہیایہ ۲ شلوک ۱۵۷۔ "جیسے کاٹہہ کا ہاتہی
اور چمڑے کا ہرن صرف نام ماتر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح بے پڑہا
براہمن بہی محض نام کا ہی براہمن ہے"۔ اس شلوک سے پنڈت
صاحب نے یہہ نتیجہ نکالا کہ نام کا تو براہمن ہے پس اُس کا وِواہ
براہمن کُل میں ہونا چاہیئے۔ دیگر ادہکاروں سے خواہ گراہی

دیا جاوے - اِس کے جواب میں عرض کی گئی - کہ

(۱) تو یہہ عقلمندی نہیں ہے کہ جس فعل کا اثر پُشتہا پُشت تک پڑنے والا ہو اُس میں تو گھاس کھود نے والے کو براہمن مانا جاوے - اور دیگر ادہکاروں سے اُسے گرا دیا جاوے جنمیں بعض کا کچھہ بھی اثر نہیں پڑسکتا - مثلاً بتلا یا گیا - کہ اگر پتت براہمن کو بھی کوئی نمسکار کردیوے تو زیادہ نقصان نہیں ہوتا - (گو نقصان ضرور ہے) لیکن اگر ایک وِدُوشی براہمنی کی ساتھہ ایک مورکھہ جنم کے براہمن کا وواہ کیا جاوے تو سنتان خراب پیدا ہوگی - اِسجگہہ واضح طور پر دکھلا یا گیا کہ اِسی اصول پر کام کرنے سے چاروں ویدوں کے جاننے والے براہمنوں نے جب مورکھا ستریوں سے وِواہ کرنا شروع کیا تو آریہ سنتان کہاں تک گرتی چلی گئی - حتیٰ کہ اُنہیں طوقِ غلامی گلے میں پہننا پڑا - (۲) کہا گیا کہ اگر شرابخور

رنڈی باز ۔ مانس بھکشی جنم کے براہمنوں کا وواہ براہمن کل میں
ہی ہونا چاہئے ۔ تو کیا وجہہ ہے کہ پلوری گوکل ناتھہ کے خاندان میں
کوئی جنم کا براہمن لڑکی دینے کو طیار نہیں ہے ۔ جواب یہی ملے گا
کہ چونکہ وہ پتت ہوگئے اسلئے اُن کو لڑکی دینے سے پرہیز ہے ۔ پس
جب اُن کے لئے پرہیز ہے تو میری طرف سے پوچھا گیا کہ جو پروہت نام
رکھا کر یجمانوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں شراب اور فاحشہ عورتیں
لاکر دیتے ہیں ۔ جو کہ شرابخور بدمعاش یجمانوں کے ساتھہ شراب پیتے
اور بڑے بڑے کوکرم کرتے ہیں ۔ جو کہ پروہت نام رکھاتے ہوئے
پرمیشور کو گالیاں دیتے اور ناستک وید نندک بنے ہوئے ہیں جو کہ
مانس شراب کے استعمال کرنے والے یجمانوں کے یہاں نیوتہ میں نس
شراب کا استعمال کرتے ہیں ۔ ایسے پتت پرشوں کو کیوں نہیں براہمن
ورن سے پتت کیا جاتا ۔ اس کے ساتھہ ہی منو کا حسب ذیل شلوک
میں نے پیش کیا ۔ (دیکھو منو سمرتی ادہیایہ ۱۱ شلوک ۹۸)

यस्य कायागतं ब्रह्म मद्येनाप्लाव्यते सकृत।
तस्य व्यपैति ब्राह्मण्यं शूद्रत्वं च स गच्छति॥

اِس پر ٹیکا کرتے ہوئے کلوک بھٹ کہتے ہیں۔

तथा चैकवारमपि यो ब्राह्मणो मद्यं पिबति तस्य ब्राह्मण्यं व्यपैति शूद्रतां समाप्नोति॥

تو پھر میں نے سوال کیا کہ جب منوجی ایک بار شراب پینے سے براہمنیت
یا براہمن پن نشٹ ہونا اور اُس کو شودرتو کو پراپت ہونا لکھتے ہیں
تو پھر جو براہمن روزمرہ شراب پیتے ہوئے بھی پوجے جاتے ہیں اُنکی
کیا ویوستھا ہونی چاہئے۔ اِس پرمان ست میں نے پنڈت گوپی ناتھ کو
دکھلایا کہ منوجی نے ہرگز یہہ نہیں مانا کہ شودرت ہو جاتا ہے یا نام
ماتر کا ہی براہمن رہتا ہے بلکہ صاف لکھا ہے کہ اُس کا براہمن پن
نشٹ ہو جاتا ہے اور جب براہمن پن ہی براہمن کی نشانی ہے تو اُسکے دا

ہونے پر اور باقی کیا رہ جاتا ہے۔ (۴) اخیر میں یہہ عرض کی گئی۔ کہ اگر کاٹھہ کے ہاتھی کے ساتھہ سچ مُچ کی ہتھنی کا ودواہ کر دیتے ہوں اور محض چمڑے میں بھُس بہرے ہوئے مرگ کے ساتھہ مرگی کا دواہ عقلمند لوگ کر دیتے ہوں تو آپ بہی نام ماتر کے براہمن کے ساتھہ سچ مُچ کی گن شیلا براہمنی کا ودواہ کر دیجئے۔

(ی) پنڈت گوپی ناتھہ صاحب نے خود ہی یہہ سوال اُٹھا کر کہا کہ نچلے ورن والوں کو ترقی سے روکنے میں براہمنوں کی کچہہ خود غرضی تہی یا نہیں۔ جواب دیا کہ اگر خود غرضی ہوتی تو کیوں نہ براہمنوں کو اوتار مانتے۔ برخلاف اس کے اُنہوں نے ظاہر کیا کہ براہمنوں نے رام۔ کرشن وغیرہ کشتریوں کو ایشور کا اوتار ٹھہرایا۔ اور اُنہیں اپنا بہی پوجیہ دیو قرار دیا۔ گو یہہ امر غیر متعلق تہا۔ اور اِسکی نسبت میری طرف سے کوئی عذر بہی نہیں اُٹھایا گیا تہا۔ تاہم پنڈت صاحب کے چیلنج پر جواب دیا گیا کہ کشتریوں کے بزرگوں کو اوتار

ماننے کا بھی یہی مطلب تہا کہ اُن سے دھن پر اپتی کیجا وے اوتار رام۔ کرشن کشتریہ بنے تاہم اُن کے پوجاری برہامھن ہی ہیں۔ اسی ضمن میں پنڈت جی نے یہہ بہی کہا کہ اگر ورن بیوستہا گن کرم انوسار پر اچین سمے میں مانی جاتی تو رام۔ کرشن وغیرہ کو کیوں نہ براہمن کی پدوی ملی۔ اِس کا جواب یہہ دیا گیا کہ چونکہ وے دونوں کشتریوں کے دہرم کا پالن کرتے رہے۔ اِسلئے اُنہیں براہمن ورن میں داخل نہ کیا گیا۔ ورنہ وشوامترجی کے کشتریہ دہرم کے تیاگ دینے پر اُنہیں ایک ہی جنم میں صرف براہمن کی ہی پدوی نہیں بلکہ برہمہ رشی کی پدوی مل گئی۔

(گ) پنڈت گوپی ناتہہ صاحب نے ورنوں کی جنم کے مطابق تقسیم کو مستند قرار دینے کے لئے منو کا حوالہ دیکر بتلایا کہ جب یہہ آگیا ہے کہ دس برس کے براہمن کے بالک کو بھی سو برس کا شودر نمسکار کرے تو پہر گن کرم انوسار ورن بیوستہا کیسے مانی جاوے۔

اِس کے جواب میں عرض کی گئی کہ منُو نے صاف مانا ہے کہ بال سفید ہونے سے آدمی بزرگ نہیں بنتا - بلکہ علم و عمل سے بزرگ بنتا ہے پس اس منُو کے پرمان سے تو یہہ ثابت ہوتا ہے کہ گُن کرم انوسار ہی ورن بیوستھا منُوجی نے قایم کی ہے - یہاں پر وِدْوان براہمن پُتر سے مطلب ہے نہ کہ مورکھہ کہاں کہو دنے والے براہمن پُتر سے۔

پنڈت صاحب نے اس دعوی کے ثبوت میں کہ براہمن شودر نہیں ہو سکتا - اور شودر براہمن نہیں ہو سکتا - چند ایک تمثیلیں دیں جنکا جواب کہ اُسی وقت دیدیا گیا تھا - (۱) پنڈت صاحب نے فرمایا - کہ جسطرح سونا چاندی نہیں ہو سکتا اور چاندی سونا نہیں ہو سکتی - اسیطرح براہمن شودر اور شودر براہمن نہیں ہو سکتا - اِس کے جواب میں کہا گیا کہ یہہ مثال صادق نہیں آتی - کیونکہ یہہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سونا چاندی نہیں ہو سکتا اُس طرح انسان گھوڑا نہیں ہو سکتا لیکن جس طرح کہ سونے کی زنجیر کے طلائی جُھمکے یا سونے کی چمپاکلی

بن سکتی ہے۔ اسی طرح براہمن انسان بہی شودر۔ اور شودر انسان بہی براہمن بن سکتا ہے۔ (۲) دوسری تمثیل پنڈت صاحب نے بہیڑ اور گئو کی دی جس کی اسی اصول پر تشریح کر دی گئی۔

(ل) پنڈت گوپی ناتہہ نے اپنے اس دعوی کی تائید میں کہ شاستر کار ورن بیوستہا کو جنم پر ہی قایم کرتے ہیں۔ یہہ دلیل پیش کی کہ چونکہ براہمن کے گن سوابہاوک کہے گئے ہیں۔ اس لئے ورنوں کی تقسیم جنم پر ہی ماننی چاہئے۔ اس جگہہ پنڈت صاحب نے محض اسیقدر ٹکڑہ گیتا کے شلوک کا پڑھ ब्रह्मकर्म स्वभावजम् دیا۔ اس کے جواب میں میں نے مندرجہ ذیل پورا شلوک گیتا کا پڑہکر اسکا ترجمہ کیا۔

शमो दमस्तपः शौचं क्षान्तिरार्जवमेव च।
ज्ञानविज्ञानमास्तिक्यं ब्रह्मकर्मस्वभावजम्॥

من کو قابو کرنا۔ اندریوں کو بس میں رکہنا۔ تپ۔ پاکیزگی۔ دہرم میں مضبوطی۔ نمرتا۔ گیان۔ وگیان اور آستکتا یہہ کرم براہمن میں

سوَ بھاؤ سے ہی ہونے چاہئیں۔ پھر میں نے بتلایا کہ اگر پنڈت صاحب
کے معنی ٹھیک ہیں تو براہمن کُل میں پیدا شدہ لڑکوں میں بلا تمیز
یہہ گنُ پائے جانے چاہئیں۔ لیکن ایسا دیکھنے میں نہیں آتا پس یہاں
بھی اگر گنُ۔ کرم سے براہمن مانیں تو ارتھ ٹھیک گھٹ جاتے ہیں۔
کیونکہ گنُ کرما نوسار جو براہمن ہے اُسمیں تو اِن کرموں کی موجودگی
مسلّمہ ہی ہے۔ ورنہ اگر جنم کے براہمن میں یہہ کرم سوابھاوک مانو تو
جو براہمنوں کی اولاد گھاس کھودتی۔ مانس کھاتی۔ شراب پیتی۔
اور قمار بازی وبھچار میں مشغول رہتی ہے اُنکی بیوستھا کیسے کروگے۔
اور اِس خیال کی تردید کے لئے میں نے سوامی شنکر آچاریہ
کرت بجر سوچی کا حسب ذیل شلوک پڑھا۔

जन्मना जायते शूद्रः संस्काराद् द्विज उच्यते।
वेदभ्यासात्भवेद् विप्रः ब्रह्म जानाति ब्राह्मणः॥

" جنم سے سب شودر ہوتے ہیں۔ سنسکار سے دوِجؔ یعنی دوجنما بنتے

ہیں۔ وید کے ابھیاس سے وِپر ہوتا ہے۔ اور برہم کو جاننے والا برامھن ہوتا ہے"؂

(۴) علاوہ اور دلیلوں کے یہہ غیر متعلق دلیل بھی پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے پیش کی۔ اور اُس کی بنا پر بیجا طور سے سامعین کے جذبات کو اپیل کرتے رہے کہ پرکنس صاحب مذہب عیسوی کی ہندوستان میں ناکامیابی کا ذکر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کو عیسائیوں کے ہیجے سے ذات (Caste) کے (pride) غرور نے بچایا ہے۔ جب تک سکول ماسٹر وغیرہ چوہڑے چمار مقرر کر کے اُن لوگوں کی ذات کا غرور نہیں توڑا جاتا تب تک یہہ عیسائی نہ ہوں گے۔ یہہ بیان کر کے پنڈت صاحب نے سامعین کو پُرجوش الفاظ میں بھڑکانا چاہا۔ اور فرمایا " جبکہ دشمن بھی تمہارے جنم پر درن بیوستھا کی طاقت کو تسلیم کرتا ہے تو تمہاری کیسی نادانی ہوگی۔ اگر تم اِس انسٹیٹیوشن کو جواب دیدو گے؟" پنڈت

صاحب نے یہہ بھی فرمایا کہ اگر یہہ جاتی بھید توڑ دیا گیا۔ تو
ضرور بالضرور ورن سنکر ہو جاویگا۔ اِس کے جواب میں گذارش
کی گئی کہ اول تو غرور (Pride) کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔
پنڈت صاحب نے چونکہ انگریزی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسلیئے
انگریزی کی ہی ایک ضرب المثل سے اُس کا کھنڈن کرنا ضروری
ہے۔ کیا پنڈت صاحب نے نہیں سُنا کہ "Pride goes before destruction" (یعنی۔ غرور بربادی
کا پیش رو ہوتا ہے") میں نے بیان کیا کہ اِسی غرور کی بدولت ہم
آج اسقدر گرے ہوئے یہہ دن دیکھہ رہے ہیں کہ جن کے بزرگ ہمارے
رشیوں کے روبرو طفل مکتب تھے۔ وہ آج ہمیں سبق دینے کا
حوصلہ کر سکتے ہیں۔ میں نے بتلایا کہ اگر یہہ ذات کا غرور ہم کو نہ گراتا
تو ممکن نہ تھا کہ سنسکرت سے بے بہرہ اینی بسینٹ ہمیں ہمارے ہی
شاستروں کا سبق دینے کے لیئے آتی۔ یہہ جواب تو میرا مسٹر کینسر

اور پنڈت گوپی ناتھ کے دعوی کو مان کرتا ہا۔ لیکن میں نے کہا کہ
میں ہرگز یہہ ماننے کے لئے طیار نہیں ہوں کہ ذات کے غرور نے
آریہ سنتان کو عیسائی مردم پرستی کی گہری غار سے بچایا۔ میں نے
پوچھا کہ جس وقت سوامی دیانند کے ظہور اور آریہ سماج کے قیام سے
پیشتر لاکھوں اونچی ذات کے ہندو عیسائی ہو رہے تھے۔ اُس وقت
ذات کے گھمنڈ نے کیوں نہ آریہ سنتان کی رکھشا کی! اور کیا سبب
ہے کہ جس وقت جنم سے درنوں کی تقسیم کا سخت مخالف گُن کرما نوسار
بیوستہا کرنے والا دیانند پرچار شروع کرتا ہے۔ اُسی وقت
سے عیسائی مذہب کی ترقی رُک گئی۔ میں نے بتلایا کہ مہرشی دیانند
نے عیسائیوں کی ترقی کو اس لئے روکا کہ انجیل کی طفلانہ کہانیاں
وید اور شاستر کی فلاسفی کے روبرو ٹھہرنے کی تاب نہیں لا سکتی
تھیں۔ پس میں نے بڑے زور سے بتلایا کہ جب تک ویدوں کا سوریہ
پرکاشمان رہیگا۔ تب تک عیسائی محمدی اور دیگر مذاہب کے چراغ

بالکل دکھلائی نہ دیں گے۔ میں نے خاتمہ پر بتلایا کہ ورن سنکر کا راج اُسی دن سے شروع ہوا جس نامبارک دن کہ ورنوں کی تقسیم مطابق جنم کے مانی جانے لگی۔ میں نے یہہ بتلا کر کہ امور واقعہ کا کوئی بھی دلیل کھنڈن نہیں کرسکتی۔ پوچھا کہ اس وقت کی ہماری ادہوگتی کیا ورن سنکرتا کا نتیجہ نہیں ہے۔ میں نے صاف الفاظ میں واضح طور پر دکھلایا۔ کہ جب تک شراب مانس اور بیبھچار میں پھنسے ہوئے انسانوں کو براہمن سمجھ کر اُن کا نیک چلن سچی براہمنی دیویوں کے ساتھ بیاہ کرتے رہو گے تب تک ورن سنکرتا کا اسی طرح راجیہ بنا رہیگا۔ پس گُن کرم انوسار ورن بیوستھا ماننے سے ہی ورن سنکرتا دُور ہو گی۔

(ل) جس طرح پر کہ جنگ میں سب سے زبردست توپ آخری وقت کے لئے رکھی جاتی ہے اسی طرح پر پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے اپنے خیال میں سب سے زبردست پرمان اخیر کے لئے رکھ لیا۔ چنانچہ اپنی اول چار تقریروں میں پنڈت صاحب نے اس پرمان کا

بالکل ذکر نہ کرکے اپنی آخری تقریر میں اُسے پیش کیا اور پھر
بڑی دردناک آواز میں پوچھا کہ ہم سناتن دھرمی اس سے بڑھکر
اور کون سا پرمان اپنی پُشٹی کے لئے پیش کر سکتے ہیں۔ سب سے
پہلے میں اُس پرمان کی نسبت پنڈت گوپی ناتھ صاحب کی تقریر
کا خلاصہ درج کروں گا۔ اور پھر اپنا جواب لکھوں گا۔

(پنڈت گوپی ناتھ) اول پرمان مہابھاشیہ کا یہ ہے کہ ادھیائے
۲ پاد اول آہنک اول کے سوتر ۲ کے وارتک میں لکھا ہے۔
शूद्राणामनिरवसितानाम् ॥ چونکہ اس جگہہ
جاتی کا شبد آیا ہے اس لئے ورن ذکر تھا جنم انوسار سدھ
ہوگئی۔ دوسرا پرمان حسب ذیل ہے۔

तपः श्रुतं च योनिश्चेत्येतद् ब्राह्मणकारकम्।
तपः श्रुताभ्यां यो हीनो जातिब्राह्मण एव सः॥

اس میں چونکہ تپ وید اور یونی (جنم) تینوں کو براہمن بنانیوالا

مانا ہے - اور یہہ بتلایا ہے کہ آپ اور وید سے رہتا جو پُرش ہے
وہ بہی جاتی سے ضرور براہمن ہے - اِسلئے سِدّہ ہوگیا کہ گُن کرم
کی فضیلت سے بہی شودر ہرگز براہمن نہیں ہو سکتا -
یہہ ہر دو پرمان پیش کرکے پنڈت صاحب نے اپنا سارا زور
ختم کردیا - اور سامعین سے قریب قریب حسب ذیل الفاظ میں اپیل
کی " لالہ منشی رام کو آخری وقت تقریر کرنے کا فائدہ
ملا ہوا ہے وہ اپنی قانونی تیزی سے آپکو غلط راستے پر لیجانے
کی کوشش کرینگے - امید کہ آپ لوگ میری تقریر کو یاد رکھینگے "
میں نے سب سے پہلے قانونی تیزی میں اپنے قاصر ہونے کی نسبت
صاف الفاظ میں مان کر کہ میں وکالت کے لایق نہیں ہوں - بلکہ
پنڈت صاحب مجہہ سے بدرجہا بہتر وکیل بن گئے ہیں - اِن ہر دو
پرمانوں کا جواب عرض کیا - اُس جگہ وقت کی تنگی کے باعث میں
محض مہابہاشیہ کے کل پاٹہہ کو پڑہہ کر اُس کی اصلیت مختصر الفاظ

ہیں ناظرین کو سمجھا دی تھی۔ سنسکرت کے ودوانوں کے لئے تو
اُسی قدر کہنا کافی تھا اور اسی لئے جالندھر و ہوم سبھا کے سنسکرت
وان پنڈت میری تقریر کا جواب تلاش کرنے میں اب تک سرگرداں
ہیں۔ لیکن مبادا محض اُردو دان لوگ میرے اُس بھاؤ کو ٹھیک
نہ سمجھ سکیں۔ اسلئے کل بھاشیہ کی عبارت مع تشریح وغیرہ کے
یہاں درج کیجاوے گی۔ اور چونکہ یہہ مہا بھاشیہ کے وہی
پرمان ہیں جو کہ "دیانند تمر بھاسکر" کے مصنف نے اپنی کتاب
میں لکھے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اُن کا قطعی جواب مفصل
طور پر یہاں درج کر دیا جاوے۔

نسبت پرمان اوّل ۔ پنڈت گوپی ناتھ صاحب

نہیں! نہیں! ہم بھول گئے۔ پنڈت جوالا پرساد مصر مصنف
"دیانند تمر بھاسکر" نے جن کی کتاب سے کہ پنڈت گوپی ناتھ نے
یہہ اعتراض لیا ہے۔ اس پرمان کے پیش کرنے میں بڑی چالاکی

سے کام لیا ہے۔ یہہ وارتک جس سوتر پر لکھا گیا تھا۔ اُسی پہلے
لکھنا چاہیے تھا اور ساتھہ ہی جس جگہہ سے پاٹھہ لیا ہے۔ اُسے
پورا درج کرنا چاہیے تھا۔ واضح ہو کہ اشٹادھیائی ادھیاۓ
۴۔ پاد اول۔ آہنک اول کا سوتر ہے حسب ذیل ہے۔
اسپر مہابھاشیہ کا حسب ذیل چلتی ہیں۔ अजाद्यतष्टाप्॥

शूद्रा चामहत्पूर्वा । शूद्रा चामहत्
पूर्वेति वक्तव्यम् । शूद्रा । अमहत्पू
र्वेति किमर्थम् । महाशूद्री । [illegible]
जातिरिति वक्तव्यम् । या हि महती
शूद्रा महाशूद्रा सा हि भवति ।

॥ ॥ ॥

اسجگہہ بحث اس امر پر ہے کہ शूद्र لفظ شودر کا مؤنث
کیا ہوگا۔ مہابھاشیہ کار بتلاتے ہیں کہ شودر کی ستری کا نام

تو شودری (शूद्री) ہی ہے۔ لیکن جہاں مصنف بلحاظ جاتی کی
یعنی بلحاظ تعلق خاوندی کے اپنے گن کرم کے لحاظ سے ایک عورت
شودروں میں داخل ہے تو اُسے شودرا (शूद्रा) کہیں گے
بشرطیکہ اُس کے ساتھ (शूद्र) کا بندھ پڑا ہوا ہو۔ لیکن
اگر وہ ایسا ساتھ جوڑا ہوا ہوگا تو خواہ بلحاظ اپنے گن کرموں
کے وہ شودرا ہی ہو۔ اسجگہ جاتی (जाति) شبد کی وجہ سے
پنڈت جوالا پرساد نے زور دیا ہے کہ شودر جنم سے ہی ہوتا
ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اسجگہ (जाति) لفظ جاتی سے یہاں شبہ کا
لیا گیا ہے اس شوتر کے وارتک یا بھاشیہ میں اسکا فیصلہ
درج نہیں ہے۔ لیکن بھاشیہ کار لکھتے ہیں کہ آگے چل کر وہ
لفظ جاتی کے معنے قایم کریں گے۔

जातिरिति-च वक्ष्य मि ति ॥

پس دیکھنا یہ ہے کہ آگے چل کر لفظ جاتی کا ارتھ کیا کیا گیا ہے

اس کے لئے اِسی اوہیار کے اسی پاد کا سوتر ۶۳ قابل ملاحظہ ہے

जातेरस्त्रीविषयादयोपधात् ॥

اِس پر بہاشیہ کار فرماتے ہیں۔

जातेरित्युच्यते । का जातिर्नाम ॥

یہہ سوال قائم کرکے کہ جاتی سے اُن کی کیا مراد ہے۔ فرماتے ہیں۔

आकृतिग्रहणा जातिर्लिङ्गानां च न सर्वभाक् । सकृदाख्यातनिर्ग्राह्या गोत्रं च चरणैः सह ॥

اِس میں چار علیحدہ علیحدہ لکشن جاتی کے کہے ہیں (۱) جو خاص اوئو (حصہ) سے جانی جائے اُسے جاتی کہتے ہیں* مثلاً گئو گھوڑا۔ انسان وغیرہ اُن کی شکل اور بناوٹ دیکھکر ہی جاتی پہچانی جاتی ہے۔ (۲) "جو شبد سمپورن لنگوں میں نہ آوے یعنی ایک لنگ میں ہی آوے" مثلاً لفظ ستری

محض مؤنث کے لئے آوے گا۔ اِسی طرح پُرش وغیرہ۔

(۳) "جو ایک مرتبہ کہنے سے ہی نرگراحیہ ہو جاوے" مثلاً

(तट) بمعنی کنارہ وغیرہ۔ (۴) "اور جنس عہ چیز کے

اس کے علاوہ اور بھی لکشن جاتی کے کہے ہیں۔ اور کہا ہے۔

अपर आह । प्राद्भाँव विनाशाभ्यां स

त्वस्य युगपद् गुणैः । असर्वलिङ्गाब

ह्वर्थां तां जातिं कवयो विदुः ॥

"گنوں کے ساتھ جیسے ورتیہ کا پیدا اور بہاؤ (ظہور) اور نیز وبہاؤ

ہوتا ہے۔ ایسا جس اور چیز کے ساتھ پیدا اور بہاؤ اور نیز وبہاؤ

ہو اور وہ شبد سب لنگوں کو نہ کہے اور بہت سے ارتھوں میں رہے

اُس کو بھی عالموں نے جاتی کہا ہے۔" پس اس آخری لکشن

کے مطابق مطلب یہہ ہوا کہ بلالی خدا اپنے خاوند کی خاصیتوں

کے جس ستری کے گُن کرم سوبھاؤ شُدھ کئے ہیں۔ اُسے بیاہے

شودری کے شودرا کہا جائیگا۔ کیونکہ اُن گنوں کے پرادُربھاؤ کے ساتھہ اُس کے شودرپنے کا پرادربھاؤ ہے۔

جو تمثیلیں کہ مہا بہاشیہ کے اندر دی ہوئی ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لفظ جاتی سے جنم کا مطلب نہیں ہے۔ اور یہہ تو صاف ظاہر ہے کہ مہا بہاشیہ کار نے لفظ جاتی کے لفظی معنی نہیں لیئے بلکہ اس کو ایک خاص پاری بہاشک شبد Technical term بنایا ہے

نسبت پرمان دوم - ادہیاہ ۵ پاد اوّل آہنک

دوم سوتر ۱۱۵ حسب ذیل ہے ٭

तेन तुल्यं क्रिया चेद्वतिः ॥

اِسجگہہ کہا گیا ہے کہ ایک چیز کے تلیہ یعنی مطابق دوسری چیز ہو تو اس کے ساتھہ وت (वत) لگا دینا چاہیے۔ اس پر بہاشیہ کار خود شنکا (اعتراض) اُٹھاتے ہیں ٭

इद मयुक्तं वर्तते । किमत्रायु
क्तम् । यत्तत्तृतीया समर्थक्रिया
वेत्ता भवतीत्युच्यते । कथं च तृ
तीया समर्थं नाम क्रिया स्यात ।
नैतदुक्तम् सर्वं एतश्शब्दाः गुण
समुदायेषु वर्त्तन्ते ।
ब्राह्मणः क्षत्रियो वैश्यः शूद्र इति ।
अतश्च गुणसमुदाये ।

॥ ॥ ॥

اس جگہہ پر اعتراض اوٹھایا گیا ہے کہ جب ایک چیز دوسری
کے مطابق ہی ہو گئی ۔ تو وہ دوسری چیز ہی ہو گئی یعنی
ایک دوسرے میں کچھہ فرق نہ رہا ۔ تو پھر اسجگہہ وت لگا کر
برہمن وت کشتری وت وغیرہ کہنے کی کیا ضرورت ہے ٭

اس کا جواب یہہ دیتے ہیں - کہ جس میں براھمن کے گنوں کا
سمودائے یعنی کلُ اوصاف براھمن کے پائے جائیں وہی
براھمن ہوتا ہے - چنانچہ ایک مثال دیتے ہیں جو کہ پنڈت گوپی
ناتھہ کی تقریر کے دوران میں میں درج کر آیا ہوں - اول تو وہ
شلوک ایک مثال کے طور پر ہے - مہرشی پتنجلی کا مت نہیں ہو سکتا
لیکن اگر بالفرض اُس کے لئے بھاشیہ کار کو ذمہ دار بھی سمجھہ لیویں
تاہم وہ تو میرے دعوی کی پشٹی کرتا ہے - یعنی تپ وید اور
یونی سب مل کر براھمن بنتا ہے - یونی بھی براھمن کی پدوی
دلانے کا ایک جزو اس لئے ہے کہ اوتم یونی سے پیدا ہوا اُپدیشن
ماتا کے گنوں کو اپنے اندر کچھہ نہ کچھہ ضرور جذب کرتا ہے لیکن
اگر تپ اور وید سے ہین ہو جاوے تو کیا رہ جاتا ہے - جواب
ملتا ہے - " براھمن ونت " پس محض یونی سے براھمن نہیں بنتا
بلکہ بھاشیہ کار کی پری بھاشا میں اُسے براھمن ونت کہیں گے -

یہ کیوں؟ بھاشیکار جواب دیتے ہیں کہ صرف تپ وید اور

یونی بلکہ

यथा गौरः शुचिराचारः पिङ्गलः

कपिलकेश इत्येतानप्यभ्यन्तरान्

ब्राह्मण्ये गुणान् कुर्वन्ति ।

وہ گورا رنگ۔ شدھ آچار وغیرہ سب گُن مل کر براہمن بناتے ہیں

(نوٹ۔ یہاں لفظ گُن خاص قابل توجہ ہے۔) پس بھاشیہ کار

فرماتے ہیں کہ گو ان سب اوصاف کے علاوہ اور بہت سے گُنوں کے مجموعہ

کا نام براہمن ہے تاہم چونکہ

समुदायेषु च शब्दाः प्रवृत्ता अवयवेष्वपि वर्तन्ते ॥

اِن الفاظ کا اطلاق کسی واحد یعنی مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اُن کے

حصّوں پر بھی ہو جایا کرتا ہے۔ پس کُل اوصاف کے مجموعہ کا نام

تو براہمن ہے۔ لیکن اُن میں سے جہاں ایک وصف یا کچھ وصف

پاسکتے جاویں اس انسان کو بہی براہمن وت (یہ براہمن کی طرح سے) کہہ سکتے ہیں۔ پس صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ یہہ ویاکرن کا پرمان قرآن کی علم پڑہنیا در کہنے والوں کے لیے سہم قاتل کا اثر رکہتا ہے۔ چہ جائیکہ اُن کی تائید کرے۔

یہاں تک کہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب کے پرمانوں اور اُن کی بڑی بڑی دلیلوں کا جو میری طرف سے جواب دیا گیا۔ وہ درج کر دیا ہے اس کے علاوہ پنڈت صاحب نے اپنی معمولی عادت کے مطابق جو تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ بعض اوقات استعمال کئے اور جو گندی مثالیں دیں اُن کا بیان کرنا یہاں مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ شاستراتھ کے وقت بہی میں نے اُن کی کچھہ پرواہ نہیں کی تہی اب میں اُن پرمانوں کا بیان شروع کرتا ہوں جو کہ میری طرف سے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کئے گئے تہے۔ اسجگہہ یہہ بتلانا ضروری ہے کہ وید منتر سے جب میں نے

اپنے دعوے کو صاف ثابت کر دیا اور پنڈت گوپی ناتھ صاحب
کی طرف سے جبکہ کوئی بھی مستند پرمان اُن کے دعوی کی تائید
میں پیش نہ ہوا۔ اور جو پیش ہوئے اُنہیں پنڈت صاحب نے
حیرانی سے اپنا ہی کھنڈن کرتے دیکھا تو مجھے ضروری نہ تھا کہ میں
اور کوئی پرمان پیش کرتا۔ لیکن جب کہ مینے دیکھا کہ ورن بیوستھا
کی نسبت پورانک زمانہ تک ہی گن۔ کرما نوسار تقسیم کا خیال مضبوط
چلا آیا ہے اور ساتھ ہی بعض مضبوط پرمان شاستروں کے موجود
ہیں جنہیں کہ پورانک پنڈت لوگ بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں
تو جہاں میں نے بعض پرمان ست شاستروں کے پیش کئے۔
وہاں پُران اور مہابھارت کے پرمان بھی پیش کر دئے۔ اور
ساتھ ہی جتلا دیا کہ پُران اور مہابھارتھ کے پرمان۔
"درجن توش نیائے" کے مطابق پیش کئے جاتے ہیں کہ فریق
مخالف اِن گرنتھوں کو اپنے لئے پرامانک مانتا ہے۔ پس

جہاں ہمارے پیش کیے ہوئے اِن گرنتھوں کے پرمان پنڈت گوپی ناتھ صاحب کے لیے مانیہ ہونے چاہئیں وہاں ہم پرلاتھم ہر آتا کہ جہاں کہیں اُن گرنتھوں میں ہمارے سِدّھانتوں کے برخلاف کوئی بات ہو آتے ہم بھی مان لیویں۔

میرے پیش کردہ پرمان

(۱) اپنی پہلی ہی تقریر میں پنڈت گوپی ناتھ کے اُس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جو کہ اُنہوں نے سوامی دیانند جی کے منو ادھیاے اول کے شلوک ۶۵ کی ویاکھیا پر کیا تھا۔ میں نے پنڈت صاحب سے پوچھا تھا کہ اُس منو کے پرمان کے ساتھ ہی سوامی دیانند جی کے پیش کیے ہوئے آپستمبھ سوتر کا اگر کوئی جواب رکھتے ہوں تو کہیں اور ساتھ ہی میں نے حسب ذیل آپستمبھ کا حوالہ پڑھ کر مطلب بتلا دیا

धर्मचर्यया जघन्यो वर्णः पूर्वं पूर्वं वर्णमापद्यते जातिपरिवृत्तौ ॥

अधर्मचर्यया पूर्वो वर्णो जघन्यं ज
घन्यं वर्णमापद्यते जातिपरिवृत्तौ ॥

دہرم کے آچرن سے نچلا ورن اپنے سے اوپر کے ورن کو حاصل
کرتا ہے۔ اور ادہرم میں چلنے سے اوپر کا ورن اپنے سے نچلے
ورن میں گر جاتا ہے" اس ترجمہ کے درمیان پنڈت گوپی ناتھ
صاحب نے مسکرا کر درخواست کی کہ میں اس کے معنے عرض کر دوں۔
اسجگہ یہہ بتلانا ضروری ہے کہ پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے یہہ
ناشائستہ طریقہ بھی جاری رکھا کہ میری تقریر کے وقت ہنستے اور
مسکراتے رہتے تھے۔ ساتھہ ہی دہرم سبھا کے سنسکرت دان پنڈت
بھی مسکراتے رہے۔ غالباً پبلک پر اسس امر کے اظہار کے
لئے کہ وے میری باتوں کو کاٹ دیں گے۔ لیکن جب دو تین
مرتبہ متواتر انہیں کچھہ جواب نہ سوجھا اور میں نے جواب لینے پر اصرار
کیا اور ساتھہ ہی انکی مسکراہٹ کی خبر لی تو میری خاتمہ کی تقریر
پر مسکراہٹ خود بخود بند ہوگئی۔ ہاں! میں لکھہ رہا تھا کہ جب پنڈت جی نے

ترجمہ کرتے ہوئے ٹڈ کا تو میں نے از سر نو وہی ترجمہ پڑھ کر پنڈت
صاحب کو چیلنج دیا کہ اگر وہ اس ترجمہ میں کچھ غلطی سمجھتے ہیں یا درس
پر ان کا کوئی جواب رکھتے ہیں۔ تو مسکرانے سے کچھ نہ بنے گا۔
کرپا کر کے اپنا جواب پبلک کے روبرو پیش کریں۔ لیکن پنڈت صاحب
نے اس چیلنج کے جواب میں جو خاموشی اختیار کی وہ آخیر وقت تک
قائم رکھی۔ جب میرے چیلنج پر بھی پنڈت صاحب نے کچھ نہ کہا تو میں نے
تیسری بار پبلک کی توجہ اس طرف کھینچ کر بتلایا کہ جب پنڈت
گوپی ناتھ صاحب کی پونجی مسٹر جوالا پرشاد مرادآبادی نے
"دیانند تمر بھاسکر" میں اس کا جواب دینے کا حوصلہ نہیں کیا
تو پنڈت صاحب جواب کہاں سے لاتے۔

(۲) کٹ کے سلسلہ میں جو دوسرا پرمان میں نے پیش کیا وہ بھوشیہ
پُران ہی سے تھا۔ اوّل میں نے پبلک کو یہ دکھلایا کہ بھوشیہ
پُران کے جس ہندی ترجمہ کا میں حوالہ دوں گا وہ ایک پورانک

پنڈت کا کیا ہوا ہے۔ اور ساتھہ ہی جتلا دیا کہ یہہ ترجمہ اُسی
منشی (راجا) نولکشور کے چھاپہ خانہ میں سنہ ۱۸۸۹ء میں چھپا تھا۔
جس نے کہ بھارت دہرم مہامنڈل کے مجوزہ کالج کے لئے ایک لاکھہ
روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پنڈت گوپی ناتھہ صاحب نے اپنے
جواب میں اس ترجمہ کی صحت کو مان لیا تھا۔ لیکن پہلے دن
کچھہ جواب نہ دیکر صرف اس بات پہ ٹالا کہ اُن کے پاس کتاب
موجود نہیں ہے اور اگر اسوقت ملے بہی تو وہ کل نہیں دیکھہ
سکتے۔ ورنہ وہ بتلا سکتے کہ اُس کا مطلب کچھہ اور ہی ہے۔
چونکہ اُسوقت میں نے مہابھارت کے پرمان ہی پیش کئے تھے۔
اور اُس کے جواب میں یہی پنڈت صاحب نے یہی کہا تھا۔ پس مینے
اُن کی توجہہ اس امر پر دلائی کہ شاستراتھہ میں طیار نہ
ہونے کا عذر معقول نہیں ہے کیا اگر میں یہہ عذر کرکے ٹالتا۔ کہ
ستیارتھہ پرکاش یا سنسکار ودہی کل پڑھنے سے اور مطلب نکلے گا۔

اور جواب نہ دیتا تو میرا عذر قابل پذیرائی ہوتا - خیر ان ابتدائی
فروعات کو چھوڑ کر میں اصل پران کی طرف رجوع ہوتا ہوں -
میں نے بھوشیہ پُران کے پُر وارده کے چھتیسویں ادھیائے سے
حسب ذیل بیان کیا ۔

راجہ شتانیک نے سوامی کارتک کی پیدائش کا حال سن کر تعجب
کیا کہ اینٹوں سے پیدا ہو کر کیونکر وہ مہاتم کے قابل ہوئے اس کے
جواب میں سومنتو منی جی نے کہا کہ ایسا ہی سوال ایک مرتبہ برہما
جی سے بھی ہوا تھا - اس کے بعد ہم نے اصل عبارت پڑھ دی -
"ایک سمے برہما جی اپنے لوک میں سکھ سے بیٹھے تھے - اُس
اوسر میں سب رشی برہما جی کے سمیپ گئے اور پرنام کر کشیم کی
اننتر (بعد) پوچھتے بھئے کہ مہاراج! وشوامتر کو کشتریہ
سے براہمن بھئے دیکھ ہمارے ہردے میں پرم سندیہ اُتپن
ہو رہا ہے۔ براہمنتو (براہمن پن) کیا پدارتھ ہے؟ جاتی

ویدادھین ۔ دیہہ اور آتما کے سنسکار آچار ویدک کرموں کا کرنا ۔ اِن سب میں براھمنتو کا ہیتو کونسا ہے ....

اس کارن براھمنتو کیا پدارتھ ہے ۔ آپ کرپا کر ورنن کریں ۔ یہہ مُنیوں کا پرشن برھما جی سُن کر کہنے لگے کہ ہے منیشورو! سنو جی کی کہی سپت ویادہ کتھا سُننے سے جیو میں تو براھمنتو سندیہہ نورت ہو جاتا ہے۔" یہاں پر میں نے مختصراً یہہ کتھا سُنا دی تھی ۔ کہ سات چڑی مار پہلے ہرن بنے ۔ پھر چکوا چکوی بنے ۔ پھر ہنس بنکر جنم لیا ۔ اور آخر کار رکورکشیتر میں وید پاٹھی براھمن بن گئے ۔ پس جیو آتما محض جیو آتما ہونے کی وجہہ سے براھمن کشتریہ وغیرہ نہیں ہے ۔" اور جیسے نیل گائے اور گئو کا بھید گُل کمبل کرکے ہوتا ہے ایسا ہی کوئی چنہہ نہیں کہ جو براھمن کو اور مُنشیوں سے بھید کرے اس سے جاتی بھی براھمن نہیں ۔" اِس سے آگے منو کی پرمان اور تمثیلوں سے بتلایا ہے کہ وید جاننے والے بھی نیچ کرموں کی وجہہ سے

پتت ہو جاتے ہیں۔ پھر پتت ہونے کے دیگر کارنوں کا ذکر
کر کے برہماجی ادھیائے کے آخیر میں فرماتے ہیں "اس پرکار
براہمن سے شودر اور شودر سے براہمن بھی بن جاتا ہے"

ادھیائے ۳ میں اول محض وید پڑھنے سے براہمن ماننے کا راون
راکششں وغیرہ کی مثال دیکر کھنڈن کیا۔ اور کہا۔ "وید پڑھنا
تو براہمنوں کا شاپ ہے۔ آچرن ہی مکھیہ ہے" اس کے بعد بتلایا
کہ رنگ بھی ورن کا نرنئے نہیں کرسکتا۔ برہماجی فرماتے ہیں
" لِمپنتا۔ اوجلتا۔ ھڈی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان باتوں سے شودر
اور براہمن بھید دیوتا بھی نہیں کرسکتے" اور براہمن چندر کرنوں۔
(چندرماں کی کرنوں) کے سمان شویت (گورا) ورن نہیں ہے۔
کشتریہ ٹیسو کے پھول کی بھانتی رکت ورن نہیں ویشیہ ہرتال
سے پیلے نہیں اور شودر کوئلا سے کالے نہیں ہوتے۔ کہ سب کو الگ
الگ پہچان لیویں۔ چلنا۔ پھرنا۔ بیٹھنا ۔۔۔۔۔۔ سب کو سمان ہے

پھر مُنشیہ چار پرکار کے کیونکر ہیں۔ ایک پِتا کے چار پُتر ہوویں ایک جاتی کے ہی ہوتے ہیں۔ اِسی پرکار اِس جگت کا پِتا ایک پرمیشور ہے پھر اُس کی سنتان (اولاد) میں کیونکر جاتی بھید ہو سکتا ہے؟ جیسے ایک برکش (درخت) کے پھل روپ سواد آدی کر کے تُلیہ ہوتے ہیں۔ اسی بدھی پرمیشور روپ برکش سے اُتپن ہیں۔ مُنشیہ روپ پھل سب سمان ہیں۔ کوشک۔ کاشیپ۔ گوتم۔ کونڈِلیہ وشِشٹ۔ آستریہ۔ کوشِ انگرا۔ گرگ۔ موڈگلیہ کاتیاین۔ بھارگو بھاردواج آدی۔ گوتر بھی براہمنتو کا ہیتو نہیں۔ کیونکہ یہہ گوترا ور بھی ورنوں میں ہوتے ہیں جو شریر (جسم) کو براہمن کہو تو پہلے یہہ کہو کہ کوئی ایک ایک انگ براہمن ہے اتھوا سمپورن شریر۔ یدی ایک انگ کو براہمن مانو تو یہہ انگ کٹ جانے سے براہمنتو جاتا رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ ......" پس اوپر بیان کئے ہوئے سب کارنوں کا کھنڈن

کر دیا۔ ادھیائے ۳۴ میں جابالی وغیرہ سے اپمان کو دور کرنے کی ہدایت کر کے برہماجی فرماتے ہیں۔ "جو کہو کہ جنم سے براہمن ہوتا ہے۔ تو دیکھو کہ وہاں بھی کئی ہو رنگی کے گربھ سے پراشر مُنی چانڈالی کے پیٹ سے۔ شکدیو اُلُکی کے اُدر سے۔ کناد اُلوکی سے۔ رشیہ شرنگ ہرنی سے۔ وشِشٹھ ویشیا (فاحشہ عورت) سے۔ مند پال مُنی لاوِکا سے۔ مانڈو یہ منڈوکی گربھ سے اُتپن ہوئے۔ اس پرکار اور بھی ہزاروں ادھم یونی سے جنمے اور اُتم براہمن گنے گئے۔ یہ سب سنسکاری (سنسکاروں سے بہرہ) ہیں۔ اور جنم ہی اُتم نہیں۔ پرنتو پربل تپ کر کے سب براہمن ہوئے سنسکاری ہوئے اور ودّیا تپ آدی ہوتے تو وہ اُتموتم (نہایت ہی اعلیٰ) براہمن ہو جاتا ہے اور سب سنسکاروں سے سنسکرت ہو کر بھی مہا پاتک کرنے سے براہمن پنا کھو بیٹھتا ہے۔ اِسلئے براہمنتو نیت نہیں سانکیتک ہے

ارتھات براہمنتو ایک سنکیت ہے"

ادھیائے ۳۹ میں بہت سی مثالوں کے بعد مزید دلائل جنم سے براہمن ماننے کے برخلاف برہماجی پیش کرتے ہیں۔ اسلئے جاتی پرتھا ہے۔ نسکاما شودر براہمنی سے سنگ کرکے گربھ ستھاپن کر دیتا ہے اور براہمنی کے سنگ سے گربھ ہو جاتا ہے۔ پھر جاتی بھید کہاں ٹھہرا۔ جاتی بھید تو گئو۔ اونٹھ۔ گھوڑا۔ ہاتھی آدی پشوؤں میں ہے جو اپنی جاتی کی استری یا دوسری جاتی کی استری سے سنگ نہیں کرتے"

ادھیائے چالیس میں براہمن کے لکشن بیان کرکے کشتریہ ویشیہ اور شودر کے لکشن لکھے گئے ہیں۔ پھر برہماجی فرماتے ہیں" اِس بھانتی انھنے اپنے سوبھاؤ کے انوسار ورنوں کی کلپنا بھی ہے" اِس کے بعد گیتا کے مطابق براہمن۔ کشتریہ وغیرہ کے سوبھاوک کرم ورنن کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے "جس نے گیان اُپ شکھا اور

تپوروپ سونتر ارتھات یگیوپویت ہو۔ اُس کو سوایمبھو منو نے
براہمن کہا ہے چاہے جس ورن میں اُتپن ہو۔"
یہہ تو پورن براھمن ہوئے۔ لیکن برمہامی فرماتے ہیں کہ جو
" پاپ کرموں سے نورت ہو کر اُتم آچرن رکھے وہ براھمن
کے سمان ہی ہے" گویا مہابھاشیہ کی وِرت والی بحث
کی پیروی کی یعنی جس میں کل گُن براھمن کے نہوں
وہ ایک دو اوصاف رکھنے سے بھی براھمن وت یعنی براھمن
کے سمان سمجھا جانا چاہئے۔
اوپر کے اقتباس میں نے بڑی جلدی جلدی پڑھ دئے تھے۔
اور جگہہ بہ جگہہ اُن کی تاثیر پر زور دیا تھا۔ اور اس
واضح پرمان کو دکھلا کر میں نے پوچھا تھا کہ جب خود پنڈت
گوپی ناتھ صاحب کے مانے ہوئے مستند گرنتھوں سے ایسی
واضح شہادت ملتی ہے تو دے کیونکر جنم پر ورنوں کی تقسیم

کی بُنیاد رکھہ سکتے ہیں۔ اِس کا جواب پہلے دن تو پنڈت صاحب نے کچھہ نہ دیا۔ البتہ دوسرے دن اپنی پہلی تقریر کے آدہ گھنٹہ میں سے ۲۵ منٹ محض اسی پُران کی پڑتال میں لگا دیے تھے۔ لیکن افسوس کہ اُس میں ہی پھیرے پھیر کے ہوتے پرمانوں کا جواب بہت کم دیا گیا۔

(الف) سب سے پہلے پنڈت صاحب نے صفحہ ۳ و صفحہ ۶ کا حوالہ دیا کہ اُس مکھہ برہما کے مُنہہ وغیرہ سے برہمن وغیرہ کی پیدایش لکھی تھی اس کا جواب دیا گیا کہ اول تو اُسی پُران کی ادھیائے ۸ کو ہم نے سُنا دیا ہے کہ وہاں گُن کرم انوسار سرشٹی کہہ کے دیں ورنوں کا قایم ہونا لکھا ہے۔ علاوہ اس کے یہہ لازم نہیں کہ ہم اِس پُران کی ہر ایک بیہودہ بات مان لیں۔ وید منتر میں اُنہہ جیسے ہم نے صاف کر دیے ہیں تو صفحہ ۲، ۱۰ اور ۶ کی تحریر بھوشیہ پُران کی کوئی وقعت نہیں رکھتی ہم نے بتلایا کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوشیہ پُران کچھہ نہ ما

ہیں یہی گو برا ہمن لوگ جنم پیدورن کی بنیاد قایم کرنے کے لیے ہاتھ
پیر مار رہے تھے تاہم گن کرما نو ن سے ورن بیوستھا کا خیال اسوقت
تک ایسا مضبوط تھا کہ وے بھی اُسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے
پھر پنڈت صاحب نے صفحہ جات ۷ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۸ -
۱۹ - وغیرہ کی بعض بعض عبارت پڑھتے ہوئے صفحہ ۵ تک آنہیں
دہرایا جو کہ انہوں نے سنسکار ودہی پر اعتراض کرتے ہوئے پیش
کی تہیں جنکا جواب ودمنٹ میں دیدیا گیا تھا کہ ان جگہوں میں براہمن
کشتریہ وغیرہ سے مراد جنم کے براہمن وغیرہ نہیں ہے بلکہ اُن براہمن
وغیرہ سے مراد ہے جو گن کرما نوسار ورنوں میں داخل ہوئے ہیں -
وید ایسے پیش کردہ پرمان کے جواب میں پنڈت صاحب نے
چند دلائل پیش کی تہیں جنکا جواب اسیوقت دیدیا گیا تھا -
اول دلیل یہہ تھی کہ چونکہ جسقدر مثالیں بہوشیہ پران سے دکھلائی گئی
ہیں اُن سب میں مان چلے ورن کی تھی اور ویج براہمن کا ستا، کر

چونکہ ویرج چتروان سے ہے۔ پس براہمن کے ویرج سے اُتپن ہوئی اولاد
بھی براہمن ہی ہوگئی۔ اس کے جواب میں عرض کی گئی کہ اول تو کوئی ثبوت
نہیں ہے کہ وشوامتر یا راشٹر وغیرہ کے باپ ضرور ہی براہمن تھے۔ اور
وششٹھ جی کے باپ کی نسبت تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ اون کے باپ کون تھے
کیونکہ ناٹشہ عورت کے پاس ہر قسم کے آدمی آتے جاتے ہیں۔ لیکن بالفرض
اگر مان بھی لیا جاوے کہ ان سب کے باپ براہمن ہی تھے تب بھی یہ
ضروری نہیں ہے کہ ایسے ادھم یونیوں سے پیدا ہوکر اون کی سنتان
ضرور ہی براہمن رہے۔ کیونکہ مہابھارتھ میں لکھا ہے کہ برھم رشی
ویاس کے ویرج سے داسی میں پیدا کیا ہوا لڑکا ودُر داسی پتر
ہی رہا۔ اور امبکا اور امبالکا میں پیدا کئے ہوئے پُتر دھرتراشٹ
اور پانڈو ہر دو کشتر ہی رہے۔ اگر بقول پنڈت گوپی ناتھ صاحب
کے ویرج پردھان کے معنی یہ ہوتے۔ کہ براہمن باپ کی اولاد
براہمن ہی ہوتی ہے تو دور۔ دھرتراشٹ اور پانڈو سب براہمن

ہونے چاہئیں تھے۔

دوسرا اعتراض پنڈت گوپی ناتھ صاحب کا یہہ تھا کہ طوطی۔ ہرنی وغیرہ سے انسانی پیدائیش خلاف قدرت کیسے مان لیگئے۔ اس کا جواب یہہ دیا گیا کہ جو تمثیلیں خلاف قدرت یہاں درج ہیں۔ وہ پورانوالوں کی عجائب پسندی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کے باپ کا پتہ نہیں لگا۔ اس کے ساتھ اس قسم کے خیالات منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے ہمارے دعوے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر دوش آتا ہے تو پورانوں کی لیاقت پر۔ لیکن میں نے بڑے زور سے پوچھا کہ وشوامتر پاراشر اور وششٹھ وغیرہ کی نسبت کیا جواب ہے۔ اس پر پنڈت صاحب کے لئے سوائے خاموشی کے اور کیا چارہ ہو سکتا تھا۔

پنڈت گوپی ناتھ کا تیسرا جواب یہہ تھا۔ کہ وشوامتر وغیرہ نے بڑی بڑی محنتوں سے براہمن کی پدوی پائی ہے اور اس قسم کے محدود دے

چند آدمی ہوا کرتے تھے نہ کہ یہ عام قاعدہ تھا۔ اس کے جواب
میں عرض کی گئی کہ آریہ سماج کا ہی یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کہ محض
پوتھی پڑھنے سے کسی کو براہمن بنا دینا چاہیئے۔ بلکہ آریہ سماج
کا یہ عقیدہ ہے کہ براہمن کے گُن۔ کرم۔ سوبھاؤ جو شخص حاصل
کر لیوے اوسے ضرور براہمن کی پدوی ملنی چاہیئے۔ اور جو یہ کہا
گیا تھا کہ تھوڑے سے چند آدمیوں نے اونچا ورن حاصل کیا۔ اوس کے
جواب میں بھوشیہ پُران کی ہی عبارت کو دوہرایا گیا۔ جہاں وشِشٹھ
وغیرہ کی مثالیں دیکر لکھا ہے "اسی پرکار اور بھی ہزاروں ادھم
یونی سے جنمے اور اُتم براہمن کئے گئے" یہاں ترجمہ والے نے
سہسر کے معنے ہزاروں کے کیئے ہیں لیکن سہسر کے معنی بیشمار
کے ہیں۔ بس اسی پرمان سے ثابت ہے کہ ایک دو نہیں۔ بلکہ
ہزاروں اپنے گن کرموں کے پربھاؤ سے شودر آدی ورنوں سے
براہمن کی پدوی حاصل کرتے رہے۔

چوتھا جواب پنڈت گوپی ناتھ کا یہ تھا کہ چالیسویں ادھیائے کے
خاتمہ پر حسب ذیل عبارت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بھوشیہ
پُران والا محض گن کرم پر ورن کا انحصار نہیں رکھتا۔ جس پرکار
دیو اور پرش مل کر کارج سدھ ہوتے ہیں اُسی پرکار اُتم جاتی اور
ست کرم کا یوگ (میل) ہونے سے پورن سدھی ہوتی ہے"
اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جس کا جنم اُتم
کل میں یعنی براہمن اور براہمنی کا جوڑا (بھی پیدا) ہوا ہے۔ اور وہ خود اُتم کرم کر
تو وہ نہایت افضل براہمن ہوتا ہے۔ لیکن اس عبارت سے
اس بات کا کھنڈن نہیں ہوتا کہ اُتم کرم کرنے سے نیچ ورن والا پُرش
براہمن ہو جاتا ہے۔ نیز بتلایا گیا کہ اس عبارت کو اگر غور سے پڑھا
جاوے تو اس سے جنم پر ورن ویوستھا کا سدھ ہونا اسمبھو ہے
کیونکہ اگر جنم کو کرم کے ساتھ ملانے سے نہایت ہی اعلےٰ براہمن
بن سکتا ہے تو محض اپنے کرموں کے پربھاؤ سے براہمن پدوی

حاصل کر سکتا ہے ورنہ مقابلے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

آخری جواب میں پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے فرمایا۔ کہ چالیسویں ادھیاے کے غلط تھے پر برہما جی کہتے ہیں ''اے نیشورو! یہہ تم نے نرک (دلیل) سے پورن بچن جاتی کو وشٹ میں کہے ہیں'' اور رشی بھوشیہ پران کے صفحہ ۳۵ پر ترک یعنی دلیل کا کھنڈن کیا گیا ہے۔ پس یہہ بات اس کے ماننے کے قابل نہیں ہے۔ کہ ترک سے کہی گئی ہے۔

اس کے جواب میں کہا گیا۔ کہ وید اور شاستر کے برخلاف جو ترک ہے شاستر کاروں نے اس کا کھنڈن کیا ہے نہ کہ شاستر انوکول نرک کا پنڈت صاحب کو پہلے یہہ بات ثابت کرنا چاہئے۔ کہ یہ برہما جی کا ترک وید اور شاستروں کے برودھ ہے۔ میں نے بتایا کہ جو کچھہ برہما جی کے منہہ میں ڈالا گیا ہے وہ سب کا سب منوسمرتی اور مہابھارتھ میں موجود ہے۔ بلکہ رونہیں گرنتھوں کے اصل شلوک بجنسہ درج کر دئے

گئے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ بہوشیہ پران کے مصنف نے سوامی
شنکراچاریہ کی بجز سوچی سے عبارت کی عبارت نقل کر دی ہے ۔
پس جب بہوشیہ پران کا ترک شرتی اور سمرتی کے انوکول ہے
تو اس کا کوئی بھی کھنڈن نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ جس عبارت کا پنڈت
صاحب نے حوالہ دیا وہ خود ہمارے بیان کی تائید کرتی ہے۔ بہوشیہ
پران کے صفحہ ۳ پر لکھا ہے " شرتی وید کو کہتے ہیں سمرتی
دھرم شاستر کا نام ہے ۔ ان دونوں سے سب باتوں کا وچار کریں
کیونکہ دھرم کی شرتیں یہی ہیں جو ان دونوں کا ترک شاستر آدمی
سے اپمان کرے اس ناستک اور وید نندک کو ست پرش
اپنے سمیپ نہ رہنے دیویں " یہ منوجی کے شلوکوں کا لفظی
ترجمہ ہے ۔ کیونکہ بہوشیہ پران نے منوسمرتی کے شلوک بجنسہ
درج کر دئے ہیں اوس کے ساتھ ہی ہم نے حسب ذیل شلوک
کا حوالہ دیا ۔

आर्षं धर्मोपदेशं च वेदशास्त्राऽ
विरोधिना । यस्तर्केणानुसंधत्ते स
धर्मं वेद नेतरः ॥

(منوسمرتی ادھیاے ۱۲ اشلوک نمبر ۱۰۶)

اور پوچھا کہ جب منوجی وید کے انوکول ترک سے دھرم کے نرنے کرنے کی آگیا ہی صرف نہیں دیتے۔ بلکہ بتلاتے ہیں کہ جو شخص شاستر کے انوکول ترک کرتا ہے وہی دھرم کو جانتا ہے نہ کہ دوسرا تو پھر کس طرح پنڈت محض ترک کا بہانہ لے کر اپنے ہی پرانک بھوشیہ پران کے پرمان سے انکار کر سکتے ہیں

مہابھارت

(۱۳) تیسرے قسم کے پرمان میں نے مہابھارت سے پیش کئے تھے اپنی پہلی ہی تقریر میں بھارت شانتی پرو کے موکش دھرم پرب کے ادھیاے ۱۸۸ اور ۱۸۹ سے چند ایک شلوک گن کر انوسار ورن ویوستھا

ثبوت میں بہت سے شلوک ہریں سے ارتھ کر دئیے تھے۔ اور ساتھ ہی ون پرب
کا بھی حوالہ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔ کہ ورنوں
کی تقسیم جنم انوسار کو پورانے رشی بھی نہیں مانتے تھے
پھر سے ان پرمانوں کے جواب میں پہلے روز تو پنڈت صاحب
نے صرف یہی جواب دیا کہ جب کل ادھیائے پڑھے جاویں تو صاف
ظاہر ہو جاوے گا۔ کہ لالہ منشی رام کے دعوے کی ان شلوکوں سے تائید
نہیں ہوتی۔ اور وقت کی کمی کی شکایت کرتے رہے۔ لیکن جب دوسرے
دن وقت آدھ گھنٹہ ملا تو کل وقت محض بھوشیہ پران کی پڑتال
میں صرف کر دیا۔ جب پنڈت صاحب کی طرف سے مہابھارت کے
پرمانوں سے پھر بھی لاپروائی ظاہر ہوئی تو ہم نے حسب ذیل پرمان
پیش کر دئیے۔ جنہیں سے شانتی پرب کے پرمان کو تو اپنے جواب میں
پنڈت صاحب نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ اور نہ ہی اس کا کچھ ذکر کیا
ہم امید کرتے ہیں کہ اگر پنڈت صاحب نے اس پرمان کا اور آپستمبہ

سُنوسمرتی کے میرے پیش کیے ہوئے پرمانوں کے جواب اپنی سبھا کے پنڈتوں سے کچھ حاصل کیا ہے تو اوسے اخبار کے ذریعہ سے ظاہر فرما دیویں

(الف) مہابھارت شانتی موکش دھرم پرب ادھیائے ١٨٨ کا آغاز بھرگوجی کے کلام سے ہوتا ہے۔ جو جہاں کی پیدائش کا حال بیان کرتے ہوئے۔ براہمن۔ کشتریہ۔ ویشیہ اور شودر ان چاروں درنوں کی تفریق کا حال تبلاتے ہیں اور خاتمہ پر کہتے ہیں کہ براہمن کا سفید رنگ کشتریہ کا لوہت لعل۔ ویشیہ کا پیلا اور شودر کا کالا رنگ ہوا اوسپر بھردراج منی شنکا کرتے ہیں کہ پسینہ۔ بول۔ کف وغیرہ سب انسانوں سے جاری ہوتے اور کام کرودہ وغیرہ میں سب پھنسے رہتے پھر یہ ورنوں کی تقسیم کیسے ائیں اس کا جواب بھرگو جی حسب ذیل دیتے ہیں

नचिशेषोस्ति वर्णानां सर्वं ब्राह्ममिदं

जगगत् । ब्रह्मणा पूर्वसृष्टंहि कर्म
भिर्वर्णतांगतम् ॥ १० ॥ कामभोगप्रि
यास्तीक्ष्णाः क्रोधनाः प्रियसाहसाः ।
त्यक्तस्वधर्मारक्ताङ्गास्ते द्विजाःक्षत्रतां
गताः ॥ ११ ॥ गोभ्यो वृत्तिं समास्थाय पीताः
कृष्युपजीविनः ॥

स्वधर्मान्नानुतिष्ठन्ति ते द्विजा
वैश्यतां गताः ॥ १२ ॥

हिंसानृतप्रियालुब्धाः सर्वकर्मो
पजीविनः । कृष्णाः शौचपरिभ्रष्टा
स्ते द्विजाः शूद्रतां गताः ॥ १३ ॥ इत्येतैः
कर्मभिर्व्यस्ता द्विजा वर्णान्तरंगताः ।
धर्मो यज्ञक्रिया तेषां नित्यं न प्रतिषिध्यते

(۱۰) یہہ جہان برھمہ پرمیشور سے بھرپور تھا کوئی ورن کی خصوصیت نہ تھی آغاز آفرینش میں پرمیشور نے کرموں کے مطابق ورنوں کی بیوستھا کی۔

(۱۱) جن دویجوں کو کام بھوگ پر یہ ہوا کروہ کو دھارن کرنے والے اور حوصلہ کو پیارے ہوئے اور جن کے سرخ بدن ہوئے بل کی وجہ سے وے کشتریہ ہوئے ۔

(۱۲) جن کا پیلا رنگ اور گئو پالنی کے علاوہ کھیتی کا کام جنہوں نے سنبھالا اور تجارت کے کام میں ٹھہرے وے دویج ویشیہ ہوئے

(۱۳) جو ہنسا کرنے والے اور سب کاموں سے روزی حاصل کرنے لگے۔ کالے رنگ کے دھارن کرنے والے جو بھرشٹ ہوگئے تھے وے دویج شودر ہوگئے

(۱۴) اسطرح کرموں کی وجہ سے دویج دیگر ورنوں میں چلے

گئے - ان کے لئے روزانہ دھرم - یگیہ اور کریا ممنوع نہیں ہے

ادھیائے ۱۱۹

بھردواج جی بولے -

भरद्वाज उवाच ॥

ब्राह्मणः केन भवति क्षत्रियो वा द्विजोत्तमः। वैश्यः शूद्रश्च विप्रर्षे तद् ब्रूहि वदतां वरः॥१॥

"اے اُتم دوجنمے رشی تو بتلا کہ براہمن - کشتریہ - ویشیہ اور شودر کون ہوتے ہیں"

اس سوال کے جواب میں بھرگو جی نے براہمن وغیرہ کی جو پہچان بتلائی ہیں انمیں جاتی یا جنم کا کوئی ذکر نہیں ہے - بھرگو جی فرماتے ہیں کہ جات کرم وغیرہ سنسکاروں سے جو شدہ کیا گیا - وید کے علم سے موصوف اپنے چھہ کرموں یعنے دان دینا دان لینا یگیہ کرنا اور

کرانا وید پڑھنا اور پڑھانا ہیں مستقل پاکیزگی اور نیک چلنی
میں ٹھہرا ہوا کر دیکا پیا۔ تپسیہ برتی یم ستیہ پر مضبوط جو شخص
ہے اسکو براہمن کہتے ہیں۔ سچائی دان۔ کسی کا ورودھ نہ کرنا
بُرے کاموں سے نفرت اور تپ جسمیں دکھلائی دیں اُسکو
براہمن جاننا چاہیے۔" اس کے بعد اسیطرح پر کشتریہ ویشیہ
اور شودر کے لکشن بتلا کر شلوک ۸ میں فرماتے ہیں

शूद्रे चैतद्भवेल्लक्ष्यं द्विजे तच्च न
विद्यते । न वै शूद्रो भवेच्छूद्रो ब्रा
ह्मणो ब्राह्मणो न च ॥

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شودر کے لکشنوں والا انسان ہرگز براہمن
نہیں ہو سکتا اور براہمن کے لکشن والے انسان کو شودر کہہ سکتے ہیں۔

(ب) مہابھارت کا دوسرا پرمان ہم نے بن پرب
میں سے پیش کیا تھا۔

مہا بھارت۔ بن پرب ۔ ادہیائے ۱۸۰ کہانی یوں چلتی ہے ۔ کہ بھیم سین کو ہنوش نامی راج رشی نے (جو اپنے ادہم کاموں یعنی براہمنوں سے خدمت کا کام لینے کی وجہ سے پتت ہوکر سرپ راج ہو گیا تھا) کھانے کے واسطے پکڑ لیا ۔ دہارمک راجا یدھشٹر نے بھائی کو آفت میں پھنسا ہوا دیکھ کر اُس کی رہائی کے لئے تین گزارش دے کیا ۔ سرپ راج سے کہا کہ جو تمہاری خوراک ہو بتلاؤ حتی الوسع مہیا کر دوں گا ۔ جواب یہی ملا کہ میری خوراک مل چکی ہے ۔ اور تو بھی نزدیک آوے گا ۔ تو میری خوراک ہوگا ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنوش راج رشی نے مردم خور سرپ نامی کُل میں جنم لیا تھا ۔ لیکن بہت سے بحث مباحثہ کے بعد سرپ راج یوں مانتا ہے ۔

"یدی تم میرے پرشنوں کا اُتر دو تو میں تمہارے بھائی بھیم کو چھوڑ دوں"

یہہ اور اس کے آگے کی کل عبارت مہا بھارت مترجمہ بنگ باسی پریس سے پڑھی گئی تھی۔

"مہاراج یدھشٹر بولے ہے سرپ! تم اپنے پرشنوں کو کہو ہم شکتی کے انوسار تمہیں پرسنّ کرنے کے لئے ان کا اُتر دیں گے۔ جس وشے کو براہمن جان سکتے ہیں انہیں کو تم جانتے ہو۔ ہے سرپ راج! تمہارے بچن سُن ہم اُتر دیں گے۔

"سرپ بولے ہے یدھشٹر! (۱) براہمن کس کو کہتے ہیں؟ (۲) جگت میں کون وستو جاننے یوگیہ ہے۔ تم ہمارے ان دو پرشنوں کا اُتر دو۔ تو ہم تمکو بہت بدھیمان جانیں گے۔

"راجا یدھشٹر بولے ہے ناگیندر! (۱) جس میں ستیہ۔ دان کشما شیل۔ دیا۔ تپ اور گھرنا ہو اسے براہمن کہتے ہیں۔ ہے سرپ!

(۲) جہاں جا کر پُرش شوک سے رہت ہو جاتے ہیں جسمیں
سُکھہ اور دُکھہ نہیں ہے - وہی ایک برمہہ جاننے یو گیہ ہے
تمہاری کیا سمتی ہے؟ سرپ بولے ہے یُدہشٹر اِس
جگت میں برہمن کشتری ویشیہ اور شودر چار ورن
ہیں - یہہ چاروں وید کا پرمان مانتے ہیں -
(۱) یدی کسی شودر میں ستیہ دان - کشما - لجا - اہنسا
اور گھرنا ہو تو کیا وہ بھی براہمن ہو جائے گا؟ (۲)
تم نے جو کہا کہ برمہہ میں سُکھہ اور دُکھہ نہیں ہے اور وہی
برمہہ جاننے یوگیہ ہے - تو تم ایک ایسے پراپت ہونے یوگیہ
ستھان کو کہو کہ جو سُکھہ اور دُکھہ سے رہت ہو - کیونکہ
ہم کو ایسا کوئی پد نہیں دیکھہ پڑتا -
مہاراج یُدہشٹر بولے ہے سرپ! (۱) جو لکشن شودر میں
ہیں وے براہمن میں نہیں ہیں - اور یدی وے لکشن شودر

میں ہوں تو شودر بھی براہمن ہو سکتا ہے ۔ اور
یدی شودر کے لکشن براہمن میں ہوں تو وہ براہمن بھی شودر
ہی ہے ۔ ہے سرپ ! جو تم نے کہا کہ کوئی وستو سکھ دکھ سے
رہت جانے یوگیہ نہیں ہے ۔ اور کوئی پد ایسا نہیں ہے ۔
جس میں سکھ اور دکھ نہیں ہو ۔ یہ استیہ ہے ۔ جیسے گرمی
میں سردی نہیں اور سردی میں گرمی نہیں ہے ۔ ویسے کوئی
پد سکھ اور دکھ سے رہت نہیں ہے ۔ ہے سرپ ! اس وشے
میں ہماری اور آپ کی سمتی ایک ہی ہے ۔
ور سرپ بولے ہے راجن ! یدی تم کرم ہی سے براہمنتا
مانتے ہو ۔ تو کیا جاتی برتھا ہے ۔ جس سے کوئی پرش نہیں
چھوٹ سکتا :۔ مہاراج یدھشٹھر بولے ہے مہا سرپ !
ہے مہا بدھی مان ! میری بدھی میں جگت کے جتنے منشیہ ہیں ۔
سب ہی ورن سنکر ہیں ۔ اس سے انکی جاتی کی پرکھنا بہت ہی

کٹھن ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے ورن کی ستری سے دوسرے
ورن کا پُرش سنتان اُتپن کرتا ہے۔ وچن۔ میتھن۔ جنم
اور مرن سب پُرشوں کا سمان ہی ہوتا ہے۔ یہہ وید کا
پرمان ہے اور ہم کو ماننے یوگیہ ہے۔ اسی سے پنڈت سب کرم
کو پرم دھان مانتے ہیں۔ جب لڑکا اُتپن ہوتا ہے اُس کا
نال کاٹا جاتا ہے۔ اُس سے پہلے ہی جات کرم کیا جاتا ہے
۔ اُس کرم میں اُس بالک کی ماتا ساوتری اور پتا
اچاریہ ہوتا ہے۔ بھگوان سوائمبھو منو نے بھی اپنی سمرتی
میں ایسا ہی کہا ہے کہ جب "تک بالک وید نہ پڑھے" تب تک
وہ شودر رہتا ہے......." اس بڑے واضح پرمان
کے جواب میں پنڈت گوپی ناتھ جی نے اول تو اُسی بن پرب کی ادھیائے
۱۸۰ کا حوالہ دیا۔ لیکن یہہ بالکل ظاہر نہ کیا کہ تیسرا ادھیائے اس خیال
کی تردید کیونکر کرتا ہے۔ یہ پنڈت گوپی ناتھ کی تقریر کرنے کرتے

اُسی وقت سرسری نظر ادھیائے ۳ پر پھیری تو معلوم ہوا۔ کہ اُس ادھیائے میں محض مہاراجہ یدھشٹر کی اُس حیرانی کا بیان ہے۔ جو کہ اُنہیں اِس خیال پر ہوئی کہ بارہ برسوں کے بن باس میں یگیہ کہاں سے کیا کریں گے۔ اس پر مہاراجا کو ہدایت ہوئی کہ سورج بھگوان کی بھگتی کریں۔ اُنہوں نے سورج کی ستتی کی جس پر سورج دیوتا نے اُن پر خوش ہوکر اُنہیں ایک تانبے کی وٹلوہی دی۔ جس کی خاصیت یہہ بیان کی گئی کہ جب ایک مرتبہ اُسمیں پکوان بناکر دروپدی پروسنے لگے گی تو جب تک دروپدی بھوجن نہ کرلیوے۔ تب تک اُس میں کا پکوان ختم نہ ہوگا۔ اس کے سوائے اُس ادھیائے میں اور کچھہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب پنڈت صاحب نے یہہ دیا کہ جب شودر میں براہمن کے گن آہی نہیں سکتے۔ تو ادھیائے ۱۹۰

میں دیا ہوا یُدہشٹر کا قول قابل عمل نہیں ہے - اس کے جواب
میں کہا گیا کہ یہاں صاف الفاظ میں کرم کو پردھان مانا ہے
اور یہہ کہنا غلط ہے کہ شودر میں براہمن کے گن نہیں آسکتے
جب کہ انہیں گرنتھوں کے اندر وشوامتر وغیرہ کی مثالیں
موجود ہیں ۔ مہابھارت کے میرے پیش کئے ہوئے پرمان کے
جواب میں پنڈت گوپی ناتھ جی نے چند ایک سوال کئے ہیں
جن کو مع اپنے جوابوں کے ذیل میں درج کرتا ہوں -

سوال (۱) باوجود ستیہ وادی اور دھرم سوروپ ہونیکے
یُدہشٹر کیوں نہ براہمن ہوگیا -

جواب (۱) اس لئے کہ وہ کشتریہ کا دھرم پالن کرتا رہا - اگر
یُدھ اور راجیہ کو تیاگ دیتا تو براہمن ہوجاتا -

سوال (۲) درونا آچاریہ باوجود جنگ میں شریک ہونے کے
بھی کیوں نہ کشتریہ بن گیا -

جواب (۲) جب تک مہابھارت کا یدھ نہیں شروع ہوا تھا
اُس وقت تک دروناچاریہ محض یدھ ودیا کا آچاریہ تھا۔ لیکن جب
مہابھارت شروع ہوا۔ اُسی وقت سے تو تمام نیم ٹوٹ گئے
اور تنزل شروع ہوا۔ ہاں اگر درون آچاریہ جنگ سے
زندہ بچ جاتا۔ اور جو آفت کہ مہابھارت کے بعد دیش پر آئی
تھی وہ نہ آتی تو درون آچاریہ ضرور کشتریہ ورن میں
داخل کیا جاتا۔

سوال (۳) کرن کیوں نہ کشتریہ سمجھا گیا۔

جواب (۳) یہہ زمانہ تو ہمارے زوال کا تھا جب بھیشم
پتامہ سے بال برہمچاری نے یہہ کہدیا کہ۔

अर्थस्य पुरुषो दासस्त्वर्थो न कस्यचित्।
इति मत्वा महाराज बद्धोस्म्यर्थेन कौरवः॥

"انسان ارتھ کا داس ہے۔ پس میں ارتھ سے بندھا ہوا
کورو کی حمایت کرتا ہوں" اور باوجود یدہشٹر کے پکش کو دھرم
انوکول جاننے کے بھی دُشٹ دُریودھن کی مدد کرتے رہے تو
پھر کرن کا کشتر یہ کُل میں اُس وقت داخل نہ ہونا کوئی تعجب
کی بات نہیں ہے۔ لیکن واقعات بتلاتے ہیں کہ اُس زوال
کے آغاز میں بھی کرن کو یہاں تک کشتر یہ سمجھا گیا کہ وہ
~~انڈوں~~ کی فوج کا سپہ سالار بنایا گیا۔

سوال (۴۸) راجا جنک باوجود برہم ودیا کے ماہر ہونے
کے براہمن کیوں نہ ہو گئے۔

جواب (۴۸) جو امر کہ مدت تک وشوامتر کے برہم رشی
بننے میں رکاوٹ تھا وہی راج رشی جنک کے برہم رشی
بننے میں بھی سدِ راہ رہا۔

مہابھارت کے متعلق جواب دیتے ہوئے پنڈت جی نے رشی

شرنگ کی پیدایش کی کتھا بیان کر کے اور ہرنی کے اندر رشی کا بیج جانے سے اُن کی دو سینگوں سمیت پیدایش کا ذکر کر کے قدرت کی بے انتہا طاقت کا بیان کیا اور فرمایا کہ جس طرح یہہ پیدایش عجوبہ ہے اُسی طرح رشی شرنگ کا براہمن بننا بھی ہے -

لیکن اس کا یہی جواب دیا گیا کہ یہہ اسمبھو کہانی محض عجائب پرستی کا نتیجہ ہے ورنہ اصلیت یہہ ہے کہ نہ اُن کے کوئی سینگ تھے اور نہ وہ ہرنی کے بیٹے تھے - نیچ کل میں پیدا ہو کر براہمن بن گئے تھے -

منوسمرتی کے پرمان

رہا چوتھی قسم کے پرمان جو منوسمرتی سے پیش کئے تھے بجنسہٖ ایک لفظ بھی جواب میں پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے نہ فرمایا - میں پنڈت صاحب سے نویدن کرتا ہوں کہ ان کل پرمانوں کے جواب فرصت کے وقت اطمینان کے ساتھ اپنے پنڈت نوتن نکلوا کر اخبار دہلی شائع

کردیویں تاکہ اُن کا ہو ۵ ارمان نکل جاوے جس کا ذکر کہ اُنہوں نے اپنی تقریر کے اندر کیا تھا۔

(الف) منوسمرتی ادھیائے ۷۔ شلوک ۴۲

पृथुस्तु विनयाद्राज्यं प्राप्तवान्मनुरेव च। कुबेरश्च धनैश्वर्यं ब्राह्मण्यं चैव गाधिजः॥

"پرتھو اور منو نے بھگتی سے راج کو حاصل کیا۔ کوویر نے بھگتی سے دولت اور حشمت کو حاصل کیا اور گادھی پُتر وشوامتر نے براہمن پن کو حاصل کیا۔"

اسجگہہ لفظ براھمنیہ ظاہر کرتا ہے کہ دشوامتر جی محض براہمن کے سمان نہیں سمجھے گئے۔ بلکہ براھمن ہی ہو گئے۔

(ب) منوسمرتی ادھیائے ۹۔ شلوک ۲۳ و ۲۴

अक्षमाला वसिष्ठेन संयुक्ताऽधमयोनि

जा। शारङ्गी मन्दपालेन जगामाभ्यर्हणीयताम्॥ एताश्चान्याश्च लोकेऽस्मिन्नपकृष्टप्रसूतयः। उत्कर्षं योषितः प्राप्ताः स्वैः स्वैर्भर्तृगुणैः शुभैः॥

اکش مالا نیچ خاندان میں پیدا ہوئی۔ وششٹھ جی کے ساتھ بیاہی جانے سے اور شارنگی۔ مندپال رشی کو حاصل کرنے کے باعث دونوں قابل تعظیم ہو گئیں۔ (۲۳)

اور ان کے علاوہ اور بہت (عورتیں) اس جہان میں نیچ یونیوں میں پیدا ہو کر اپنے خاوندوں کے اعلیٰ اوصاف کے باعث اُتم ادھیکار کو پراپت ہو گئیں۔ (۲۴)

یہاں اول تو ان نیچ کل کی عورتوں کے ساتھ رشیوں کا وواہ کرنا ہی ثابت کرتا ہے۔ کہ ان عورتوں نے اپنے گن۔ کرم اور سوبھاؤ اپنے کل کی نسبت اچھے بنائے تھے۔ اور پھر رشیوں کے سنگ سے اور

بھی زیادہ اعلیٰ اوصاف والی بنکر ایسی عورتیں ایک ہی جنم میں

قابل تعظیم بن گئیں۔

(ج) منوادھیاے ۱۰ - شلوک ۴۲

तपोबीजप्रभावैस्तु ते गच्छन्ति युगे युगे ।
उत्कर्षं चापकर्षं च मनुष्येष्विह जन्मतः ॥

(۴۲) "تپ اور بیج کے پربھاؤ سے یگ یگ میں منشیہ ایک ہی جنم میں سرلشیٹ یا ادہم ورن میں داخل ہوسکتا ہے" یعنی بعض تپ (نیک اعمال) کی بدولت مثل وشوامتر کے نچلے ورن سے اعلیٰ ورن میں چلے گئے۔ اور بعض براہمن کے نطفے سے ہونے کے باعث اعلیٰ اوصاف سے موصوف ہوکر براہمن بن گئے۔ اور اکثر انہیں بواعث سے اعلیٰ ورنوں سے گر کر ادنیٰ ورنوں میں داخل ہو گئے۔

शनकैस्तु क्रियालोपादिमाः क्षत्रियजातयः । वृषलत्वं गता लोके ब्राह्मणा

दर्शनेनच ॥ ४३ ॥

(۴۳) "سنسکار کرموں کے لوپ ہونے سے کشتریہ اور یگیہ کرانے

اور پڑھانے وغیرہ برہمن کے غائب ہونے سے براہمن آہستہ آہستہ

اِس جہان میں شودرتا کو پراپت ہو گئے۔"

چنانچہ اِس سے آگے منو جی نے بہت سی مثالیں دی ہیں جو کشتریہ

کُل میں اُتپن ہو کر سنسکار کرموں کو چھوڑنے کے باعث شودر

ہو گئے۔

(و) منو کا آخری پرمان میں نے حسب ذیل پیش کیا تھا۔

यस्य कर यद्य नं ब्रह्म मद्ये ना प्रल्व व्य

ते सकृत ।

त स्य व्य पैतिब्रा ब्रह्म रायं शूद्र त्वचसग

च्छु ति ॥

(دیکھو منوسمرتی ادھیائے ۱۱۔ شلوک ۹۸)

اس پر ٹیکا کرتے ہوئے کلوک بہت بڑا زور دیتے ہیں اور لکھتے
ہیں کہ

तथा चैकवारमपि यो ब्राह्मणो मद्यं पिब-
नि तस्य शूद्रता समाप्नोति ॥

"اگر ایک بار بھی براہمن شراب پی لیوے تو فوراً شودرتا کو
پراپت ہوتا یعنی شودر ہو جاتا ہے۔"

منوسمرتی کے اس پرمان کو واضع کرتے ہوئے میں نے
پوچھا کہ کیا اس منو واکیہ کی تعمیل ہوتی ہے - اگر اس واکیہ کی
تعمیل ہوتی تو کیوں ایکبار نہیں دوبار نہیں بلکہ نِیم سے رات کو
مئے کے دور چلانے والے براہمن مانے جاتے اور کیوں
ورن سنکر ہو کر ہمارے دیش کا ستیاناش ہوتا۔

میں نے عام طور سے یہ بھی جتلا دیا کہ گن کرما نوسار ورن ویوستھا
قایم ہونے میں موجودہ براہمنوں کا بھی بڑا فایدہ ہے۔ اسوقت

براہمن کا لڑکا ایک طرف تو اِس بات سے بیفکر- کہ اُسے کوئی پتت نہیں کر سکتا - دید آدہین تو درکنار معمولی سنسکرت بھی نہیں پڑہتا - اور دوسری طرف نیوتوں پر درشٹی رہنے سے کوئی آمدنی کا کام بھی نہیں کرتا - پس اِن بیچاروں کی یہہ حالت ہے کہ-

رُدبدہا ہیں دونوں گئے مایا ملی نہ رام

اگر ان پرہ براہمن نیوتہ دغیرہ کی آس کو چھوڑ کر دیشیہ کا کام اختیار کر اُس ورن میں داخل ہو جاویں تو کھیتی دغیرہ سے اپنا گذران تو کر سکیں پھر اُن کو یجمان کے خوش کرنے کے لئے شراب کی بوتلیں خرید کر نہ لانی پڑیں - اور نہ ہی پردہت جی کے یہہ کام سپرد ہوسکے کہ دواہ کے لئے منگلا مکھیوں کے گہر سائی دینے کو جاویں -

میں اپنے براہمن جنم کے فخر کرنے والوں کو خاتمہ پر بتلاتا کہ اگر وے اپنا بھلا چاہتے ہیں تو گن کرما نوسار ورن ہو سکتا

قائم کریں۔ تاکہ اُنکی سنتان پتت ہونے کے خوف سے اپنا آپ شُدھ ہارنے میں تت پر ہو۔ اور ورن سنکرتا دور ہو کر ہر ایک ورن اپنے اپنے فرائض کو ادا کرنے میں مشغول ہو۔

خاتمہ

میری آخری تقریر کے درمیان پنڈت گوپی ناتھ صاحب وغیرہ دہرم سبھا کے پنڈتوں نے دخل دیکر گڑبڑ مچانے اور اثر کو کم کرنے کی دو تین مرتبہ کوشش کی۔ لیکن اسمیں بھی اُنہیں سخت ناکامیابی ہوئی۔ سامعین بڑے غور سے سُنتے رہے سچائی کے اثر کو پنڈت گوپی ناتھ صاحب نے خود یہاں تک محسوس کیا کہ شاستراتھ کے خاتمہ پر شکریہ ادا کرنے کے بہانہ سے سناتنی بھائیوں کو سمجھانے لگے کہ دیکھنا کہیں طبیعت نا ... ... ۔ اگر کچھ شک پڑگیا ہو تو گھر

میں جاکر سوچنا۔ لالہ منشی رام کے پرمانوں اور دلیلوں سے میری تسلّی نہیں ہوئی۔ اور امید ہے کہ تمہاری تسلّی بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ نیز پنڈت صاحب نے یہہ بھی فرمایا کہ اُن کا ارمان اب تک باقی ہے انہیں اگر اور وقت ملے تو وہ اسی مضمون پر بہت کچھہ کہنا چاہتے ہیں۔

اِس کے جواب میں میں نے عرض کردی کہ اگر پنڈت صاحب اور وقت چاہتے ہیں تو اسی شاسترارتھہ کو جاری رکھا جاوے میں انہیں اور وقت دینے کے لئے طیار ہوں۔

اِس کے جواب میں پنڈت صاحب نے فرمایا کہ اِسوقت سمے بہت چلا گیا ہے اور ہم لوگوں نے دہرم سبھا کے جلسہ کے خاتمہ کے شکریے وغیرہ ادا کرنے ہیں اور کل میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اِس لئے پھر کبھی دیکھا جاوے گا۔

اسپر میں نے کہا کہ اگر پنڈت صاحب جانیوالے ہیں تو سوامی

ہنس سوروپ صاحب اور دہرم سبہا کے دیگر پنڈت صاحبان موجود ہیں۔ اُن میں سے کوئی صاحب کسی تنازعہ مضمون پر شاستر ارتہہ جاری کردیں۔ تو باقی دو تعطیلوں کے درمیان بہی شہر والوں کی سچائی کی تلاش میں لگ سکتے ہیں۔ اس کا جواب تو اُس وقت دہرم سبہا کی طرف سے کوئی نہ ملا۔ البتہ ایک پرچہ دیوناگری اکشروں میں لکہا ہوا کسی نے میرے ہاتہ میں دے دیا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ پرچہ ایک سولہ سترہ سالہ لڑکے نے دیا ہے جب اُس لڑکے کو کہڑا کیا گیا تو اُس نے دہرم سبہا کے پنڈتوں اور ادہکاریوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان کے کہنے سے میں نے یہہ پرچہ لکہکر دیا ہے۔ گو آریہ بہائی اُس وقت اُس لڑکے سے اُس خاص آدمی کا نام پوچہنا چاہتے تہے۔ جس نے کہ پرچہ لکہا تہا۔ لیکن میں نے اِس خیال سے کہ لکہنے والے کو شرمندہ کرنے سے فایدہ نہیں ہے۔ سب کو روک دیا پرچہ کی عبارت حسب ذیل تہی۔

" اوم - جناب منشی رام آپ سے دو سے کچھ جواب
نہ آیا - ہوہ ہوہ گلاں دا شالاں دیاں ماتا بھارت دا
بہوشت پراں - ماتا بھارت ہیں گرنتھوں کا کچھ جواب دیا
دو گنیٹے ہیں، نہ کوئی دیاوکتا نا کوئی شوسمرتی - ستیارتھ پرکاش
کا ابسوس (افسوس) آپ کس واسطے مقابلہ کرتے ہو -
ھسی رت دیکھئے - آپ کھتری ہو شرنی لگو سماجی نام رام داتا
اس خط کو جب ہم نے پڑھ کر سنایا تو سامعین ہنس
پڑے - ہمارے پو - انک بھائی شرمندہ ہوئے اور پنڈت
گوپی ناتھ صاحب نے فرمایا کہ اگر انہیں پرچے کا مضمون معلوم
ہو جاتا تو وہ مجھے اس کے پڑھنے کی اجازت نہ دیتے -
ہم سب تو اس وقت اٹھکر چلے آئے اور ساتھ ہی سامعین
کا ہجوم چلدیا - لیکن معلوم ہوا کہ ہمارے آنے کے بعد پنڈت
گوپی ناتھ صاحب اور سوامی ہنس سروپ صاحب نے اپنے

باقیماندہ سناتنی بھائیوں کو تسلی دینے کے لئے بہت کچھ ہاتھ پیر
مارے - یہاں بعض معززین نے بتلایا کہ جو پرشنشہ سوامی
ہنس سوروپ صاحب کی اُن کے دلوں میں سمایا ہوا تھا
کھنڈن کے تھپیڑوں سے مٹیا ہوئی تھی وہ اس بات کی بیہودہ
کارروائی سے دور ہو گئی ۔

۲۰ دسمبر سنہ ۹۴ء کی رات کو شاستر ارتھ ختم ہوا تھا یکم جنوری
سنہ ۹۵ء کی صبح کو میں نے ایک پتر دیوناگری بھاشا میں لکھ کر
نشتری دھرم سبھا جالندھر کے نام بھیجا جسکو معہ اُس جواب
کے جو دھرم سبھا کی طرف سے ملا - ذیل میں درج کرتا ہوں

"بھاشا ورن نشتری دھرم سبھا جالندھر - لیکھ کل پنڈت
گوپی ناتھ جی کے ساتھ شاستر ارتھ کی سماپتی پر میں نے
نویدن کیا تھا کہ یا تو پنڈت گوپی ناتھ جی ورن ہو سبھا دشہ
کا شاستر ارتھ جاری رکھیں اور یدی پنڈت جی نہ ٹھہر سکیں

نواور ودوان مورتی پوجا آدی وشیوں پر شاستر ارتھ کا آرمبھ
کر دیویں۔ سو پنڈت گوپی ناتھ جی تو ٹھہر نہیں سکتے۔ اب سُنا
ہے کہ سوامی ہنس سوروپ جی ابھی جلندھر شہر میں نواس
کریں گے۔ اتایو آپ سے پرارتھنا ہے کہ آپ سوامی ہنس سروپ
جی کو مورتی پوجا اتھوا ایشور اوتار وشے پر شاستر ارتھ کرنے
کے لئے اُدت کر دیویں۔ اس سمے جالندھر نواسیوں میں
دھرم اندولن کے لئے بڑی ہل چل ہو رہی ہے۔ اتایو آشا ہے
کہ اس شاستر ارتھ سے سرو سادھارن کو بڑا لابھ پہونچے گا۔
نیم پنڈت گوپی ناتھ جی کے ساتھ جو نیت تھے انہیں کے انوسار
شاستر ارتھ ہوگا۔ آریہ سماج کی اور سے شاستر ارتھ کرنے کے
لئے میں اُدت ہوں۔ آپنے میرے اس نویدن کا کل اُتر نہیں
دیا تھا۔ یدی وچار لیا ہو تو سمے نیت کر کے مجھے سوچت کیجئے۔

اُترابھلاشی منشی رام سبھاسد آریہ سماج جلندھر شہر

اس پتر کا جواب زبان اردو میں حسب ذیل دیا۔

"جناب لالہ منشی رام صاحب جی۔ جے دھرم کے بعد گذارش ہے کہ آپ کا خط پہونچا۔ آپ کا شاستر ارتھ پنڈت گوپی ناتھ جی صاحب سے ہے۔ لہذا پنڈت گوپی ناتھ جی نے جیسا مناسب تھا جلسہ میں کہہ دیا ہے۔ اور پہلے لاہور سے بھی تحریر کر دیا تھا۔ کہ وہ ۳۰ و ۳۱ دسمبر ۹۵ء سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔ جناب سوامی ہنس سوروپ جی صاحب آج جاتے ہیں۔ اُن کا آخری لکچر ہے جسمیں شاستر ارتھ کے لئے کوئی دن نہیں نکال سکتے۔ پنڈت گوپی ناتھ جی نے کل بھی ظاہر کر دیا تھا کہ وہ پھر آئندہ کسی موقعہ پر آپکے ساتھ شاستر ارتھ کے لئے تیار ہوں گے۔

سکرٹری دھرم سبھا جالندھر شہر

اسطرح پر اس شاستر ارتھ کا خاتمہ ہوا۔ حاضری ہر روز اڑہائی

نین ضرار کے قریب ہوتی رہی۔ سمجھدار آدمیوں نے اس شاستر ارتھ سے سوچنے کے لئے بہت کچھ سامان حاصل کئے ہوں گے ہمیں آشا ہے کہ جن انسانوں کے لئے زندگی ایک سنجیدہ معنی رکھتی ہے۔ وے ضرور سچائی کے دریافت کرنے کی کوشش کر کے اُس پر کاربند ہوں گے۔ ادم شتم

چونکہ شاستر ارتھ کے درمیان سوامی شنکر آچاریہ جی کرت وچر سو کے ایک شلوک کا پرمان دیا گیا تھا۔ اور جس جگہ سے وہ شلوک لیا گیا تھا۔ وہ کل مضمون بڑا دلچسپ ہے۔ اس لئے ورن بیوستھا کے ساتھ اُسکا جہاں تک تعلق ہے۔ اُسے اس جگہہ درج کرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔

انتخاب از وچر سوچی اپنشد

مصنفہ سوامی شنکر آچاریہ جی

اب وجر سوچی کو لکھتے ہیں -

ब्राह्मणक्षत्रियो वैश्य शूद्रश्चत्वारो वर्णा स्तेषां वर्णानां ब्राह्मणो गुरुरिति वेदा वचनान्निरूप्यते ॥

وید کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ براہمن کشتریہ - ویشیہ اور شودر ان چاروں ورنوں میں براہمن سب کا گورو ہے -

तत्र को ब्राह्मणो नाम । किं जीवः किं देहः किं वर्णं किं जाति किं धर्मः किं कर्मः किं पाण्डित्यमिति । प्रथमं जीवो ब्राह्मणः श्चेन्नहि चाराञ्जाल पर्यन्त मनुष्याणां देहे जीवस्य वर्तमानत्वात् देहस्य देहश्चेत पंचभूतात्मकत्वात् देहे स्थित्वरा मरणं दर्शनात् अन्य अपि त्वमा वृशरीर

हे हना त पु ञारगाम ब्र ह्म हत्याद यो दो
वा सा म्भ व स्थ स्मा हे हो पि न ब्रा ह्मण :

اس لئے معلوم ہونا چاہئے کہ براہمن کس کا نام ہے کیا (۱) جیوآتما
(روح انسانی) کا؟ (۲) یا جسم کا؟ (۳) یا رنگ کا؟ (۴)
یا جاتی کا؟ (۵) یا دھرم کا؟ (۶) یا کرم کا؟ (۷) یا فضیلت
(پانڈتیہ) کا؟

(۱) اول اگر روح کو براہمن مانیں تو چانڈال تک انسانوں کے
جسم کے اندر روح موجود رہتی ہے (۲) اگر جسم کو براہمن سمجھو تو
ہر ایک جسم عناصر خمسہ کا بنا ہوا ہے۔ اور جسم کو پیدائش اور موت بھی
لگی ہوئی ہے۔ نیز (اگر ایسا مانیں) ماں باپ کے جسم کو جلانے سے
برہم ہتیا کا دوش لگنا ممکن ہے۔ اس لئے جسم بھی براہمن نہیں
ہے۔

पुनः व र्णो ब्राह्मण इति चेत तर्हि

ब्राह्मण श्वेत वर्णः क्षत्रियरक्तवर्णः वैश्य पीतवर्णः शूद्रः कृष्णवर्णः शू-द्राणां ब्राह्मण वर्णाभावात वर्णो ब्रा-ह्मणो न भवति

(۳) پھر اگر یہہ مانیں کہ رنگ کا نام ہی براہمن ہے تو براہمن گورے۔ کشتری۔ سُرخ۔ ویشیہ پیلے اور شودر کالے رنگ والا ہونا چاہئے۔ اس لئے مناسب رنگ کی عدم موجودگی میں براہمن نہ رہے گا۔ پس رنگ بھی براہمن نہیں ہے۔

कर्म ब्राह्मणश्चेत् हि ब्राह्मणा शत व-र्षाणि जीवन्ति क्षत्रियास्तदर्द्धं वैश्यास्त-दर्द्धं शूद्रास्तदर्द्धमिति नियमाभावात् कर्म ब्राह्मणो न भवत्येत् ।

अन्यच्च जन्मजाति ब्राह्मश्चेत् हि

अन्ये षिजातिमतः शूद्राः बहवः सन्ति महर्षयो बहवः सन्ति

(۹) اگر محض کرم کو براہمن مانیں تو براہمن کی عمر سو برس کی کشتریہ کی اُس سے نصف ویشیہ کی اُس سے نصف اور شودر کی اُس سے بھی نصف ہونی چاہیئے - پس اس قاعدہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے کرم بھی براہمن مانیں تو دیگر جاتی والے بھی بہُت سے شودر ہو گئے - اور بہت سے مہرشی ہو گئے -

ऋषिश्रृगो मृग्या कौशिक कुशसंस्तरात् गौत्तम शशपुष्टे वाल्मीकि वल्मीके पाराशर श्वाेडात्या महान मुनि मातंगो मातङ्गी पुत्र अगस्त्य कलशोभ्यवः माडव्यो माडवी गर्भात्पन्नः हस्तिनी गर्भात्स अनुरुध्द ऋषि शूद्रशि गर्भोत्पन्न

भारद्वाज मुनिं व्यास कैंवर्त्यां जाम्बुको
जम्बुकां वशिष्ठो वेश्यायाम् विश्वामि-
त्रो क्षत्रियायां नारदो दासी पुत्रः एतषां
जात्या विनापि सम्यक् ज्ञानं विशेषात् ब्रा-
ह्मणां भूयते अतः जाति कारणे नहिस्यः

(۱) رشی شرنگ جو ہرنی سے پیدا ہوئے

(۲) کوشک کُش (گھاس) سے

(۳) گوتم خرگوش سے

(۴) بالنیک بمیکی سے

(۵) پاراشر چانڈالنی سے

(۶) ویامُنی تانگ ہتھنی سے

(۷) اگست کلش سے پیدا ہوا

(۸) ماڈویہ ماڈوی کے گربھ سے ____________

(۹) اندوہ رشی ہتھنی کے پیٹ سے ____________

(۱۰) شودرانی کے گربھ سے پیدا ہوئے بھاردواج منی ____________

(۱۱) ویاس جی کہاری سے ____________

(۱۲) جامبُک شغال مادہ سے ____________

(۱۳) وشِشٹ بازاری فاحشہ عورت سے ____________

(۱۴) وشوامتر کشتریا سے اور ____________

(۱۵) نارد کنیزک کا لڑکا ____________

یہہ سب جاتی نا بھی علم حق کی فضیلت کے باعث براہمن ہو گئے۔ پس اس سے پایا جاتا ہے کہ جاتی براہمن نہیں ہے۔

अन्ये च पाण्डित्येन ब्राह्मणत्वं
हि क्षत्रिय वैश्य शूद्रयो हुहा पूर्वो
हि धर्मिणो बहवः सन्ति तस्या था

र्मिं कोपि ब्राह्मणो न भवेत्येव ।

(۶) اگر محض پنڈتائی کو براہمن مانیں تو اور بھی پنڈت ہو سکتے ہیں۔ اور اگر (۷) دھرم کو ہی براہمن مانیں تو کشتریہ ویشیہ اور شودروں سے بھی بہت سے یگیہ کئے گئے ہیں۔ اس لئے محض یگیہ دھرموں کا پالن کرنے والا بھی براہمن نہیں ہو سکتا۔

अन्य च्च कर्मिणो ब्राह्मणा मिति चेन्न हिं दानि याद योपि कन्यागो गज पृथ्वी हिरण्य अश्व प्रभृति दान दातारस्सन्ति तस्मात् कर्मिणो ब्राह्मणो न भवति ॥

(۸) پھر اگر محض کرم کو ہی براہمن مانیں تو کشتریہ وغیرہ بھی لڑکی۔ گودان۔ ہاتھی۔ زمین۔ سونا۔ گھوڑا کا کافی دان دینے والے ہیں۔ اس لئے محض کرم کرنے والا بھی براہمن

نہیں ہوا۔

इत्यष्ट सुविकल्पेषु जीवत्वादी
न्य ब्राह्मणां वाचारे भणामात्र जीवा
दी नाब्राह्मणाभावात्तर्हि सिद्धा
न्ते को वा ब्राह्मणो नाम यः कश्चि
दात्मानमद्वितीयम् करतलामल
कवत्पश्यति परमात्मानो परोक्षे
ण कृतार्थं तथा काम रागादि रहित
शमदमादि साधन सम्पन्नः सतो
भावमत्सर्य तृष्णा तम्मोहादि र
हित दम्भ हंकारादैति ह्यसरव
ब्राह्मण न तु वेशधारः

ان آٹھ صحیح دلیلوں سے ثابت ہوا کہ محض روح وغیرہ کو

زبانی خواہ براہمن کہہ لو۔لیکن براہمن پن کا اُن میں ابھاؤ ہے۔ پس اصول یہہ معلوم کرو کہ براہمن وہ ہے جو کہ مثل ہتھیلی پر آملے کے برہم کو لاثانی دیکھے۔پرم آتما کو حاضر ناظر سمجھے۔نفسانی خواہشات اور موہ سے بری شم (من کو قابو کرنا) دم (اندریوں کو قابو کرنا) وغیرہ اوصاف سے موصوف۔دشمنی۔لالچ۔موہ۔ریاکاری گھمنڈ وغیرہ سے پاک ہو۔وہ براہمن نہیں جو کہ ظاہری نشان رکھتا ہو۔

तथा हि

जन्मना जायते शूद्रः संस्काराद्द्वि
ज उच्यते । वेदाभ्यासी भवेद्वि
प्रः ब्रह्म जानाति ब्राह्मणः ॥१॥

(۱) پیدائش سے ہر انسان شودر ہوتا ہے۔سنسکار ہونے پر

اُسے دوج یعنے دو جنما کہتے ہیں۔ ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے پر وِپر ہو جاتا ہے۔ اور براہمن وہی ہوتا ہے جو برہم کو جانے ؂

ویدک دھرم کا بیوک

منشی رام جگیاسو

مطبع ست دھرم پرچارک جالندھر شہر میں مہاشہ منشی رام جگیاسو

مالک و پروپرائیٹر مطبع کے اہتمام سے طبع ہوا

For Review & perusal.

عورت اور اُس کی تعلیم

"یعنی"

امورِ متفرق

عورت ذات کی طینت اور قدرتی خواص اور تعلیم نسواں پر ایک مفصل اور عاقلانہ بحث

"از"

پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب متخلص بہ کیفی
تلمیذ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مصنف "آریہ ورت کا عروج" و "مثنوی آئینۂ ہند" وغیرہ۔

سنہ ۱۸۹۶ء

بھارت بوک پریس جالندھر شہر میں حسب الارشاد منشی
جی۔ ایم۔ ترابی صاحب مالک مطبع باہتمام سلطان علی اسسٹنٹ منیجر طبع ہوئی

قیمت فی جلد

Presented
to
Lala Munshi Ram ji
for whom
the author has great love &
respect,

Jullundur City } B M Dattatrya
18-12-1896 }

یہ ناچیز تصنیف

بصد خلوص مصنف کی طرف سے

جناب لالہ دیوراج صاحب منیجر کنیا پاٹشالہ و
کنیا آشرم جالندھر کی خدمت عالی میں

باعتراف

اس غیر معمولی عملی کوشش اور جانفشانی کے جو آپ
نے اس صوبہ میں تعلیم نسوان کی ترقی اور اشاعت میں کی ہے
"نذر کیجاتی ہے"

فہرست مطالب

کتاب عورت اور اُس کی تعلیم

کتابیں

اسی مصنف سے

"آریہ ورت کا عروج"

پرانے ہندوؤں کی عالمگیر فضیلت اور عظمت کا سچا فوٹو عالمانہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ رقومی عزت کا مستند کارنامہ ۔ قیمت صرف ۱۲ علاوہ محصول

مثنوی آئینہ ہند

عام فہم اردو میں اعلیٰ مضامین اور فصیح زبان میں ہندو مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نقشہ اور رفتار زمانہ کے مطابق ترقی قومی کی چند تدبیریں تعصب سے پرہیز کی تاکید اور اتفاق کی ترغیب قیمت صرف ۲ علاوہ محصول ۔

المشتہر ۔ منیجر مطبع بھارت سیوک جالندھر شہر پنجاب

عورت

اور

اُس کی تعلیم

تمہید

کسی طریقے میں جب کوئی نقص قائم ہو جاتا ہے اور ایک مدت
کا عملدرآمد اسکو اصلی حیثیت سے کہیں کا کہیں ہٹا دیتا ہے تو
اس نقص کی علت اور حقیقت پر اسکے سوا گفتگو نہیں ہو سکتی

کہ وہ ایک نقص ہے اور اسکا دفعیہ ضروری۔

ہندوؤں میں عورتوں کی موجودہ متبذل اور غلامی کی حالت ایک ایسا ہی مسئلہ ہے۔ بہر حال انکی پراچین پستکیں اس امر کا ثبوت پہنچاتی ہیں کہ بہت ابتدائی زمانے میں جسے ٹھیٹھ ویدک زمانہ کہنا چاہیئے۔ عورتیں اب سے کہیں بہتر اور مردوں کے درجہ مساوات پر تھیں۔ مگر ایک مدت مدید کی پولیٹیکل اور سوشل بدعملیوں اور بد رسموں نے اس متبرک جنس کو ان دہاڑوں پہنچایا کہ یہ مسئلہ ہمارے کان کھڑے ہوتے ہیں کہ ہم کبھی عورتوں کو واقعی اپنا آدھا جسم سمجھتے تھے۔ تاریخی جھگڑا چھیڑنا بکھیڑا ہے۔ ہم اس رسالہ میں جو زیادہ تر تعلیم نسواں پر ہے عورت کی فضائل اور خواص کی نسبت بھی ذکر کرینگے اور بدلائل بتائیں گے کہ عورت کو قدرت نے مرد سے کسی اعتبار سے بھی حقیر نہیں پیدا کیا۔

پایا جاتا ہے کہ عورت یا اسکی تعلیم کا مسئلہ قطع نظر اس سے کہ ابتدائی ترویج تہذیب سے خواندہ دنیا کے زیر بحث رہنا چلا آیا ہی اور زبان انگریزی کے عروج کے قدم بقدم ترقی کرتا چلا گیا ہے بیکن اور ایڈیسن سے لیکر حال کے مصنف و مضامین نگار سڈنی سمتھ اور ہربرٹ سپنسر تک اسکے مذکور اور ترقی و اصلاح میں سرگرم وساعی ہوتے آئے ہیں اور ہم قیاس کرتے ہیں کہ جب تک عورت اپنے جائز اور اصلی حقوق پر قابض نہیں ہو جائے گی۔ یہہ جادہ جوئی یوں ہی جاری رہیگی * ✱

✱ اس قیاس کی معقولیت کی تائید میں دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

اول انگلستان میں اضلاع کی کونسلوں میں عورتوں کو ممبری کے ووٹ دینے کا حق ہے۔ جیسا کہ اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور مطبوعہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۲ء سے ظاہر ہے کہ مسٹر میکلارن کی ترمیم کہ کونٹی کونسلوں میں عورتوں کو پولیٹکل حقوق دئے جاویں گورنمنٹ کے خلاف اکیانوے ووٹ کی زیادتی سے پاس ہوئی۔

دوم۔ نیوزیلینڈ میں یہہ قانون پاس ہوا کہ عورتوں کو بھی جنرل الیکشن میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہو۔ تشریح کے لئے دیکھو ذی روزانہ اخبار مطبوعہ ۔ اکتوبر ۱۸۹۳ء

ہندوستان میں بھی مغربی علوم کی تاریخ گویا تعلیم نسواں کی تحریک
کی تواریخ ہے - اس اجمال کی تفصیل ایک چھوٹی سی کتاب ہے
جو مسٹر گنپت لکشمن متعلم الفنسٹن انسٹیٹیوشن (اب الفنسٹن کالج) بمبئی
نے مقررہ انعامی مضمون پر لکھی تھی - اور اول انعام حاصل کیا تھا
اسکے دیباچہ میں ڈاکٹر ولسن کے نوٹ سے ظاہر ہے کہ اسکی اشاعت
سے بھی پیشتر یعنی ۱۸۴۱ء کے بہت پہلے سے تعلیم یافتہ ہندوستانی
اور انکے شفیق استاد دیسی گھروں کی اصلاح اور عورتوں کی ترقی
حالت کی فکر میں تھے -

جب انگلستان میں صدہا سال کے مشورے اور مباحثے کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵ - یہ دونوں واقعات کچھ کم اہمیت بخش نہیں ہیں
ازیں عورتوں کی کانگریس نے جو ۱۸۹۹ء میں بمقام پیرس اور سیکاگو لنڈن
شہر منعقد ہوئی تھی - عورتوں کے خلاف تمام قانونی اور پولیٹیکل دقتوں اور
مزاحمتوں کے فی الفور رفع ہونے کا کیسا پورا جبروت ولا ہے -
(دیکھو پانیر ۲۲ - جولائی ۱۸۹۹ء)

بعد بھی یہ مضمون نیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے ایک مُردہ
اور لتاڑا ہوا مضمون تصور کرکے اس سے بے اعتنائی کریں جبکہ درحقیقت
یہ وہ دھری ہے جسپر ہماری کل سوسائٹی کی گاڑی کا پہیہ پھرتا ہے
راقم کے نزدیک یہ نتیجہ خیز مسئلہ ایسا ہی تازہ بہ تازہ اور نو بنو ہے
جیسا کبھی تھا۔ اس لئے ان اوراق میں اسپر واضح طور پر بحث
کی جائیگی تاکہ تمام وہ شبہ اور بدگمانیاں جو اناث اور تعلیم اناث
کے خلاف ہیں دور ہو جائیں +

باب (۲)

عورت سوسائٹی میں

اس میں کیا شک ہے کہ ہم بے گھرے ہیں۔ واقعی ہم خانماں برباد ہیں۔ شائد ناظرین متحیر ہوں کہ یہ کیا کہا جاتا ہے۔ مگر ہم پھر کہیں گے کہ ہم بے گھر کے ہیں۔ آہ! حضرت یہ آپ کے محل اور ایوان آپ کو مبارک۔ مگر ان میں کوئی گھر کا آنند یا خانگی خوشی نہیں ہے۔ نہ شمہ بھی۔ مکان اور گھر کا فرق محتاج تشریح نہیں۔ بقول شخصے ہمارے مکان عموماً دو حصوں پر منقسم ہوتے

ہیں۔ زنانہ کو قید خانہ اور مردانہ کو گپ خانہ کہنا زیبا ہے۔ علاوہ
ازیں ہم زنانہ میں وہ نہیں کرتے جو کرنا چاہیئے۔ زبردستی دو تین
وقت دوزخ بھرنے لپکے ہوئے اندر گئے۔ تیوری پر بل ڈالے
ہوئے جوتا پانو سے نکالا اور گیلے گوبر مٹی سے لیپے ہوئے رسوئی
کے ایک حصے کو طے کرتے ہوئے ایک چوکے میں جا کے پدھرے
یہ سب تکلیف اٹھا کر اپنے سے بالشت بھر نیچے رکھی تھالی میں سے
آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ اور جھٹ پٹ ہاتھ دھو دھلا پان
لے باہر کھسک آئے یا کبھی والد یا کسی بزرگ کے ساتھ کی وجہ
ذرا دم کے دم ٹھٹھک رہے تو اور غضب آیا۔ ایک طرف سے
آپ کا پانچ برس کا لڑکا جسے آپ نے کہیں اکیلے دُکیلے میں پیار
کر لیا تھا آپ کو چمٹتا ہے۔ دوسری طرف اسکی چھوٹی بہن اسکی
دیکھا دیکھی آپ کا دامن پکڑتی ہیں۔ آپ ہیں کہ ان سے شیطان
کی طرح لاحول سے بھاگا چاہتے ہیں۔ دل پر سل رکھ کے انکو دست

شفقت سے دھکیلتے ہیں۔ اس انداز سے کہ ہاتھ بھی مس کرتا نہ
نظر آئے۔ ایک کونے میں بیوی بیماری کی تکلیف میں کراہ رہی
ہے۔ مگر آپ ہیں کہ طوعاً وکرہاً اندھے اور بہرے ہوئے جاتے
ہیں۔ ذری بات نہیں کر سکتے تسلی نہیں دے سکتے۔ گھر میں اور کسی
سے بولیں تو کیا بولیں۔ منہ کھولیں تو یا اپنا منہ نچوائیں یا انکا
منہ کھلوائیں۔ یہ تو آپ کی زنانہ زندگی ہے۔ ہم دعوے
سے کہتے ہیں کہ کوئی ذی فہم اسے خانگی خوشی نہیں کہہ سکتا۔ یہ
گھر کا سکھ ہرگز نہیں ہے۔ جب یہ نہیں تو مردانہ کیسے گھر کے
سکھ کا دینے والا ہو سکتا ہے جبکہ وہاں گھر کے آدمی ہی نہیں

الغرض ہم خانماں برباد گھریلو خوشی سے قطعی بے بہرہ ہیں اور
یہ ایک بڑی بھاری وجہ ہے کہ ہمارے چال چلن تعلقاتِ جنسی
کی بابت سخت قابل پرہیز ہیں۔

عورت صحبت کو دلربائی کی ایک رنگت۔ شرافت کا چسکا اور

نیکی وخوش اخلاقی کا ایک نور بخشتی ہے۔ اسکی رفاقت مرد کو بہت
سے عیوب سے محفوظ رکھتی ہے۔ بہت گناہوں میں پڑنے سے
روکتی ہے۔ بد زبانی اور فحش اسکی بارعب سُہانی صورت کی روبرو
کافور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جو مرد عورتوں سے
زیادہ الگ رہتے ہیں وہ نسبتاً زیادہ پھکڑ فحش گفتار۔ اور نفس
پرست ہوتے ہیں۔ عورت انسان کی کرخت فطرت کی مصلح ہے
یوروپ میں سوسایٹی میں عورت کی حیثیت بہت کچھ وزن
دیگئی ہے۔ ہر زمانے میں مدبران ملک اور منتظمان سلطنت نے
اسکے حقوق کو قانونی طاقت دی اور دے رہے ہیں۔ امریکہ میں
اُسے ہر کہیں سے زیادہ آزادی حاصل ہے۔ اور وہاں بہت صنفیں
میں لایق لیڈیاں پائی جاتی ہیں۔ جبکہ انگلستان کے شعرا اور
علما، چاسر کے زمانے سے لیکر ٹینی سن تک عورت کے محاسن جمیلہ
اور فضایل حمیدہ کا راگ گاتے چلے آئے ہیں۔ ہمارے ہاں

اسکے خلاف کہاوتیں اور مسئلے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے
کہ ہمنے عورت کو کس حالت میں رکھ چھوڑا ہے۔ اور انکے
جوہروں کو کس طرح اپنی نفس پرستی پر قربان کیا ہے۔

ہندو سوسائٹی میں غلامی اور اطاعت غریب عورت کی
پیدائشی سزا ہے۔ انکی ایک لاکھ چوراسی جونوں میں سے یقیناً
یہہ سب سے زیادہ ذلیل اور دکھ دائی ہے۔ بچپن میں والدین
کے حکم کے نیچے۔ شادی کے بعد خاوند کی جوتی کے تلے اس کی
موت پر بیٹے یا دیور جیٹھ کے تابع فرمان رہنا یہ اسکی قسمت ہے
گویا وہ بنی نوع انسان کے دکھ اپنے سر پر لینے اور زمانہ بھر کی
مصیبتیں اکیلی جھیلنے آئی تھی۔ جسکی کہیں داد ہے نہ فریاد سے
ہماری جہالت کی شقاوت قلبی دیکھیے۔ کہنے لگے ساری عورتوں
کی شُدر بنگیا ہے۔ وہ پڑھنے پڑھانے کی ادھکاری نہیں۔ وہ
وید نہیں پڑھ سکتیں۔ خدا کی معرفت کا دروازہ انکے منہ پر بند

ے ۔ اجلال نامتناہی کے انوار ۔ انکے قلوب کے لئے نہیں ہیں
وہ کوئی قانونی حقوق نہیں رکھتی عورتکی شادی کوئی باہمی برابر کا
تعلق یا حب دل خواہ رشتہ نہیں ہے ۔ بلکہ باپ یا بھائی اسی
خیرات کرنے کا حق رکھتے ہیں ۔ بعد بیاہ کے باپ کی میراث سے
تو کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا ۔ جسکے ساتھ بیاہی جاتی ہے اسکے
ترکہ سے بھی باختیار ۔ آزادی خود کوئی فائدہ اٹھانیکی مجاز نہیں

منو کے دھرم شاستر میں عورت کی نسبت مختلف خیالات اور
احکامات پائے جاتے ہیں جو ایک حد تک دونوں قسم کے ہیں ۔
جب وہ عورت کو کھاتا دیکھنا گناہ عظیم قرار دیتا ہے ۔ جب وہ
یہ حکم لگاتا ہے کہ " بستره ۔ آسن ۔ آرائش کی چیزیں ۔ چاؤ ۔ غصہ
دھوکا دھڑی ۔ دل آزاری کی عادت اور برے اخلاق خالق
نے عورت کے لئے مقدر کئے " ط ۔ ۱۷ اور یہہ فتوے دیتا ہے
کہ " رات اور دن عورتیں گھر کے مردوں کی تابعداریں رہنی چاہئیں "

اور "بچپن میں باپ کی حفاظت میں ۔ جوانی میں خاوند کی حفاظت
میں اور بڑھاپے میں بیٹوں کی حفاظت میں رہے ۔ عورت کو
آزادی کی حالت میں نہ چھوڑنا چاہیئے ۔" ط - ۲ - ۳ اور جب وہ
یہہ حکم لگاتا ہے کہ :- "کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کھانا نہ کھائے ۔ نہ
اُسے کھاتے ۔ چھینکتے ۔ جمائی لیتے یا آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھے
دیکھے ۔ د - ۳ - ۴۳ ۔ ہاں جس قانون میں عورت کی نسبت یہ خیالات
اور ایسے احکامات ہوں وہ اگر کہیں اسکی تعریف بھی کرے تو ظاہر ہے
کہ کیا وزن اور وقعت رکھتی ہوگی ۔ جیسا مندرجہ ذیل کے لب و
لہجہ سے کھلتا ہے ۔ " اسلئے ہر رسم اور تیر تہوار کے موقع پر زیور
پوشاک اور کھانے سے اسکی ہمیشہ عزت کرے ۔ وہ آدمی جو
دولت کی خواہش رکھتا ہے ۔ ط - ۱۷ ۔ یہہ منتر از خروارے ہے
ان تمام مراعات اور احسانات کا جو عورت کی ذات سے مرعی
رکھے گئے ۔ شہوات نفسانی اور اغراض دنیاوی کی بُو جو ان فقرات

کی عبارت کے حرف حرف سے آتی ہے محتاج بیان نہیں۔ یہ ہندوؤں
کی بڑی بیمری کے دفعات ہیں جو اقتباس کئے گئے۔ ایسے عملدرآمد
کی تعلیم و ترویج کا جو اثر اور نتیجہ ہونا چاہیئے تھا صورت بہ بیں حالش مپرس
کی مصداق ہے۔ اب رہی محمڈن سوسائٹی۔ وہاں اور بھی پتھر پڑے
ہیں۔ اس ابتری کا مذکور اس مقام پر چنداں ضروری نہیں۔ اصحاب
متعلقہ خود مصروف کار ہیں۔

باایں ہمہ ہم اطمینان کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ہمارا چھوٹا
سا فرقہ اس بارہ میں اہل ہنود کے تمام فرقوں سے جداگانہ حالت
رکھتا ہے۔ اس میں علوم مروجہ کی تعلیم و تلقین ابتدا سے جاری
رہی اور وہ نسبتاً ہر قوم سے زیادہ تعداد میں تعلیم یافتہ ہوتا چلا آیا
تہذیب معاشرت کے آئین کو اپنے کچھ سمجھا اور جگہ جگہ کی بود و باش
اور ملازمت سرکار وقت کی وجہ سے کل کاروبار خانگی کا بوجھ عورتوں پر
آپڑا۔ اس لئے اسکے کاموں میں عورت زیادہ دخل رکھتی ہے اسکی

زندگی میں اسے زیادہ رسوخ ہے۔ حق ہے کہ وہ اس امر میں اپنے
آپ کو فخر کے ساتھ خوش نصیب خیال اور شکر ایزد و ذوالجلال کرتا
ہے۔ انکے ہاں شادی بیاہ کے گرانڈیل اخراجات۔ کتخدائی کے نازل رشتے
تائی یا ماسی کی نہیں۔ بلکہ عورتوں کی رائے اور پسند پر منحصر ہیں۔
عام ہندو کے ہاں بیاہ میں عورتوں کا پانو بالکل درمیان میں نہیں
ہوتا۔ برات اور سمدھیانے کی شرکت سے انہیں برائے نام بھی واسطہ
نہیں مگر انکے ہاں انکی رونق افروزی ہر رسم میں لابدی ہوتی ہے
مرنے جینے کی خوشی غمی کی کوئی رسم کوئی تقریب کشمیری پنڈت ادا
نہیں کر سکتا۔ جب تک اسکا بٹر ہاف اسکے بائیں پہلو کی زینت بخشی
نہ فرمائے۔ غرضکہ اس بارے میں وہ خوش قسمت ہیں انہیں کچھ
پرواہ نہیں کہ منو کیا کہتا ہے اور پاراشر کیا لکھتا ہے۔ انہیں زندگی
کی آسانی اور اپنے کام سے کام رہتا ہے۔ وہ سچے پرماتما کی اطاعت
اس جگت پتا کی محبت اور اسکے کنبے بنی نوع انسان کی خدمت اور

ہمدردی پر مبنی جانتے ہیں۔

اس سے پہ بڑی عظمت جو اس سوسائٹی میں خصوصیت کے ساتھ عورت کو حاصل ہے پردے کی عدم موجودگی ہے۔ انکے ہاں کشمیری پنڈت اپنے اپنے میزبان کے گھر میں ایسا ہی بے تکلف اور اپنا ہی جیسا خاص اپنے گھر میں۔

لیکن عام ہندوستانی سوسائٹی کی کیفیت اس سے دگرگوں ہے یہ تو مسلمہ ہے کہ پردہ اصلی ہندو چیز نہیں ہے۔ مگر زمانہ دراز کے عمل نے اس رسم کو کم سے کم اس حصہ ملک میں ویسی رسم بنادیا ہے۔ اور اب اعلیٰ اور متوسط درجوں کا بہت بڑا حصہ بالعموم اور کل ملازمت پیشہ اور خوشحال گروہ بالخصوص اپنی عورتوں کو مستور رکھتا ہی اس بات میں مسلمانوں کا ذکر ہی کیا ہے جو اس امر میں با وصیا کی مصداق ہیں ۔

باب (۲)

عورت کی نسبت خیالات

وہ قوم جو قومیت گنوائے بیٹھی ہو۔ اپنی قومی حیثیت سے گری ہوئی ہو۔ اپنے مذہب سے دست بردار ہو چکی ہو۔ اپنی آزادی کا خون کئے ہوئے ہو۔ وہ قوم وہ بدنصیب قوم ظاہر ہے کہ عورت کی نسبت کیا خیالات رکھتی ہوگی۔ "تریا چرتر جانے نا کوے" "اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ" اور "زناں را کید ہائے بس عظیم ست" نمونہ از خروارے ہے۔ منو کے انتخاب اوپر آ چکے۔ اب عام ہندو لٹریچر سے مختصر حوالے پیش ہوتے ہیں۔ ہتوپدیش:- اگر جگہ نہ ملے۔ اگر موقع نہ ملے

اگر کوئی مرد خواہش کرنے والا نہ ہو تو اے نارد! عورت کی عصمت کا ظہور ہوتا ہے۔" صفحہ ۱۲۲۔ شرم ہند و مردو !!! "نہ شرم نہ شائستگی نہ عزت اور نہ غیرت کوئی نہیں۔ مگر آشنا کا نہ ہونا صرف باعث ہے عورت کی پاک دامنی کا۔" صفحہ ۱۲۱۔

"ایک آدمی ستم قاتل۔ دریا۔ طوفان۔ خوب صورت۔ بڑی اور مست ہاتھی شکار پر لگے ہوئے شیر۔ ملک الموت۔ چور۔ وحشی اور خونی کا اعتبار کر سکتا ہے لیکن جو کوئی ایک عورت کا اعتبار کرے تو ہمیں شک نہیں کہ گلیوں میں الکھ جگاتا پھرے گا۔"

نیتی چنتامنی۔

اور سنیئے ڈاکٹر مور فرماتے ہیں کہ "اندر نے ظاہر کیا کہ عورت کا دل قابو میں نہ آنے والا اور اُسکا مزاج متلوّن ہے۔" †
لیکن ان نفرت پیدا کرنے والے نکوہیدہ شعار دلوں سے نکلے

† Sanskrit Texts Vol. V p. 461

ہوئے اقوال کے مقابلہ میں بہتر رائیں بھی پیدا کرنی چاہئیں۔ رامائن بہترین تاریخی مثنوی ہے انہیں سے جو ہندی لٹریچر نے کبھی پیدا کیں۔ سیتا کا کیرکٹر جو اس میں دیا گیا ہے ہزار ہزار تعریف اور تحسین کے لائق ہے۔ سیتا کا کلام جو بن باس پر نکلنے کے وقت رام سے خطاب کیا گیا ایک ہندو عورت کی نادر نیک خلقت اور خالص عقیدت کی شرح میں دفتر کھولتا ہے۔

وھوھذا

دھرم ہے بیوی کا حصہ میاں کے لیے بخت میں — ہمرہی ہے فرض میری اس جنم سخت میں

مجھکو کب منظور ہے تجھ بن ارم کی بود و باش — استری اپنے پتی بن ایک لاوارث ہے لاش

اس جنم میں اور بعد از میری پیارے پتی — میں رہونگی سایہ آسا تیرے قدموں سے لگی

تو سر کا تاج ہے اور تو ہی میرا رہنما — تو ہی میرا آسرا ہے اور تو ہی میرا خدا

ہمرکابی کا ارادہ بس مصمم ہے مرا — تجھکو ہاں صحرا نوردی ہیں اگر جانا پڑا

خار زار و ہیں پھرونگی آگے آگے میں تیرے — اور وہ رستے کہ ہوں خار مغیلاں سے بھرے

میں چلونگی انہیں سنگ تا کہ ہلکی ہو تری
راہ تیرے ساتھ میں معلوم کب ہوگی کڑی

خار صحرا جامۂ ابریشمی ہو جائیگا
گھاس کا بستر بھی فرشِ مخملی ہو جائیگا

ہے مجھے تیری حضوری میں پناہ اچھی کہیں
بارگاہ عظیم الشان ہی اور خلدِ بریں

حفظ میں بازو کے تیرے بال بھی بیکا ہوا
دیوتا انسان راکھشس کر نہیں سکتا ذرا

مطمئن اور شاد و خرم میں رہونگی تیرے ساتھ
کڑوی میٹھی جو جڑی بوٹی کہ لگی ہاتھ

تیرے ہاتھوں سے وہی او دلبرِ جانِ جہان
ہوگی امرت پھل لگیگی انگ مجکو بیگمان

ہم قدم صحرا نوردی کرتے بن ویرانوں میں
گویا وقفہ ہوگا اک دن کا ہزاروں سال تئیں

ہے وہ دوزخ بھی اگر تو ساتھ رہے تیرے
جنت صد شاد کامی ہے وہی تیرے لئے

دوسرے اقتباس مہابھارت کے مختلف مقامات سے ہیں جنکا
ٹھیٹھ لفظی ترجمہ باذاق اردو نظم میں دلچسپی کو اکسائیگا۔

سرگشتہ و پریشاں و اماندہ رنج و غم سے
ہوتا ہے جبکہ انساں ویران زندگی میں

پاتا ہے اِستری سے آسائش اِس الم سے
پاتا ہے برکت اس میں اور تازگی ہی ہیں

دِیگر

بچوں سے گھر ہو گرچہ تمہارا بھرا پڑا
لیکن گھر آدمی کا ہی بیوی بنا جہاں
سچ ہے کہ اہل خانہ ہی سے زیب خانہ ہے

اور خرمی سے اور ضیا سے بھرا ہوا
خالی ہے اور روح حقیقی نہیں وہاں
ویرانہ ہی جو زن وہاں جلوہ نما نہ ہی

دِیگر

اردھنگی زن ہے مرد کی اور بہترین دوست
پُر مہر زن ہے فصل بہار ان بے خزاں
نیکی و عشرت اور بشاشت کی ۔ با وفا
زن اُس کی بہتریں ہے مدد بہر فضل رب
تنہائی میں ہے شیریں زباں بیوی اک ندیم
اور باپ ہے جہاں کہ نصیحت کا کام ہے

اک مان ہے جبکہ سر پہ مصائب کا ہو ہجوم
اور دشتِ زیست کے ہے سفر میں یہ ایک چین

مرقومہ بالا چند مناسب خیالات ہیں جو عورت ذات کی نسبت ہندوؤں کی قریب کی پچھلی لٹریچر میں ملتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اہل فرنگ نے اسکی نسبت کیا رائے قائم کی ہے۔ اس بارے میں نمونہ کے طور پر صرف چند مقولے پیش کئے جائیں گے۔

انگریزی شاعری کے قبلہ گاہ چاسر کی رائے عورت کے معاملہ میں پہلے اچھی نہیں تھی۔ لیکن بعد کے پختہ تر تخیل نے اُسکی غلطی اُسپر کھولدی۔ اسنے توبہ کی اور اپنی نظم "Legend of good women" (نیک بیویوں کی کہانی) کے عالی خرد دیباچہ میں اپنے سابقہ قصور کا اعتراف اور اوسکی تلافی کی ہے۔ اسپر ایک رائیٹر لکھتا ہے۔

کینٹربری ٹیلز سے ہی چاسر کو بقائے دوام حاصل ہوا اور جب ہم اسکے مندرجات میں اسکے عورت کے سلوک سے اسکا

معیار قائم کرتے ہیں تو ہم بے شک وشبہ انکی فہرست کی سرے
پراسے جگہ دیتے ہیں جنہوں نے عورت کی نسبت ہمارے منظر
کو اتنا عالی کیا ہے۔ چاسر کے کلام میں عورت کی تمثیلی نیکیاں
بیشتر ملکوتی صفات ہیں عصمت۔ پاس وضع اور وفاشعاری۔
مصیبت میں غربت۔ مذہبی توکل یہ اوصاف عظیم ہیں ٭ لہ
اول انگریز شاعر کا یہ کلام نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔
"Madame, the sentence of this
latin is" "Woman is man's
mannes joy & all his bliss". ٭ ٹ
ترجمہ بی بی اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ "عورت" مرد کا آنند اور سکھ ہے۔

لہ ٭ The English Illustrated Magazine No. 12 Sept 1884. P. 734
ٹ ٭ The fable of Cock & the fox.

اور ملک الشعرا ورڈزورتھ لکھتا ہے:-

"The reason firm, the temperate will,
"Endurance, foresight, strength and skill
"A perfect woman, nobly planned,
"To warn, to comfort, and to command."

ترجمہ اسکی عقل مضبوط - رائے صائب - اسمیں برداشت پیش بینی
استقلال اور زیرکی ہوتی ہے - ایک پوری عورت تلقین تسکین
اور حکومت کرنے کی بہت عمدگی سے تدبیر کرتی ہے -

اور سر والٹر سکاٹ کہتا ہے -

"O woman! in our hours of ease,
"Uncertain, coy, and hard to please
"And variable as the shade
"By the light quvering aspen made,

"When pain & anguish wring the brow,
"A ministering angel thou."

ترجمہ۔ او عورت تو کہ ہمارے عیش و آرام کے وقتوں میں غیر مستقل
شرمیلی اور مشکل سے خوش ہونے والی اور سبک لرزاں۔ سپین
(ایک درخت) کے سایہ کی طرح متلوّن ہوتی ہے۔ لیکن جب
ہم تکلیف اور مصیبت میں پڑ جاتے ہیں تو تُو ایک غم کی دُور
کرنیوالی فرشتہ ہوتی ہے۔

مشہور امریکن مصنّف واشنگٹن ارونگ کی قیمتی کتاب
"سکیچ بک" دو باب اس مضمون پر رکھتی ہے۔ اوّل کی سُرخی
"بیوی" (Wife) ہے۔ اس نازک باب کو فاضل مصنّف یوں
شروع کرتا ہے: "بسا اوقات مجھے اس دلیری کو ریمارک کرنیکا
موقع ملا ہے جس سے عورتوں نے بدقسمتی کے سخت سوانحات
کو برداشت کیا ہے۔ وہ مصائب جنہوں نے مردوں کی ارواح

تحلیل کردیں - اور اُن کی کمریں توڑ ڈالیں - انہوں نے نازک
حصّہ جنس (عورت) کی تمام طاقتوں کو تحریک کیا ہے - اور
اُن کے کیرکٹر کو ایسا بلند حوصلہ اور مردانگی عطا کی کہ کبھی کبھی وہ
جبروتی شان کو پہنچتا ہے" مصنّف موصوف نے اس باب میں
نہایت خوبصورتی اور جادو بیانی سے عورت کی روح اور دل
و دماغ کی اُن نادر قوتوں کا ذکر کیا ہے جو مصیبت کے وقت حیرت انگیزی
کے ساتھ بروی کار آتی ہیں - اور ہر تمثیل ایک دلکش
روداد بیان کی ہے جسکا لطف اصل کتاب میں کامل مطالعہ
سے حاصل ہو سکتا ہے -

دوسرا باب جسکا ایہا ہوا تھا "شکستہ دل" Broken heart
ہے جسمیں نہایت دل سوزی سے اور باریک بینی سے ثابت کیا گیا
ہے کہ عورت کی محبت مرد کی محبت سے کہیں زیادہ مضبوط -
خلوص آئین اور تقدس انتہا ہوتی ہے - کتاب کی شہرت

انتخاب کی ضرورت کو عاطل کرتی ہے۔

انسانی خمیر کی کتاب کا ایک صحیح الفہم مطالعہ کرا اور انسانی خلقت کا ایک وہ بین نظارگی عورت کی نسبت بہت ہی بیش بہا راز رکھتا ہے۔ جسے ہم خصوصیت کے ساتھ ذیل میں ترجمہ کرتے ہیں۔

"او! عورت کے دل کی کوئی تحقیر کرے تو بڑا کیئے جاؤ۔ وہ اُس مٹی سے پاک ترین ہے جو دست سُبحانی سے صورت بخشی گئی کوئی نظارہ ایسا بزرگ نہیں ہے جیسا کہ فرشتوں (عورتوں) کا دوزانو ہو کر انسانی طاقت کی دلداری کرتے دیکھنا۔ اپنی (عورت کی) تمام مصیبت اور تکالیف کو سرچشمہ راحت کی صورت میں تبدیل کر دینا اور آپ اکیلی وہ جام ہلاہل پینا جو مرد کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ غریب عورت ذات! اُسے بکنے دو جو تیرے شریف دل کو بُرا بتاتا ہے۔ اگر جنت کوئی چیز ہے تو وہاں تیری جگہ ہم سے کہیں زیادہ آرام بخش ہوگی۔ اور اگر دوسرے عالم میں

کوئی عدالت ہوگی تو وہ تیری کمزوریوں کی زیادہ ہمدرد اور ملتفت ہوگی بہ نسبت ہماری گمرگشتگی اور سرکشی کے"۔ آگے چل کر اسی دلفریب ناول کے ایک سو تیسرے صفحہ پر زیادہ زورسے عورت کے اخلاق کے فضائل ومحاسنات خصائل اپنی معمولی سحرافرینی میں رقم کئے گئے ہیں۔

بہت سے حوالوں اور کلاموں کو چھوڑ کر ہم سب سے اخیر لارڈ ٹنی سن انجہانی مرحوم ملک الشعرائے انگلستان کا کلام وحی نظام نقل کریں گے۔ ٹھیٹھ لفظی ترجمہ یہ ہے۔

العیزیزہ حشر الخلق مرد و زن کا ساتھ ہے
دیوتا یا دیو ہوں ہاتھ اسکا اُسکے ہاتھ ہے
قید میں کیا اور آزادی میں کیا ہیں وہ رفیق
اُچھلے یہ تو وہ بھی اچھلے یہ ہو تو وہ بھی غریق
پھر اگر وہ ہے ضعیف الخلق ناچیز اور حقیر

مرد کی نشو و نما ہو سکتی ہے کب (اے بصیر)

نظم مندرجہ بالا سے زن و مرد کی ہمسری کا کیا دل نشین ثبوت ملتا ہے۔ غرضکہ اسی طرح ایک اور ہزار مثالیں پیہم گنوائی جا سکتی ہیں جو عورت کی عظمت اور قدسیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

عام طور پر تقریباً کل ہندوستان اور بالخصوص شمالی حصہ ملک میں عورت کی تحقیر اور تذلیل کی کہاوتیں اور مثلے نہایت عمومیت کے ساتھ نوک زبان ہیں جو موقع بے موقع زبان پر لائے جاتے ہیں چنانچہ ایک فارسی شعر ایسا ہی مشہور ہے جیسا سعدی کا نام

"اگر نیک بودے سرانجام زن"

"زناں را زن نام بودے نہ زن"

یہ سوائے اسکے کہ اپنے گھڑنے والے کے خبث نفس اور کوتاہ نظری کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ جن شخصوں نے اپنی زندگی آوارہ شعاری اور بغیر کسی مستحکم اصول کے کاٹی ہو۔ جنکے دل میں تحقیقات اور

بے تعصبی کا لمعہ ایک لمحہ کے لئے بھی نور افگن نہ ہوا ہو یا جن کو
بُری قسمت نے ہمیشہ بُردوں سے پالا ڈالا ہو وہ اپنے ناپختہ تجربوں کو
اور کیا پیرایہ دے سکتے ہیں - یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی اشعار
ذیل سے نوع انسان کی جنس نرینہ کی تحقیر اور قدرتی نقائص کی
شہادت مراد رکھے -

اگر مرد کا نیک انجام ہوتا
نہ "مر" بلکہ "ست مر" سر نام ہوتا
اگر عاقبت مرد کی بد نہ ہوتی
تو انجام میں صورت "رد" نہ ہوتی

مصنف کی ذیل کی رباعیات یہاں بہت ہی برمحل ہیں جو ان
بیہودہ ضرب الامثال اور قولوں کا رد ہیں جنکی طرف اشارہ ہوا ہے

انجام کو بد یہ طعنہ زن کہتے ہیں پنجاب کی دیکھیے بلند اخلاقی	لفظوں کی رعایت سے جو زن کہتے ہیں عورت کو وہاں "زن" نہیں "رن" کہتے ہیں

اک قول ہے جہل اور دانش سے بعید
"اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید"
جوہر کیلئے ہے قابلیت درکار
پاکی کا گیا ہے قصور جب دل ہو پلید

ہے عقل میں مدعی کے بیشبہ فتور
عورت میں جو کہتا ہے جبلی ہے فجور
ہیں جو بدی ہی جانب مرد سے ہے
اصلی ہے نہیں کوئی ذات نسواں میں قصور

خلقی ہے برائی تو ہے پوتھی جھوٹی
کسبی ہے برائی تو نہیں ہے فطرتی
مانا کہ بری ہی صحیح ہیں سکش بدتر
جوہر کو جو کھو کے شیشے میں لائی ہیرے کی

سن سن کے بہت ہیں حیراں بھائی
بد کہتے ہیں کیوں اسے مسلمان بھائی
پستک میں تو انکی نیک لکھا ہے اسے
کیا بھول گیا کان میں شیطان بھائی

اوپر کی رباعیاں بہت سے اعتراضات کا شافی جواب ہیں جو فرقہ اناث پر کئے جاتے ہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہند و عورتوں کی نسبت غیر ملک والوں کی کیا رائے ہے جو ہمارے سوشل حالات سے بخوبی واقف اور ہماری قومی زبانوں کے جاننے والے ہیں اور چونکہ وہ

یہاں کے وسیع ہیں۔ اس لیئے اُن کی رائے بے تعصب تسلیم ہو سکتی ہے کم سے کم باعتبار نسبت کے۔ اس موقع پر کہ ہم یہہ بحث چلا رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم صرف دو حوالے لائیں گے ؞



باب (ج)

ہندو عورت

اگرچہ ہندو عورت کی خصلت اور چال چلن کا صحیح اندازہ ملک
کے اُن حصص کے باشندوں کا طرز زندگی مطالعہ کرنیسے بآسانی
حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں غیر قوموں اور ملتوں کا اثر نسبتاً کم پہنچا
ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دکن میں پردہ بالکل نہیں ہے جسکی
وجہ یہی ہے کہ وہ اندرونی ترکیب کے اعتبار سے بیرونی اثرول
سے بہت محفوظ رہا۔ لیکن ہم اپنے دعوے کو زیادہ مضبوط بنانے کیلئے
لئے تمام ہندوستان کی آبادی کو زیر نظر رکھیں گے۔

ڈاکٹر مورڈاک اس باب میں مندرجہ ذیل مفصل رائے ظاہر
کرتے ہیں جسکا ترجمہ یہہ ہے:- †

"ہندو عورتوں کی خوبیوں میں مندرجہ ذیل کا مذکور ہونا چاہیے
عصمت اور وفاداری - بیوائیں اکثر تحریص اور بری ترغیب
میں رکھی جاتی ہیں اور اونکی عفت کے بارے میں مختلف رائیں
ہیں - بیاہتاؤں میں بیشک بعض ایسی ہیں کہ نکل جاتی ہیں لیکن
تمام طور پر ہندو عورتیں پتی برتا اور عفیفہ ہوتی ہیں"

"خاوند کی اطاعت - سیتا کا کلام جو ابھی منقول ہوا ایک
پیرایہ میں ہر ہندو عورت کے خیالات کا آئینہ ہے"

اور بہت سے اوصاف کے شمار کے بعد لکھتے ہیں:-

عدم ارتکاب جرائم - مسٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کہتے ہیں:-
انگلستان کی نسبت ہندوستان میں مجرم مردوں سے مجرم عورتیں

---

† "Women of India" by J. Murdock L.L.D.

یا مرد قیدیوں سے عورت قیدیوں کی نسبت برائے نام ہی ہے،
ہندوستان کی عورتوں میں شراب خوری یا وہ بُرائیاں جو اُنکا
نتیجہ ہوتی ہیں بالکل نہیں ہیں" †

اس حوالے سے اصلی مقصد عورت کی عموماً اور ہندی عورت
کی خصوصاً باوفائی اور پُرحیائی اور پاک دامنی کی تصدیق تھی
اور اسمیں اوپر جیسی ہوئی رائیں صاف اور قطعی ہیں۔ زیادہ مفصل
رائیں تعلیم یافتہ ویسی لیڈیوں اور جنٹلمینوں اور بے شمار یوروپین
مصنفوں سے مل سکتی ہیں جو اشاعت یافتہ ہیں۔ اسلئے
غیر ضروری الذکر۔

ہندو عورت کے خوارق اخلاق اور جبلی عادات وخصائل کی
یہہ تمام تصویر کھینچکر کسی خاص فرقہ کا ذکر کرنیکی ظاہرا کوئی ضرورت

---

† ڈاکٹر مورڈاک کی اِس کتاب سے اس رسالہ کو بڑی مدد ملی ہے۔ اسکا
مطالعہ ہر ہندوستانی کے لئے ضروری ہے ۔

نہیں بھی لیکن ہمارے خیال میں اُس فرقہ کی عورت کا ذکر کرنا جسکا نزینہ حصہ کئی صدیوں سے سلاطین اور اراکین اسلام کا مقرب رہتا آیا ہے جسکے رسم ورواج۔ عادات واخلاق الغرض کل روزمرہ کی زندگی پر باہمی تہذیب کا بہت ہی بڑا اثر پڑا ہے اور جنہیں سلسلہ مغلیہ کے زوال کے زمانے کے بہت سے معائب بھی اپنے میں داخل ہونے دیئے ہیں۔ نہایت ضروری بلکہ لابدی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصلی اوصاف بیرونی اثر کے مقابلہ میں کہانتک غیر اثر پذیر ہیں۔ ایک لائق کشمیری پنڈت محب قوم اور ہردلعزیز راہیٹر لکھتا ہے *

"پابندی عقائد دینی۔ اس باب میں ہماری قوم کی نیک بخت مستورات بمقابلہ دیگر اقوام ہند زیادہ مضبوط اور مستقل ہیں اور اپنے روزمرہ کے اشنان۔ دھیان۔ پاٹ پوجا نیم دھرم وغیرہ کی پابند ہیں۔ اور دل میں خوف خدا کو ہمیشہ

جگہ دیتے ہیں۔ اور اپنے تئیں فانی اور ناچیز سمجھتی ہیں۔

"لیاقت علمی۔ اس باب میں اپنی قوم کی مستورات میں البتہ ترقی نمایاں نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی دنیا داری کے دھندوں میں بالکل مصروف اور غلطاں پیچاں رہتی ہیں۔ لیکن پھر بھی دیگر اقوام ہند کی مستورات سے ہزار درجہ بہتر اور لائق ہیں۔

"تہذیب۔ اخلاق میں بھی ہماری قوم کی عورتیں دیگر اقوام ہند کی مستورات سے اونچا درجہ رکھتی ہیں۔ ناراضگی کی حالت میں کبھی دست درازی یا دشنام دہی سے پیش نہیں آتی ہیں۔

"شرم و حیا پاکدامنی عورت۔ اپنی برادری کے لوگوں سے پردہ نہیں۔ کیونکہ ان میں وہ بڑوں کو بزرگ اور چھوٹوں کو برادر و فرزند سمجھتی ہیں۔ اگر کوئی شخص برادری کا گھر میں آتا ہے تو بڑی تعظیم و تکریم سے سرو قد استادہ ہو کر اور آنکھیں نیچے کر کے اپنے دیوتاؤں کا سروپ سمجھکر نمسکار کرتی ہیں۔

اس سے خیال کرنا چاہیئے انکی پاک دامنی اور عصمت کو کس قدر استقلال ہے۔

"پتی برتا یعنی تابعداری خاوند۔ خاوند کی اطاعت کو پرستش میں داخل سمجھکر اسکو دیوتا کا سروپ جانتی ہیں۔ خاوند کیسا ہی بدچلن ہو مگر وہ اس سے برہم ہوکر اسکا مقابلہ نہیں کرتیں"۔ +

پڑھنے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہہ خوبیاں صرف دو اسباب پر مبنی ہیں۔

(۱) عورت اور مردوں میں آزادی کے ساتھ تعلقات اور

(۲) عورتوں کی تعلیم۔

+ "تحفۂ غالب" موسوم بہ "گلگشت کشمیر"۔ از پنڈت کرشن لال چودھری سنہ ۱۸۸۳ء مطبوعہ مطبع منشی نول کشور +

باب (۲)

عورت کی قدرتی قابلیتیں

علم ناقص سے جہل خالص بہتر ہے کیونکہ بے ضرر ہے کم علمی ہمیشہ قوموں کی تباہی کا باعث ہوتی آئی ہے۔ دنیا میں خوفناک ترین کشت و خون یا مذہبی تعصب و جوش ناتمام علم و واقفیت کا نتیجہ ہیں۔ عورت کی نسبت یہاں مرد کی بدگمانی اور بری رائے محض اس غیر کامل علم کی وجہ سے ہے۔ علمی سائنس سے بے بہرہ سوشل سائنس کے قوانین سے جاہل مطلق اور عملی فلسفہ کے اصولوں سے اُمّی محض فانوس خیال میں وہمی دوڑ دھوپ

کی شمع جلانے والے اہل ہند یا اہل شرق اُس قدسی صفات
فرشتے کی نسبت اور رائے کیا قایم کر سکتے تھے - اہل اسلام میں
اور انکی تقلید سے منو میں بھی عورت عام طور پر ناقص العقل ہے
اسکی عقل گُدی کے پیچھے ہوتی ہے - اسکی ذات میں بیوفائی و
بدعہدی اور اسکی خلقت میں بدی خمیر کی ہوئی ہے وغیرہ
وغیرہ - یہہ یاوہ سرائیاں گو اپنی مہملیت کی زبان سے آپ
اپنا جواب ہیں لیکن یہہ اعتراض کہ عورت کے قوائے دماغی اور
ذہنی طاقتوں کی نشو و نما اور بالیدگی اس حد تک نہیں ہو سکتی
کہ مرد کے قوا کی پس چونکہ عورت فطرتاً ناقص العقل ہے لہذا
اسے علوم و فنون کے اعلےٰ و منتہی شاخوں میں انٹروڈیوس
کرنا لاحاصل ہے بعض اوقات معقول پسند حصہ سوسایٹی
سے اٹھتا ہے - اس لیئے لازم آیا کہ اس سوال پر ذرا دیر ٹھیرا جائے
گبن اور بائرن وغیرہ کی جو عورت کے حق میں بُری رائیں

مشہور ہیں۔ اُنکی نسبت ہم صرف اس واقعہ مستند پر اکتفا کرینگے
کہ وہ اور اُن کی امثال محض ایک واحد تعلق یا نفس پرستی
کے تعشق کی ناکامی کے ذاتی تجربہ پر مبنی ہیں اس لئے اس سے
عام نتیجہ اخذ کرنا یا اُنکو اطلاق کلیہ کی وقعت دینا غلطی ہے۔
اُنھوں نے کبھی کوئی باقاعدہ معقول دعوے اس مقدمہ میں
نہیں کیا۔ اسلئے ان چند مدعیوں کو چھوڑکر عام غلطی کا جواب
دیا جاتا ہے۔

جہانتک کہ اصول اناٹمی اور فزیالوجی کا تعلق ہے
مرد اور عورت میں کوئی نیچرل یا وزن امتیاز نہیں ہے۔ یعنی
مردانے اور زنانے اجسام میں کوئی بنیادی یا اصولی امتیاز
نہیں ہے۔ ہاں بعض فروعی علامات جو اکا ضروری پائی جاتی
ہیں جنکی تشریح نیچے کیجاتی ہے۔

عورت کی عام جسمانی طاقت مرد سے کم۔ اور اسکی جسمی ساخت

نازک تر ہے اور یہہ اسلئے کہ اسے ماں بننا پڑتا ہی عجب نہیں
کہ حضرت انسان نے اسکے خوشنما رعنا اندام کو دیکھکر یہہ کہانی
گھڑی کہ خدا نے آدم کے دل بہلانے اور غمخواری کیلئے عورت
کو پیدا کیا۔ خیر۔ لیکن یہہ فرق یعنی جسمی طاقت کی کمی اگرچہ
بحیثیت کلیہ اور جہانگیر ہے لیکن عورت کے قوائے عقلی کے
متعلق کوئی فنکشنری نقص کی مولد نہیں ہوسکتی۔ کیا ہم نہیں
دیکھتے کہ غالباً ہر کہیں وہ گروہ جو پڑہنے پڑھانے کا شغل رکھتا
ہے اور حکومتی و انتظامی کاموں کا انجام دینے والا ہی جسمی طاقت
اور بالیدگی میں عوام الناس سے کمتر ہوتا ہے۔ یہی تناسبی تفاوت
عورت اور مرد میں تمام ممکن صحت کے ساتھ قرار دیا جاسکتا ہی یہاں
روزمرہ کا مشاہدہ یہہ ہرگز نہیں ہے کہ ہٹے کٹے اور لمبے چوڑے
قامت کے طلبا ر اول انعامات چھین لیجائیں بلکہ اکثر و بیشتر اس
سے دوسرا۔ پھر کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ عورت کی یہہ ظاہری

کمزوری اسکے اعضاء رئیسہ کے خواص اور عمل میں کوئی نقص عائد کر سکے۔ ظاہر میں لاعلمی کی آنکھوں سے جو مقامات امتیاز باہمی معلوم ہوتے ہیں وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں۔

علم تشریح جسم انسانی کا سرسری مطالعہ یہہ بتائیگا کہ جو اعضا ایک کے جسم میں نمایاں اور بیرونی صورت میں ہیں وہی کہیں دوسرے کے جسم میں مخفی اور اندرونی شکل میں ہیں۔ دو ایک ظاہری علامات۔ اختلافات کے سوا ایک اختلاف فزیولوجی کے قواعد کی رو سے جو پایا جاتا ہے وہ دم کشی کا فرق ہے۔ سانس لیتے ہوئے مرد کا ڈایفرم زیادہ کام کرتا ہے مگر عورت کے سانس لینے میں وہ کم کرتا ہے جبکہ پسلیوں سے پیوستہ اعصاب زیادہ مستعمل ہوتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سانس لیتے ہوئے عورت کی چھاتی مرد کی چھاتی کی نسبت بہت اٹھتی بیٹھتی ہے اسپر "کیوں" کا سوال ایک

ذرا سے سوچ سے حل ہو جائے گا۔ قدرت نے زندگی وہنی کی
قابلیتیں ہر جاندار میں پہلے ہی سے رکھدی ہیں۔ چونکہ عورت
نسل انسانی کی پیدا کرنے والی ہے۔ اس صورت میں اسے
کئی مہینے حاملہ رہنا پڑتا ہے۔ اس زمانہ میں ڈایفرم کا زیادہ
اور تیز کام حمل اور حاملہ کو ضرر رساں ہوتا۔ اس لئے اسکی ساخت
میں ایک خصوصیت کا لحاظ رکھا گیا۔

ایک فرق یہ اور بس ایک اور۔ وہ مغز دماغ کے وزن کا
تفاوت ہے۔ انسانی دماغ ہاتھی اور بڑے وھیلوں کے سوا اور
سب حیوانوں سے بڑا ہوتا ہے اور جسم کی نسبت سے بھی باستثناء
معدودے چند پرندوں۔ اور انسان سے اتر کر دودھ پلانیوالے
حیوانوں کا زیادہ وزنی ہے۔ انسانی دماغ میں حجم اور وزن کے
متعلق بڑے اختلاف ہیں نہ صرف نوع انسان کی مختلف نسلوں
میں بلکہ ہر دو جنس میں۔ چنانچہ نرینہ دماغ مادینہ دماغ سے اندازہ

اوسط دس فیصدی کے حساب سے چھوٹا یا ہلکا ہوتا ہے۔ اس
موقع پر ہم اس امر کو پوشیدہ یا گول رکھنا نہیں چاہتے کہ نہ محض
مرد کے زیادہ جسمی وزن کی نسبت سے - بلکہ یہ ایک اصلی جنسی
فرق ہے۔ کیونکہ جہاں دماغ کے وزن میں دس فیصدی کا فرق
ہے وہاں عورت کا کم سے کم جسم بحالہ تکثر تم مرد کے جسم سے صرف
آٹھ فیصدی کم ہے لیکن اس علمی بحث سے جو اصول علم
فزیالوجی پر مبنی ہے اسکے سوا اور نتیجہ نہیں استنباط کرنا چاہیے
کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہوگا۔ اس سے زیادہ دلیل
کی غلطی ہوگی۔

اب جاننا چاہیے کہ قوائے دماغی کی بالیدگی اور ذہنی طاقتوں
کی ترقی پذیری جیسا کہ تازہ اور مصدقہ علمی تحقیقات سے ثابت
ہوا ہے۔ دماغ کے حجم یا وزن پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ان تہ
بہ تہ پیچوں اور پیچیدہ ہتوں Folds + Convolutions

یہ جو دماغ میں ہوتی ہیں اور ان پیچوں اور پٹھوں کی ہئیات و خاصیت کے متعلق اب تک عورت اور مرد میں کوئی خط امتیاز نہیں کھینچا گیا ہے - اس باب میں کوئی جنسی فرق نہیں پس اس بزرگ علمی شہادت سے اس دعوے کا ہمارے موافق فیصلہ ہوا کہ خلقی طور پر عورت کی دماغی طاقتیں مرد سے کم نہیں ہیں یعنی کہ عورت ہرگز ناقص العقل نہیں ہے - تربیت اور تعلیم کا یکساں عمل یکساں نتیجہ پیدا کریگا -

یہاں تک تو عورت کی دماغی طاقتوں کے باب میں تھا - اب قلب کی طاقتوں اور قابلیتوں Mental Faculties کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے مشہور ہندو عارف اور ریفارمر برہمو سماج کے سرگروہ کیشب چندر سین نے شادی صغر سنی کی بندش کے متعلق عورت کے قرار کی نسبت ہند کے اسوقت کے (جبے بیس سال سے زیادہ گذر گئے) نامور ڈاکٹروں کی رائیں جمع

کی تھیں جنکے اعتبار پر وہ لکھتے ہیں :-

"لیکن ہر ایک (مرد اور عورت) کے کیرکٹر کو جامع حیثیات کذائی میں لیجئے تو تمام ظاہری غیر مساواتیں دور ہو جاینگی۔ مرد کی افضل جسمی بناوٹ سے کون منکر ہو سکتا ہے۔ اسکی بہادری بلند اور استقلال کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قابل ترجیح نہیں ہیں عورت کی افضل شرافت فروتنی۔ پریم اور کریم النفسی کو دوسرے پلڑے میں رکھنا چاہیئے۔ یہہ درست ہے کہ مرد اپنی عقل[۱] کے زور سے حاوی ہوتا ہے۔ ایسا ہی یہہ بھی درست ہے کہ عورت اپنے دل کی طاقت سے حکومت کرتی ہے۔"[۲]

---

۱ کیشب چندر سین کی یہ رائے پرانی تھیوری پر مبنی تھی جبکا ماحصل عقلی ترقی کا مدار دماغ کے وزن پر تھا نئی تحقیقات کی واقفیت جو اس امر میں وزن کو بواسطہ ٹھیرائی ہے غالباً بعدازاں ہندوستان میں پہنچی۔ کیونکہ یہہ مضمون اب سے بیس سال سے بھی بیشتر کی تحریر ہے یا یہاں عقل سے زیادہ مراد علم یا تمدنی عقل ہے

۲ Keshab Chander Sen's Essays Vol I p107

قاعدہ ہے کہ ایک قوم یا گروہ کی (جیسا کہ افراد میں بھی) کوئی خاص طاقت جو عرصہ تک استعمال میں نہیں لائی جاتی سُست اور نکمی ہو جاتی ہے جسکے نقص کی اصلاح کے لئے ایک مدت مدید کبھی ایک سے زیادہ نسلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب یہہ کیفیت ایک فرقہ میں واقع ہو تو اسکی قابلیت کا اندازہ عام محقق کی نگاہ سے کیسے ٹھیک ٹھیک ہو سکتا ہے۔ عورت کی روحانی طاقتیں حکما سے توضیح اور تصریح کے ساتھ سراہی گئی ہیں۔ چنانچہ جرمنی کا متبحر فلسفی صاف الفاظ میں لکھتا ہے:۔

"منجملہ بہت سی انسان کی خمیری قابلیتوں اور صورتوں کے جو ابھی مذکور ہوئیں۔ عورت کی قلبی اور عقلی ترکیب فطرتی Mental & intellectual Constitution میں روح (روحانی طاقت و قابلیت) زیادہ افضل اور ممتاز بعلوم ہوتی ہے کیونکہ یہہ وہی روح کی قابلیت ہے جو عورتوں کی تمام

خیالات وگفتار وکردار میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جن پر کہ شائستہ
اقوام کی سوشل صحبت کی خوبی موقوف ہے۔ †

تہور اور شجاعت کے اعتبار سے کبھی عورت کسی سے پیچھے نہیں
ہر قوم وملت جو اپنے بزرگوں کی تاریخ کا نشان باقی رکھتی ہے اس
بھی پتہ لگا سکتی ہے کہ جب ضرورت پڑی ہے تو عورت نے مرد
سے بھی بڑھکر جوہر شجاعت اور جسارت کا اظہار کیا ہے۔ یہی
مثالیں پاس عفت اور بچوں اور خاوند کی حفظ جان کیلئے وقوع
میں آئی ہیں۔ غرضکہ سکھوں سے لیکر نہایت جنوب کے مرہٹوں
تک اکثر اقوام ہنود و اسلام اپنی غازی عورتیں رکھتی ہیں۔ اس
ہمارا ایک خاص روداد کا مذکور خالی از لطف نہوگا۔

اس واقعہ کی روایت جان سبحے پول سے ہے جو لکھتے ہیں

† Schlegel's Philosophy of Life
language, pp 44 42 Bohn's classics.

کہ ایک دل سوز شفیق بہن سیندھیا کی فوج میں زیرکمان

پرتگالی افسر بپٹسٹی Baptiste نوکر تھی۔ اس فوجی

خدمت کی غرض اور ضرورت یہہ تھی کہ اسکا بھائی قرضہ کی علت

میں بھوپال کی ریاست میں قید تھا۔ یہ راز ایک اسی بیڑے

کے سپاہی پر کھل گیا۔ لیکن اس افشا راز کے بعد بھی وہ اسی طرح

اپنی خدمت انجام دیتی رہی۔ بعد میں جب یہہ بات حکام بالادست

تک پہنچی تو اس عورت کے لئے ایک معقول رقم کا انتظام کیا گیا اور

رئیس بھوپال کے نام سفارشی خریطہ ارسال کیا گیا۔ راوی مخبر ہے

کہ "سپاہی کی حیثیت میں اسنے نہایت بہادری اور عزت کے

ساتھ کام کیا۔ بہت سے موقعوں پر وہ جان کو جوکھوں میں ڈالنے

سے نہ ہچکچائی۔ عورت کے کیرکٹر کی بزرگی اور شرافت ایسی کچھ تھی"

نامناسب نہ ہوگا اگر راوی کے اصلی الفاظ نقل کئے جائیں۔

"While a soldier she acted bravely
"& honourably. She exposed herself to
"risk of life on more than one occasion
"Such is the nobility of woman's character" +

ایسی ہی ایک مثال ابھی اخباروں سے معلوم ہوا کہ ٹرکی میں
واقع ہوئی اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شجاعت اور تہوّر
میں بھی عورت کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اصلی جسمانی سُبکی اُسے کسی
طرح بُزدل نہیں بنائی اور یہ ثابت ہے کہ شجاعت کا جوہر جسم
کے لحم و شحم پر موقوف نہیں ہے۔

سربرآوردگان حکمائے متقدمین بھی اس مسیحا نفس فرشتے کے
مرتبہ کی عظمت کو پائے ہوئے تھے چنانچہ ارسطو کی رائے ہے
کہ عورت ملکی و مالی معاملہ میں رائے صائب دیکھتی ہے۔ نیز اُسکی
یہ رائے ہے کہ خطۂ یونان کے مردوں کو جو النسائیت حاصل ہے

+ John J. Pool - India Magazine

وہ انکی ماؤں کی عقلمندی اور انتظام کی بدولت ہے جنکی قوت
متخیلہ ادراک اور یادداشت مردوں سے کم نہیں۔
حکیم **افلاطون** کا قول بھی اس موقع پر نقل کرنا مفید ہوگا جو
کہتا ہے کہ:۔ "عورت ہمہ وجوہ مرد کی ہمپایہ ہے"
المختصر یہہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا گیا کہ عورت کی قدرتی قابلیتیں
مرد سے کسی طرح کم نہیں ہیں جسکی تشریح کا لُب لباب اس گوشوارہ میں
لکھا ہے۔ انسانی نیچر تین حصوں پر منقسم ہے۔ سپرٹ
سول اور باڈی (Spirit, Soul, & Body)
جنکے ترجمہ میں شاید ان الفاظ کا استعمال درست ہو سکے۔ آتما
اور دیہہ یعنی نفس۔ روح اور جسم ان تینوں حصوں کی قابلیتوں
کے لحاظ اور اعضا کے منصبی عملوں کے اعتبار سے عورت کسی
طرح مرد سے کم نہیں۔ اگر یہہ کہو کہ آخری میں کم ہے تو دو اولین
میں زیادہ ہے۔ کیونکہ اسکی دماغی اور روحانی طاقتوں کا مجموعہ

مرد کی طاقتوں کے مجموعہ سے زیادہ ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا
گیا۔ پس یہہ امر بہمہ وجوہ ثابت ہو چکا کہ عورت کی قدرتی قابلتیں
مرد کی قابلیتوں سے کم نہیں ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ کارگاہ عالم کا اصل
اصول اتفاق ہے جب تک جائز اور مناسب اتفاق زیب بخش
عمل نہو کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا جس طرح جسمانی خوشی
کے حصول کے واسطے ایک اتفاق یا وصال کی ضرورت ہوتی
ہے۔ اسی طرح روحانی خوشی کے لئیے بھی ایک خاص پاک میل
درکار ہے۔ بعض بدیہی واقعات کے لحاظ سے یہہ امر پایۂ تیقن
کو پہنچتا ہے کہ انسانوں یعنی زن و مرد کی طاقتیں نیچر نے کچھہ ایسی
بنائی ہیں کہ تاوقتیکہ دونوں اجناس مل کر اتصال صحبت میں ایک
ممزوجی کیفیت نہ پیدا کریں تب تک بنی نوع انسان کی مزاج
اور طبیعت پر کوئی باوزن اثر نہیں ڈال سکتے۔ کوئی کام دنیا
کا جیسا کہ چاہیئے انجام نہیں دیسکتے جن قوموں نے کہ قوانین قدرت

اور انہیں فطرت کو صحیح النظری سے مشاہدہ کیا ہے۔ اُنہوں نے
قطعی نتیجہ نکالا ہے کہ ہر طرح کے سُکھ اور آنند کے لئے ان دونوں
کا اتفاق اور ہمرتبہ ہونا ضروری ہے۔ اور یہہ روحانی ثابت
کیا جائے گا کہ تعلیم بغیر ناممکن ہے

باب (۵)

تعلیم نسواں کی ضرورت اور فوائد

یہ بیشمار وجوہات پر مبنی ہیں جنمیں سے زیادہ
بانتیجہ اور عام فہم مذکورہ ذیل ہیں

ا۔ شرف فطرت انسانی

حیوان ناطق کو حیوان مطلق پر صرف عقل کی وجہ سے شرف اور
ترجیح حاصل ہے اور یہ ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ
انسان صرف عقل کی بدولت بتیس دانتوں میں زبان کی مثال

لاتعداد اور انواع و اقسام کے ذی روحوں کا شکار ہونے سے بچا ہوا
ہے چیونٹیوں اور مچھروں میں اگر عقل ہوتی تو یہہ کہنا درست ہے
کہ حضرت انسان کا روئے زمین پر کہیں پتا بھی نہ ملتا۔ یہہ عقل
یہہ ہمارا اُسجانی نسخہ علم سے چلا یا جاتا ہے جسطرح بغیر عقل کے نسل انسان
قایم نہیں رہسکتی۔ اسیطرح بغیر علم کے عقل انسان صحیح اور کارآمد نہیں
بن سکتی۔ انسان کے لیئے علم اور علم کے واسطے عقل لازم و ملزوم
ہیں۔ کیا ٹھیک کہا گیا کہ "علم ایک طاقت ہے" پھر طاقت
ہر قابلیت کے لیئے لابدی ہے۔ زنانے کھیں میں ہو یا مردانے
میں۔ جب عورتوں نے ایک سے زیادہ مواقع پر جسمی اور عقلی
ہر دو طاقتوں سے استفادہ اور تمتع برداری کی مسلّم مثالیں پیدا کی
ہیں تو ہمیں اُن میں اعلیٰ تعلیم کی ترقی کو اور جرات دینی چاہیئے۔
ہماری رائے میں دنیا کی ترقی کی عدم تکمیل اور قوموں کی عروج
اور زوال کا ایک بڑا باعث اناث کی مساوی منزلت اور علمی لیاقت

کی عدم موجودگی کا واقعہ ہے۔ جب ہم گھروں میں دیکھتے ہیں کہ
عورت مرد دونوں شائستہ اور باعلم ہونے کی صورت میں گھر کی
خوشی اور ترقی روزافزوں ہوتی ہے جبکہ بدمزگی اور زوال کی بنیاد
کسی طرف کی ناواقفیت اور جہالت پر رکھی ہوتی ہے تو کوئی وجہ
نہیں کہ یہی حجت ایک قوم کے عروج در زوال کے سلسلہ بو اخت
سے متعلق اور منطبق نہ ہو۔ نپولین کا یہ قول آب زر سے لکھنے
کے قابل ہے کہ جب وہ تمام یورپ کو تاخت و تاراج کر چکا تھا اور
ساری دنیا میں قطب سے قطب تک اسکی دھاک بیٹھ گئی اور
جنگ جوئی کا تہلکہ پڑ گیا تھا اور جب اسکی سلطنت اس نقطۂ منتہی
سے نیچے کو اترنے کا میلان ظاہر کرنے لگی تھی جو بقول عام جہالت
کے بغیر کسی استعدادی باعث کے ہر کمال عروج کے لئے لابدی
ہے تو اوسوقت اپنے گھر کے طور بے طور دیکھ کر حسرت و یاس
کے لہجے میں اسنے کہا کہ میرا ملک جو اسوقت ڈھال رہا لتیں

ہے اور برباد ہوچلا ہے اسکا باعث محض یہہ ہے کہ میرے ملک
میں شفیق مائیں نہیں رہیں۔
ہم اعادہ کرتے ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت اور فضیلت کا
امتیاز ان تمام جنزوںدوں کے تسلسل اسباب میں بڑا حصّہ لیتا
رہا ہے جو کسی ناقابل یادداشت زمانہ سے اب تک واقع ہوئے
ملکوں اور قوموں کی حیثیت کی اُس آزادی کی نسبت سے جانچ
کیجا سکتی ہے جو اونہنے عورت کے عطائی حقوق ہیں ارزانی
رکھی ہو۔ امریکہ آج دنیا بھر میں اول درجہ کا مالدار اور مرفہ الحال و
ترقی ملک ہے۔ اور وہاں عورتوں کو دنیا بھر سے بڑہکر آزادی
حقوق حاصل ہے۔ وہاں عورت کے سوشل پولٹیکل اور مذہبی
حقوق تقریباً سب ایسے ہی ہیں جیسے مرد کے۔ ایک قوم کی
برتری و ذلالت کے گوناگون باعث ہوئے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے
کہ یہہ محض سوشل مساوات ہی کا پھل ہے مطلب یہہ کہ یہہ بھی

اسمیں سے ایک ہے۔ فرانس میں عورتیں زیادہ عیش دوست
اور نفس پرست ہیں اور اس تعیش کی عادات نے اس قوم کی
جڑوں میں گھن لگا رکھا ہے جو دوسری صورتوں میں سارے
یورپ کی سرتاج اور سردار ہوتی۔ اہل ٹرکی یوروپ میں سب
سے خراب حالت میں ہیں اسکی وجہ ایک یہہ ہے کہ انکی عورتیں
لونڈیاں ہیں یہہ قوم جو عین شائستگی کی ناف میں قرار گیر ہے
جو بہت سی خوبیوں سے مشرف اور سچی شرافت سے ممیز ہے،
اور جسکے پرانے کارنامے دل بڑھانیوالے ہیں بجائے اسکے کہ
آگے کو بڑھتی وہ دن بدن کھنچتی اور پسپا ہوتی جاتی ہے۔ اسکی
وجہ وہی عورتوں کی مبتذل حالت ہے۔ المختصر یہہ کہنا بالکل
درست ہے کہ عورت کی حیثیت ایک قوم کی حیثیت کا انڈکس ہے۔
حاصل کلام عورت کو اعلی التعلیم اور اسکے واجبی حقوق نہ دینا
ہمارے لئے نیم وحشی کا نام وضع کرانیکا باعث ہوا ہے۔ تعلیم

نسواں سوسائیٹی کی ترتیب کا حصہ ہے - اگر اسکی بہتری اور ترقی منظور ہے تو عورتوں کو کھلے دل سے تعلیم دینی فرض سمجھی جائے -

انساں کو علم فایدہ دیتا ہے	آئینہ عقل کو جلا دیتا ہے
دنیا میں جو عشرت ہے تو بھی بہشت ہیں	یہہ دونوں جہاں میں مرتبا دیتا ہے

۳ - خانگی یکجہتی

عورتوں کی تعلیم گھر کو گھر کا پیرایہ یکجہتی - آجکل بہت سے ہندو یا ہندوستانی گھر اجتماع ضدین کا مرقع ہیں - مردوں پر مغربی تعلیم و تہذیب کا اثر اور عورتوں پر دقیانوسی ملیا کھوی توہمات و تعصبات کا عمل - اسصورت میں گھر والونکو کوئی خانگی مسرت اور گھر کا سکھ نہیں میسر آتا - تعلیم میاں بیوی کی سچی موانست اور موافقت کا موجب ہوگی - یہہ بلا بحث تسلیم کیا

جائیگا کہ ایک شائستہ ذی علم اور دوسرا جاہل مطلق بے تربیت کیسے اخلاق اوصاف ہیں۔ واللہ گنگا اور مدار کا ساتھ ہے۔ ایک حد تک اختلاف طبایع غیر ممتنع الوجود ہے لیکن علم کو طاقت ہے کہ مذاق کی اصلاح۔ عادات کی درستی، نفس کا تزکیہ اور سلوک کا انطباق بر روی کار لائے۔ باعلم اور مہذب جوڑا اپنی عادات اور خصائل کے اختلاف کو علم کی آنکھ سے دریافت اور باہمی اتفاق سے ہمرنگ کرسکتا ہے۔ مگر ایک فریق کی جاہلیت کی صورت میں دوسرا اکیلا باہرچہ فضیلت و شائستگی خانگی زندگی میں یکجہتی اور باہمی تعلقات میں یکرنگی کا رنگ جمانے سے قاصر ہے۔

۳۔ استحفاظ حقوق کتخدائی

طرفین تعلیم یافتہ ہوں تو بیاہ کی مذہبی منزلت اور روحانی تعلق سے واقف ہوسکتے ہیں۔ بحالت موجودہ ایک کی طرف سے ذرا سی

بالغرض کہیئے مرد کا راہ وفا و عصمت سے ڈگمگانا عورت کے منہہ سے کسی بازپرس یا اپیل کو راہ نہیں دیتا۔ وہ سمجھتی ہی نہیں کہ آیا وہ ایسے معاملات میں عنانگیری و تہدیدگی مجاز بھی ہے کیسی افسوسناک حالت ہے۔ سیہ بخت ہندوستان کی جہاں ہر فرد نساء اپنے حقوق کی حدود سے لاعلم اور اپنے قدرتی فرائض سے بے خبر ہے۔ ہندوستانی شاید خوش ہو کہ وہ سکتا ہے کہ جتنی چاہے شادیاں کرلے جسقدر چاہے ناجایز تعلقات پیدا کرلے۔ جبکہ سوسائیٹی کا کوئی قانون تعرض نہیں کرسکتا۔ جبکہ اوسکی اول بیاہتا بیوی جس سے آنکھ کھلنے سے پہلے طوطے کی زبان میں اپنے پیمان وفا باندھا تھا اُسکے شانہ پر انگلی رکھ کے ٹھوڑی پکڑ کے اس سے سوال نہیں کرسکتی کہ کن کاموں میں اُس عہد کا نباہ ہوتا ہے؟ ”جیوے میرا بھائی تو گلی گلی بھوجائی“ جس قوم میں ایسی کہاوتیں زبان زد ہوں وہ قوم وہ بدبخت ذلت و

خواری اٹھانے کے واسطے پیدا ہوئی۔ قوم ہم موٹے حروف میں
لکھے دیتے ہیں کہ ایک نہیں ہزار سماجیں اور سوسائٹیاں بھونک
بھونک کر دیوانہ ہو جائیں۔ اس سے زیادہ قومی کانفرنسیں ڈھول
گلے میں ڈال کر پولیٹیکل اور سوشل آزادی کی منادی کرتی پھریں
لیکن وہ قوم جو ایک قدم بھی ترقی کی منزل کی طرف بڑھ سکے۔

اگر عورت خود یہ سمجھتی ہو کہ اُسکی طرح مرد کو بھی حیا۔ پاس وفا
واتقا لازمی ہے تو وہ خاوند کے ذرا سے انحراف پر اس سے دوبدو
ہو کر مدعی اور محتسب بنکر جواب طلب کریگی کہ ایسا کیوں ہوا۔
جس قوم میں یہ قید نہیں وہاں عورت کی عفت اور اُس سے
بڑھکر مرد کی پرہیزگاری جتنی گھٹے حال ہو کم ہے۔ حاصل کلام
عورت کا تعلیم یافتہ ہونا اوسکو اپنے حقوق زوجیت سے باخبر کریگا
اور وہ خلا و ملا میں ہمارے چال وچلن کی پاسبان اور منتظر بانہ
رہے گی ❖

۴- اخراجات میں کمی اور کفایت

عورت کا باعلم ہونا گھر کے سکھ اور آنند کے پیرایہ کو بلند آہنگ کریگا تو ہماری ہتھیلی کو بھی پست آواز بنائیگا۔ خانگی اخراجات عموماً عورتوں ہی کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ اگر وہ خواندہ اور خوش سلیقہ اور وقوف دار ہوں تو کم خرچ و بالا نشین چلن سے کفایت شعاری اور آرام کو ترقی دیسکتی ہیں۔ گھر کے انتظام اور بچوں کی صحت و تعلیم (جنکا ذکر آئیگا) میں جو ہمارا وقت اور روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ گھر ہیں بچیگا۔ اور روز کی فکر و تردد سے چھوٹ ہیں عقب گذاری ہوگی۔

۵- بچوں کی صحت اور رکھ رکھاؤ

نقشہ جات سے ثابت ہے کہ کلکتہ میں نوزائیدہ مسلمان بچونکی

پوری نصف تعداد سال کے اندر اندر فوت ہوجاتی تھی ہندوستانی ماؤں کی محبت اور مامتا یورپین ماؤں کی محبت سے ذرا کم نہیں ہوتی۔ پھر کیا وجہ کہ لنڈن (حالانکہ اسکی آب وہوا اور سبزہ کی حالت کی از حد شکایت کیجاتی ہے) میں ہر آٹھ بچے پیچھے ایک موت کا نمبر ہے۔ اتنی دور کیوں جاؤ شاید لوگ یہہ کہیں کہ فرنگیوں کا آجکل اقبال یاور ہے۔ انگریزوں نے شاید کوئی ایسی کل نکال لی ہو جو آب حیات پیدا کرتی ہو۔ یہیں اسی جزیرہ نما ہند اور اسکی دار الخلافت اسی شہر کلکتہ میں ایک اور محلہ میں نظر ڈالو اور پاؤ گے کہ دیسی عیسائیوں میں ہر پانچ پیچھے ایک موت کا وقوع ہے بس اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مائیں تعلیم یافتہ ہونیکی سبب صحت کے اصول اور بچوں کی حفاظت کے ضابطوں سے واقف ہوتی ہیں۔ جبکہ بمقابلہ انکے ہماری مائیں اُن طریقوں اور زندگی بخش قاعدوں کی واقفیت

کی بجائے بس ٹوٹنے منتر جھاڑ سے - اتار سے - اور گنڈے -
تعویذ ہی جانتی ہیں ۔

یہہ کہنے میں ظرافت نام کو نہیں کہ گورنمنٹ نے اپنے ترحم
خسروانہ سے ایک خاص گروہ میں دختر کُشتی کا رواج تو قانوناً بند کردیا
لیکن ہندوستان بھر میں جو بچہ کُشتی کا عام رواج پھیلا ہوا ہے اوس کا
استیصال اور تدارک کچھہ نہ کیا لیکن یہہ ہمارا اپنا فرض ہے - بشیتر
کہ گورنمنٹ کا ہم ہی اپنے گھروں میں تعلیم کی روشنی پھیلا سکتے ہیں
کیونکہ وہ ہمارے ہی گھر ہیں - اگر ہمیں اپنے لخت جگر عزیز ہیں اگر
ہم اپنی نسل قایم اور قوی رکھنا چاہتے ہیں اور ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں
کہ ترقی اور اصلاح قوم کا بھاری بوجھ اُٹھانے کے لیئے ایک قوی
دل قوی تن اور قوی دماغ نسل چھوڑ جائیں تو ضرور تعلیم نسوال کی
اشاعت و ترویج لازم آتی ہے ۔

ذرا سے غور سے تسلیم کرلیا جائیگا کہ بچوں کی بیماریاں اکثر دو اسباب

کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ (۱) ماں کی خراب صحت جس کے جسم کے حصول سے انکا ہر رگ و ریشہ بنا ہوتا ہے اور جسکا خون بعد پیدائیش بھی عرصہ تک انکی غذا رہتا ہے اور (۲) وہ بے احتیاطیاں اور فرو گذاشتیں جو بے علمی اور جہالت سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہوں تو سمجھیں کہ ذرا سی بدپرہیزی اور اصول صحت سے لاعلمی بڑی سے بڑی بیماری کی منتج ہو سکتی ہے بس اس صورت میں وہ خود تندرست رہکر بچوں کو تندرست رکھیں گی جسکے دو صریح فایدے ہیں۔ اول بچوں کا کم ضایع ہونا اور دوسرے بیمارداری

لے اصول طب کے رو سے خون اور دودھ میں رنگ کا ہی فرق ہے +

لے "Much discomfort, much diminished vitality, much actual disease are caused by ignorance of the simplest facts about our own bodies." Physiology of home — by Mrs Annie Besant

اور علاج کے بڑے اخراجات کی بچت۔

اس موقع پر ہم عقل و دانش کے اوتار ہربرٹ سپنسر کا کلام نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو لکھتا ہے۔

"ذرا غور کی بات ہے۔ کیا یہ ایک اچنبھے میں لانے والا واقعہ نہیں ہے کہ حالانکہ بچوں کے رکھ رکھاؤ پر انکی زندگی یا موت اور انکی اخلاقی سرسبزی یا بربادی منحصر ہے لیکن انکو جو ایک وقت میں ماں یا باپ بنیں گے۔ انکو بچوں کی داشت کی تعلیم کی ایک بات بھی کبھی نہیں بتائی جاتی۔ اگر ایک سوداگر سیاق اور بہی کھاتہ کی واقفیت بغیر تجارت شروع کر دے تو ہم اسے احمق سمجھیں گے اور پر ضرر نتائج کی توقع کریں گے۔ یا اگر اناٹمی (علم تشریح جسم انسان) پڑھنے سے پہلے ایک شخص عملیات جراحی کا کام شروع کر دے تو ہمکو اسکی ڈھٹائی پر تعجب اور اس کے مریضوں پر رحم آئیگا لیکن یہہ کہ والدین طبعی - اخلاقی - اور عقلی

اصولوں کا کچھ خیال نہ کرکے جو اُنکی ہادی ہونے چاہئیے تھی بچوں
کی پرورش کا اہم کام شروع کر دیتے ہیں نہ تو عاملوں کی طرف سے
تعجب اور نہ اونکی قربانیوں (بچوں) کے حق میں رحم کی تحریک کرتا ہے
"اُن ہزاروں میں جو اسطرح مارے جاتے ہیں اُن لاکھوں کو اضافہ
کرو جو کمزور جسم کے ساتھ بچ رہتے ہیں - اور اُن کروڑوں کو جمع
کرو جو ایسی ترکیب جسمانی کے ساتھ بڑھتے ہیں جو ایسی مضبوط
نہیں ہوتی کہ ہونی چاہیئے تھی - اور تمہیں اس عذاب کا کچھ اندازہ
ہوگا جو اولاد پر نازل ہوتا ہے - ماں باپ کی طرف سے جو کہ قوانین
زندگی سے نابلد ہیں" † بچوں کی بقائے حیات اور تزاید
تندرستی کی غرض سے علمی اصولوں کی تعلیم کی ضرورت جو ایک ماں کے
لئے فرض ہے اس سے زیادہ زوردار دلائل میں تعبیر نہیں ہوسکتی ۔

† Education: Intellectual, Moral
+ Physical. By Herbert Spencer
P. 22

٦ - بچوں کی تعلیم و تربیت

رباعی

فرما گئے آپ بعد سو ندن سے سعید | لڑکو نکے پڑھانیکے اٹھائی تمہید
ہم کہتے ہیں بیس سال پیش از تولید | چار اور برس یا پانچ کہیگا کوئی

بیشک یہہ قول معقول تردید کی طاقت اختیار کی حدود سے پرے ہے کہ ایک بچے کی تعلیم اسکی پیدائش سے پہلے ہونی چاہیئے یعنی لڑکی یا عورتوں کو تعلیم کرو جو آئندہ ماں بنیگی۔

یہہ غیر ضروری البحث ہے کہ ہر فرقہ میں بچے پانچ چھ اور نو دس برس کی عمر تک عورتوں ہی میں رہتے ہیں۔ بچہ ظاہر ہے کہ ان کی خوبو خصلت سیرت انکے اخلاق کی پرداز اون کے دل کی اُٹھان اور اُنکے مذاق کی قابلیت عورتوں کی انہی باتوں سے طبق النعل بالنعل ہوگی جنہیں وہ پالے اور پوسے گئے ہیں۔ جبکہ عورتیں بالاتفاق

رائے جاہل اور نادان ہیں اور الصُّحبۃ تاثر۔ آپ کا عین
الیقین ہے۔ نیز یہ ناممکن ہے کہ اُنکی تاثیر سے بچّوں کو الگ
رکھا جائے۔ پھر اِن واقعات کے مواجہہ میں سوائے اس کے کیا
تدارک ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے تاکہ
وہ بچّوں کے دلوں میں عمدہ تعلیم کی تخم ریزی کریں۔

انگلستان میں ابتدائی تعلیم بچّوں کی ماؤں سے ہی ملتی ہے۔ حساب
کے سادہ قاعدے۔ پہاڑے۔ اور گنتی۔ ابتدائی قواعد صرف و نحو
اشیاء کی ماہیت جنرل سائنس کی آسان شاخوں کی مفید اور
سہل الفہم باتیں۔ مثلاً سورج چاند کی گردش اور دوسرے سیاروں
سے تعلقات موسموں کی تبدیلی۔ بجلی بادوباراں۔ طوفان
بھونچال۔ برف اور شبنم کی حقیقت اور بواعث پیدائش اصول
صحت اور ایک بڑی حد تک قوانین اخلاق کی تعلیم نشست و
برخاست کا طریقہ اور سلیقہ۔ مجالس کے داب آداب اور بہت

کچھ مذہبی تعلیم اس سے زیادہ کچھ دستکاری مثلاً ڈرائنگ کی
تعلیم و واقفیت خوش نصیب انگریزی بچے اپنی دایا شفیق ماں
سے ہی حاصل کر لیتے ہیں تاریخ و جغرافیہ جیسے مضامین تو
کہانیوں میں ہی ذہن نشین کرا دئے جاتے ہیں۔ آجکل ہندوستان
میں اعلیٰ تعلیم کی ضرورت سب کی آنکھوں کے سامنے ہی بہت
سے ایسے ہیں جنکو اپنے دفتر کے کام یا پیشہ کے اشغال سے
اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بچوں کی تعلیم پر غور کریں۔ انہیں خبر بھی
نہیں ہوتی کہ آج لڑکے نے سکول میں کیا پڑھا۔ اور کل کیا
یاد کیا تھا۔ جو معاش کی ضرورت سے گھروں سے دور ہیں انکا
تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس صورت میں صرف ماں ہی بصورت
تعلیم یافتہ ہونے کے اس قسم کی نگرانی کر سکتی ہے۔

۱۰۔ عفت کی سپر

ہندوستان میں اکثر شریف عورتیں خصوصاً بیوائیں اپنی از
بس شرم وحیا اور مسکینی کی وجہ سے نفس پرست تحریص کا
شکار ہوتی ہیں۔ دوسری طرف سے بُری ترغیب و تحریص اور
ہر طرح کے خوف اور ادھر سے ناعاقبت اندیشی۔ سادہ دلی
اور مقابلہ و امتناع کی جرات نہ ہونا اکثر اپنی ذات سے نیک
اور غریب عورتوں کو بد اخلاقی کی خندق میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ
تعلیم یافتہ ہوں تو اول تو کسی دُشٹ کو کسی گستاخی کا حوصلہ ہی
نہ ہو۔ ہو بھی تو مقابل سے ایسا جوتا پڑے کہ روسیاہ کا منھ
بگڑ جائے۔ مزید برآں تعلیم اور اخلاق کی تدریس ہماری عورتوں
کی عصمت کے جوہر کو جو پہلے سے قابل تعریف ہے اور جلا دیگی۔
خاص بیوؤں کے متعلق۔ اگر سراپ یا بد دعا کی کچھ حقیقت
ہے اور وہ کچھ اثر رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ دکھیا بندی بیوہ
کے سراپ کا اثر ہے کہ ہندوستان اس تباہ حالت کو پہنچا ہاں

اسی کی دعائے بد کی تاثیر ہے۔ آہ! ہم کیا کہیں کہ اجڑی ہوئی
ہندوستانی بیوہ کس مصیبت سے اپنے دن کاٹتی ہے۔ خوشی
کے تمام رستے آسمان نے اُسپر بند کئے ہوتے ہیں۔ بُلبل کا کوئی
چہچہہ۔ کلیوں کی کوئی چٹک اسکے دل میں چٹکی نہیں لیتی۔ جھومتی گھٹا
کی لٹک چال اسکی روحانیت کو موج میں نہیں لاتی۔ غنچوں کا کھلنا
اسکے دل میں گدگدی نہیں کرتا۔ نسیم سحری کا کوئی جھونکا اس کی
پیشانی کی جھریاں مٹانے اور اسکے دل کی کمہلائی مرجھائی ہوئی کلی
کے شگفتہ کرنے میں کارگر نہیں ہوتا۔ ہر صبح اسکے لئے صبح قیامت
ہر شام قبر کی رات کا حکم رکھتی ہے۔ صبح سے شام تک کیا چاند سے
چاند تک بلکہ سال کے آغاز سے سال کے آغاز تک وہ مظلومہ
ایک سی اکتائی ہوئی شکستہ دلی کی حسرت و حرماں نصیب زندگی
بسر کرتی ہے۔ بقول حضرت اُستاد۔

چاند گیا پر عید نہ آئی	رکھا دیکر چاند دکھائی

دنیا میں خوشی کا دفتر اسکے نام پر سربمہر ہوتا ہے۔ اسکی زندگی گویا
کڑھنے اور جیتے جی جلنے کو ہے۔ اکثر تمام گھر کی خدمتگاری کا بوجھ
اُسکی سنا ڈھلکی ہوئی گردن پر ہوتا ہے۔ اسکی روٹی با اینہمہ سبکو
بار خاطر ہوتی ہے۔ غرضکہ اسکے لئے میکے میں ہو یا سُسرال میں کم و
بیش بے عزتی کی روٹی مقدر ہے۔ وہ جیتے جی مٹی میں ملجانے
کو پیدا ہوئی ہے۔ وہ کیسی ہی نیک نہاد اور عفیفہ کیوں نہ ہو اُسکی
حورانی عصمت ہر منٹ ہر سنگدل کی شیطانی تحریک سے پیدا ہوئی
الزام کا شکار ہونیکو بے روک ہوتی ہے۔ وہ ہر کس و ناکس کی
دست رازی کو کھلی ہوتی ہے۔ ہر تہمت اوسپر آسانی سے عاید
ہوتی ہے اور ہر عیب اوسپر فوراً انتضب جاتا ہے۔ زمین آسمان
پر اُسکا فریادرس کوئی نہیں۔ اُسکا شفیق دستگیر کوئی پیدا ہی
نہیں ہوا اور کیوں ہو۔ معزز سیتا سچ کہہ گئی ہے۔

"استری اپنے پتی بن ایک لاوارث لاش"

درحقیقت ایک بیوہ کے ماں باپ ساس سسرا سے لاوارث سمجھنے
لگتے ہیں۔ کیونکہ اپنے آپ کو اس غریب کا مدعی اور متعرض قرار
دے لیتے ہیں بجائے اسکے کہ غمخوار اور خیرخواہ بنکر رہتے۔ ہم اپنے
درکہ کو قاصر پاتے ہیں یہہ دریافت کرنے میں کہ کن اخلاقی اور منطقی
دلائل پر گورنمنٹ نے ستی کے رواج کو بند کیا۔ بہتر اس سے کہ بیوؤں
کی آئندہ بہتر زندگی کے لئے کوئی قانون وضع کرتی۔ ایسا نہ کرنا
بیرحمی ہے یا بداخلاقی کی تعلیم۔

ہاں۔ ان مظلوموں کی حالت جنکا قدم ہر شادی و خوشی کے
موقعہ پر بدشگون اور نحس شمار ہوتا ہے حتیٰ کہ خاص اپنی ماں اور
بہنوں سے۔ ہاں اس ازل کی نصیبوں جلی بیوہ کی دردناک حالت
کا مرثیہ بحر طویل ہے اور نہ اسوقت یہہ ہمارا مضمون ہے۔ اس لئے
ضرورتاً اسقدر لکھکر اسکی خبر نکالتے ہیں۔ بیوؤں کی زندگی جو ہماری
عورتوں میں ایک بڑی تعداد پر حاوی ہے۔ ایک نہایت بیدلی

اور تکلیف یا بے شغلی میں گذرتی ہے سے سخت مذہبی رسوم اکثر لوں
میں نگہداشت جاتی ہیں لیکن وہ کسی قسم کا سنتوش یا اطمینان دل نہیں
بخشتیں کیونکہ انکے حصول اور حقیقت سے لاعلمی ہوتی ہے تعلیم کی
انہیں سکون خاطر حاصل ہوگا۔ وقت کے بھیانک خالی حصوں
کے بھرنے کا دل پسند شغل بہم پہنچیگا۔ عفت کی دونی ترغیب
اور استحکام ہوگا۔ مذہبی سکون انکے دلوں میں جاگزین ہوگا وہ
اپنا پیٹ آپ ہی پال سکینگی کسی کے آگے ہاتھ لیجانے اور کسی کی
لونڈی بننے کی ضرورت نہ رہیگی۔ ان سب سے بڑھکر وہ اپنے لاوارث
یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت اور چال چلن کی جیسی کہ چاہیے نگرانی اور
خبرگیری رکھ سکینگی۔ انکے بچے جو سرپرست کی عدم موجودگی کی
وجہ سے عام طور پر آوارہ اٹھتے اور "رانڈ کے سانڈ" کہے جاتے
ہیں۔ انکے علمدار ہونے کی صورت میں "رانڈ کے سانڈ" کی
جگہ "گدڑی کے لعل" کہے جائیں گے۔ اور جبکہ وہ قوت لایموت

اپنی عرق ریزی اور محنت سے حاصل کریگی تو وہ اس ناقابل بیان بحکمانہ
تحریص اور بعض اوقات نہایت قریب قرابت داروں کی خواہشات
نفسانی کی قربانی ہونے سے محفوظ رہیگی جسکے ظالم ہاتھ کے نیچے
وہ اکثر و تنگیری اور جھوٹی سرپرستی کے بہانے رکھی جاتی ہیں غرضیکہ
یہہ امر بدیہی ہے کہ اگر عورت کے لئے تعلیم ضروری ہے تو بیوہ
عورت کے لئے بہت ضروری +

۸۔ زیور اور چھچھورے شوق

قومی دولت کا مدار اسکی تقسیم پہ ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں کو زیور
کی از حد محبت ہے۔ اور ہندؤں کو یقیناً دنیا کی ہر مہذب قوم سے
سوا۔ اور عورتوں کا تو گویا یہہ خاصہ ہی ہے کیونکہ سراسر جہالت
کی محکوم ہیں۔ اس میں مذہبی تلقین کا بھی کچھ حصہ ہے۔ چنانچہ
منو لکھتا ہے۔ "عورتوں کی عزت کرنی چاہیئے۔ زیور اور

تہواروں کے موقعہ پر زیور سے پوشاک سے اور کھانے سے"
روپیہ کو زیورات اور دفینوں میں قید رکھنے کی بابت ہیں پچھلی
نصف صدی سے پہلے صدہا سال کی بدعملیوں اور سلطنت گردیوں
کی وجہ   پیش کی جاتی ہیں مگر یہہ عذر لنگ ہے۔ گورنمنٹ انگلشیہ
کی اس آدھی صدی سے زیادہ کی عادلانہ حکومت نے اسکی نصفت
پناہی اور واقعی شہریاری کا سکہ ہر فرد بشر کے دل میں بٹھا دیا
ہے۔ جان و مال کے حفظ اور امن کا بھروسا سب کے یقین میں
نقش کالحجر کردیا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان صورتوں میں یہہ
عذر قابل سماعت ہوسکے۔ دراصل ہماری مذموم سوشل رسوم
اسکی علت غائی ہیں۔ مگر کفایت شعاری کے قوانین کے لحاظ سے
انہی نے اپنے ملک کو تہی دست اور فاقہ کش بنا رکھا ہے حساب
لگایا گیا ہے کہ وہ دولت جو زیورات یا دفینوں اور خزینوں میں
قید ہے دوسو اسی کروڑ ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ درحقیقت اس

تخمینہ سے زیادہ نہ ہو) بحساب عام شرح کے بارہ فیصدی سود لگایا
جاوے تو ۳۲ ۱/۴ کروڑ روپیہ سالانہ بیٹھتا ہے جو ملک کے کل
باج وخراج کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہے۔
اگر یہی روپیہ گورنمنٹ ہند کو قرض دیدیا جاوے تو ایک تو وہ
آٹھ کروڑ روپیہ جو ہمارے خزانہ سے بمد سود لندن کے بنکوں
میں جاتا ہے۔ بچ جائے اور یہاں کا یہیں رہے مگر ہمارے تو سب
کام خلاف عقل ہیں کیونکہ پرانی رسموں کی متابعت میں ہیں۔
المختصر یہ زیور کی بیماری جیسی کل قوم کے لئے جانستان ہے
ایسی ہی ہر خاندان اور گھر کے حق میں ہے۔ ایک سوشل دعوت
میں جائیے کتنے دُبلے اور عین عنفوان شباب کے وقت بہار
میں پیش از وقت زرد اور دُبلے اعضا اپنی ہمرنگ دھات سے
بالکل ڈھکے ہوئے نظر آئیں گے۔ جان سے زیادہ اسکو پیار کیا جاتا
ہے صحت کی ترقی میں ایک پیسہ خرچنا موت۔ مگر زیور کے لئے

جہاں تک حاضر ہندو عورت بقول ایک مدراسی ایڈیٹر کے دو ہی موقعوں پر اطاعت اور فروتنی کو اپنی خصلت میں سے بھول جاتی ہے۔ ایک تو جب اسکے بچے کو اسکا باپ تنبیہ و تہدید کرے کسی قصور پر سزا دے اور دوسرے جب اسکی زیور کی فرمایش پوری نہ کیجائے۔ زیور کی اشتہا ہندو عورت کو اس حد کی ہوتی ہے کہ اسے لچھمی جی کا پکا بھگت کہنا چاہیئے۔ اسکی دو وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) زیور کو خوبصورتی کا غازہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ زیور کبھی باستثناء اپنی اقل مقدار کے حسن صورت میں تل بھر اور سر مو بھی اضافہ نہیں کرتا۔ تو ضرور ہے کہ اسے گھٹاتا ہے۔ کیا اوی صداقت ہے۔

"نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی"

"ذرا دیکھو بھلا لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے"

(۲) زیادہ تر انکا مقصد یہہ ہوتا ہے کہ خاوند کی بے اتفاقی

یا ہو سکتا ہے پر وہ روٹی کی محتاج نہ ہوں لیکن عورتیں پڑھی لکھی
ہونگی تو بہت آسانی سے خاوند کا دل ہاتھ میں رکھ سکیں گی
ہم روز دیکھتے ہیں کہ اکثر حاسد مزاج اور ہنچڑی عورتیں اپنی
بدمزاجی اور پھوہڑپنے سے معمولی اصول اور چال چلن کے آدمی
کو یاوہ آوارہ بنا دیتی ہیں۔ وہ سمجھدار ہونگی تو بڑے وقت
کی پیش بینی میں بہت سی اچھی تدبیریں نکالیں گی۔ اور انکے
مردوں کو بھی انکی دلداری اور آئندہ بہبودی کی تدبیر کرنے میں
پس و پیش نہ ہوگا جب وہ اس قابل ہو جائیں گی کہ بنیک
کے حسابات کی جانچ پڑتال کر سکیں اور اپنی جائداد کا انتظام بخوبی
کر سکیں تو وہ خود اور نیز انکے مرد روپیہ کی اس بدنما شکل کو
ضرور تبدیل کر دیں گے۔ غرضکہ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جاہل اور
ناشائستہ مرد ٹیم ٹام اور بھڑک بھڑک کی پوشاک و زیورات
کو پسند اور استعمال کرتا ہے اور عالم اور شائستہ آدمی نہیں کرتا

اسی طرح عورتیں بھی باعلم اور شائستہ ہو کر زیور پہنانے اور پہننے
سے محترز رہیں گی۔ اور نہ اپنے بچوں کو بھدّے اور بھاری زیور
پہنا کر اُن کی جسمانی بالیدگی میں روک اور اُنکے گلے میں جانستاں
پھانسی ڈالیں گے۔ کتنی بڑی تعداد اُن معصوموں کی حرامخور
نوکروں اور شقی القلب راہگیروں کی حرص کے ہاتھ سے ہلاک
ہوتی ہے۔ اس سے کوئی شخص منحرف نہیں ہو سکتا ہے کہ بچوں
کو زیور پہنانے والے اُن کی جان کے دشمن ہیں۔ اس سب
کو اقرار ہے کہ زیور کے چوری جانے اور کھو جانے کے ہزاروں
موقعے ہیں۔ اس سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا ہے کہ علاوہ
گھڑائی چھپائی میں کندن اور جلا وغیرہ کی لاگت کے اصلی رقم
سے بھی بہت کم زیور سے وصول ہوتی ہے اور یہہ امر بھی
سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہر طرح سے زیورات کی پائمالی ہوتی
ہیں پھر اسکو یقین کرنے میں کسی چون وچرا ہو سکتا ہے کہ عورتیں

علم حاصل کر کے زیور کو ناپسند کرنے لگینگی جس سے روپیہ
دوسرے نفع پیدا کرنے والے کاموں میں استعمال ہو سکے گا۔
چوروں کا خوف اور حفاظت کا سانسا نہیں رہیگا۔ بچوں کی
جان بے خوف ہوگی اور اصلی مہرنامہ میں کوئی کھینچ نہ ہوگی ۔

۹۔ مذہبی روحانیت

اعلیٰ تعلیم عورتوں کے دل بہت سے توہمات اور رسوم لایعنی
سے آزاد اور نور ایمان صادق سے مجلا کر دیگی۔ مشہور ہے عورتیں
مذہبی معاملات میں بڑی پکی ہوتی ہیں۔ یہہ سچ ہے مگر کیا
اچھا ہو کہ وہ اچھے مذہبی معاملات میں سچی اور پکی ہوں۔ ہر چیز
اور اعتقاد کی بات جو مردوں سے ترک اور رد کی گئی۔ عورتوں کی
اسی طرح عقیدت کے ساتھ قبولیت میں ہے وہ ناجائز خیراتیں
اور بیہودہ رسوم میں بہت سا روپیہ خرچ اور بدعتی مسائل

کی پابندی میں جن میں ہر قوں کی فاتحہ کشتی کا بڑا حصہ ہے. ہی
صحت کا سفت خون کرتی ہیں۔ ایک صالح مرد مسلمان کے لئے کیا
یہہ واقعہ چانگنا نہیں ہے کہ اسکے گھر کی عورتیں یا اس کے مذہبی
بھائی کے گھر کی بیبیاں اپنے تمام اولیا انبیا کو خیر باد کرکے سیتلا
کی منت مانیں اور سچا پالیکر ویسی کی سٹھ ہیں چڑھانے جائیں ؟
اور ایک وید و شاستر جاننے والے کو کیا یہہ نظارہ ایسا ہی نہیں
ہے جو اپنی عورت کو کسی طاقچہ پر سہرا لٹکاتے یا کسی قبر پر دو پیالی
چڑھاتے دیکھے ۔ جو لوگ کسی سوسائٹی میں کسی حقیقی اصلاح کی
کوشش میں ہیں انہوں نے ایک وقت میں یہہ معلوم کیا ہے کہ
جب تک عورتوں کے دماغ علم کے نور سے روشن نہ ہوں کوئی
واقعی اصلاح ترقی نہیں کر سکتی ۔ یہہ امر محتاج بحث نہیں کہ ہندو
کا موجودہ مذہب بڑی تبدیلی اور اصلاح کی حاجت رکھتا ہے

† دیکھو اخبار " نیو انڈیا " بابت ۱۲۔ فروری سنہ ۱۸۹۵ء۔

اور اس میں اور روکوں کے علاوہ ہماری عورتوں کی بے موقع
راسخ الاعتقادی ہے۔ اُنکی مذہبیت بیشک قابل تعریف ہے مگر
اونکا مذہب ایسا نہیں۔ ایمان بہت مضبوط ہے۔ مگر دین ایسا
نہیں ہے۔ یہہ بڑا بھاری رستہ یہہ صراط مستقیم جو ہمارے
اور ہمارے خالق حقیقی کے مابین حائل ہے کیسی جلدی اور درستی
چاہتا ہے۔ قوم نے اس کنہ کو پالیا ہے تو اسکا پہلا کام ترویج
واشاعت تعلیم نسواں ہے۔

"کہ بے علم نتواں خدا را شناخت"

۱۰ سوشل اصلاح کی کاربرآری

کتنی بار سنا جاتا ہے کہ "ہم لڑکے کی برات میں کسطرح آرائش
آتشبازی اور طائفہ ارباب نشاط نہ لیجائیں۔ گھر کی عورتیں
جینا وبال کردیں گی"۔ کسقدر تواتر کے ساتھ شکایت ہوتی ہے

کہ "کیسے چودہ برس کی لڑکی کا بیاہ کریں۔ اوسکی ماں اور وادی افیم کھالیں گی" اور کتنی تکرار سے سُننے میں آتا ہے کہ "مقررہ رسوم اور پُرانی مرجادمیں نام کو بھی تبدیلی بہت سے گھروں میں خانگی بے لطفی۔ باہمی شکر رنجی اور جوتیوں والی بٹنے کا باعث ہوگی" گو یہہ منھ کی کھلانے والی ٹھوکریں ہیں۔ زیادہ تر بلند ہمت دلوں سے فریاد کی گئیں لیکن واقعی ہر ترقی کے رستے میں وقت طلب روک ہیں جنکا تدارک بس انکا دفعیہ ہے۔

الغرض کوئی قومی اصلاح کامیابی کی امید سے شروع نہیں کی جاسکتی جب تک ہماری عورتوں کی ہمدردی اور ہمکاری شریک نہ ہو۔ یہہ بھاری بوجھ ایک دو ہاتھوں کے بس کا نہیں یہہ گاڑی دو پہیوں بغیر نہیں چلیگی جس طرح ایک آدمی کا آدھا انگ ہے۔ اسی طرح عورت سو پانچی کا بھی آدھا جسم ہے تعلیم نسوان تمام ترقیوں کے خزائن کی کنجی ہے۔ تعلیم نسوان

سوشل امراض اور سوراجیوں کے لئے حکمی نوشدارو ہے یہہ وہ
لوکوموٹو انجن ہے جو ترقی کی گاڑی کو کھینچکر منزل مقصود پر پہنچائیگا
تعلیم نسوان تتمہ ہے اُن تمام بدعنوانیوں اور بدپرہیزیوں کا
جنہوں نے بہت سے سوشل اور خلاقی امراض مزمنہ سوسائیٹی میں
جاری کر دئیے ہیں جنکا اثر فی الواقع مہلک اور کاری ہے۔ المختصر
کوئی قوم بہتر حالت میں نہیں ہو سکتی اور کوئی حقیقی سوشل اصلاح
بر روی کار نہیں لائی جا سکتی جب تک ایک حصہ جنس کی تعلیم
و تربیت جیسی کہ چاہئیے کامل نہ ہو ÷

باب (۹)

تعلیم نسواں پر اعتراضات

اِس ذیل میں ہم اُن چیدہ چیدہ اور کرنے والوں کے نزدیک لاجواب اعتراضات کو مسلوک کریں گے جو متعصب فریق کی طرف سے ہوتے یا ہو سکتے ہیں۔

۱۔ عورتیں پڑھکر کیا کرینگی؟ نوکریاں کرینگی؟

یہہ اُن اول درجے کے بیہودہ اور جہل اعتراضات میں سے ہے جو اس نعمت عظمیٰ پر اکثر کئے جاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہہ سوال

تو تب ٹھیک ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہماری عورتیں نوکریاں
کرتی ہوں۔ ہندو مسلمانوں کے کم و بیش ہر فرقہ کی کچھ نہ کچھ
عورتیں نوکری پیشہ ہیں۔ سیدانی ہو یا مصرانی۔ کہاری ہو یا
چماری۔ ہر وضیع و شریف حسب الدرجات خدمتیں انجام دیتا ہے
بلکہ خاص خاص فرقے عورتوں کے ایسے ہیں کہ جنہیں نوکری پیشہ
کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ مثلاً دائیاں اور آیہ۔ بورچنیں مامائیں
مغلانیاں۔ کہاریاں۔ مصرانیاں۔ اور دھائیں وغیرہ بصورت
ہیں بے پڑھی ادنےٰ درجے کی خدمتگاری کرتی ہیں پھر لکھی پڑھی
باعزت کی نوکریاں اور پیشے کرینگی تو کیا ہندوستان کی ناک کٹ
جائیگی جب انکے باپ بھائی خاوند اور لڑکے نوکریوں پر
جان دیتے ہیں اور تمام دیگر معزز و زرخیز پیشوں کو چھوڑ کر ایک
نوکری کے پیچھے وارفتہ ہیں تو پھر ان پر یہہ اعتراض کیوں کیا
جاتا ہے۔ وہ اول اول خاص خاص خدمتیں انجام دینگی جن کی

بھر بھی ایک مدت تک آسان اور کھلی رہیگی (اسکا ذکر ایک آیندہ باب میں آئیگا کہ خواندہ عورتیں کیا کریں) قطع نظر از یا لاہم پوچھتے ہیں کہ کیا تحصیل علم کی غرض اور غایت محض روپیہ کمانا ہی ہے ہندو مسلمان اپنے بزرگوں کی سوانح عمری ٹٹولیں تو پائیں گے کہ اچھے آدمیوں نے روپیہ کو علم کی قیمت نہیں ٹھیرایا ہے بلکہ روح کی تسکین اور خدمت مخلوق کو۔ روپیہ کمانا علم کے مقاصد دوئمی میں سے شمار ہوتا تھا نہ کہ اولین میں سے۔

اسطرح فرض نہیں ہے کہ عورتوں کو محض اس غرض سے پڑھایا جائے کہ وہ فارغ التحصیل ہوکر کچھہ نہ کچھہ کما کر ہی لائیں گی لیکن اس ترقی تہذیب معاشرت کے زمانہ میں معاوضہ کا طریقہ ایسا عام اور عالمگیر ہے کہ پیشتر کبھی نہ تھا۔ علاوہ ملازمت یا خاص پیشہ وری کے انکی معمولی پایہ کی لیاقت بھی ضرور کوئی نہ کوئی چیز واپس لائیگی۔ اس ذیل میں اوّل چیز ہوگی۔ گھر کے اخراجات کی

کمی۔ کفائت شعاری کی زندگی ہے۔ دوم روپیہ کی بچت زیورات
کے ترک اور مردوں کی آوارگی کے انسداد سے اور شادی وغیرہ
تقاریب کے بیہودہ اخراجات اور فضول سامان کے خرچ کی موقوفی
سے۔ سوم پابندی قوانین صحت کی بدولت بیماریوں کا ایک
بڑے خرچ کی کمی۔ چہارم بچوں کی تعلیم اور تربیت کے اخراجات
کی تخفیف۔ پنجم۔ اب کی نسبت بہت جلد بچوں کی تکمیل تعلیم ہے
جو انہیں تھوڑے ہی دنوں میں برسر کار کر کے ماں باپ کو
انکے اور انکی جورو بچوں کے خرچ سے سبکدوش اور اونکو انکی مدد کے
قابل بنائیگی۔ مندرجہ بالا منافع جو تعلیم نسواں ضرور اور بلاشائبہ
ریب معاوضہ میں لائے گی اظہر من الشمس ہیں۔ علاوہ ازیں
عورتیں گھر کے باہر بھی بہت سے عزت کے کام کر سکتے ہیں۔ جنکا
ذکر اپنی جگہ آئے گا ؂

۲۔ عورتیں پڑھکر خیرہ وخودسر ہوجائنگی

یہہ ایسا احمقانہ اور بزدلانہ اعتراض ہے جواب سے پچاس برس پہلے
لڑکوں کی تعلیم پہکیا جاتا تھا لیکن تجربہ نے روز روشن میں دکھا دیا
کہ انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی لڑکے ایسے نہیں اُٹھے۔ اگر کہیں
کہیں اسکے خلاف مثالیں ملیں گی تو وہ اول تو گنتی کی ہونگی اور
دوم زیادہ تر سرپرستوں کی بد تربیت کا ثمرہ۔

نزاکت خیال مانع آتی ہے کہ ہم اس معنی کی حدود کی مساحت
کریں جو جاہل معترض خیرگی اور خودسری کے نفس میں تہ پوش
تعبیر کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو مرد کیوں نہیں ایسے
ہوتے۔ یہہ کلمات ہزار زبان رکھتے ہیں۔ الغرض کوئی وجہ نہیں
کہ تعلیم کا وہ اثر جو مرد پر ہوتا ہے عورت پر نہ ہو۔ یہہ واقعہ مصدق
ہے کہ نو تعلیم یافتہ دیسی نوجوانوں نے اپنے چال چلن کو ہر پیرائے

طبقہ سوسائیٹی سے بہتر اور پاک تر ثابت کر دکھایا۔ مگر یہہ
تو تعلق ہی نئی ہے۔ "ایجاد بندہ" سے کبھی بڑھکر یہہ پا سکیا
بہت باموقع ہیں۔

ہے یہ علم جو واقع عیوب مذموم	اور کرتا ہی جہل اور بدی کو معدوم
ہو جائیگا پھر سر نسا ہیں جاکر	کیوں قدرتی تاثیر سے اپنی محروم

دیگر

ہے علم جو خلاق صفات حسنات	اور رہبر راہ راست ہے اسکی ذات
کیا وجہ کہ عورتوں کے حق میں سم ہو	اور مردوں کیواسطے بنے آبحیات

اب ہم صرف بدیہی واقعات اور مستند نقشہ جات سے دکھلاتے
ہیں کہ تعلیم نفس پرستی کی آوارگی اور بدچلنی کا سبب یا معاون ہرگز
نہیں ہوتی۔ ٹراونکور میں ایک فرقہ نایر (Naire) ہے
اسکی عورتیں عام طور پر بدچلن اور سخت ڈھیلے اخلاق کی ہیں۔
ان میں کسی علم اور زبان کی تعلیم نہیں ہوتی۔ پنجاب کی سب

سے بڑی دیسی ریاست اس پر بھی فوق لیگئی ہے۔ اگر کسی بڑے مجمع آبادی کے حق میں کوئی رائے قایم کرلیتے ہوئے کسی خفیف ممکن الوجود مستثنیات کو بھی ملحوظ رکھنا نہیں پڑ سکتا تو کہہ سکتے ہیں کہ اس حصّہ ملک میں زنا اور حرام کا کوئی نام بھی نہیں جانتا کیونکہ عصمت شعاری اور تقوے اور الفاظ مرادف کبھی اپنے اصلی معنے کے ساتھ وہاں سُنے ہی نہیں گئے لیکن تعلیم لاحول ولا ذکور میں بھی بہت ہی بہت ہے۔ تا بہ اوشاں چہ رسد۔ اسکے خلاف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے فرقوں میں تعلیم کا رواج سب سے زیادہ پارسیوں میں ہے۔ بقول سر اے۔ ڈبلیو کرافٹ ڈائرکٹر سرشتہ تعلیم صوبہ بنگال † پارسیوں میں ستّر فیصدی اناث تعلیم پاتی ہیں۔ اُنکی عورات کی نیک چلنی کی بیسیوں شہادتیں ہیں۔ بقول

† Review of Education in India in 1886.

ایک سبھی کے یورپین کے ان میں سے کبھی کوئی کسی نہیں ہوئی کیا اندرونی ضابطہ اور کیا بیرونی رویہ دونوں عیوب سے مبرّا اور سادہ ہیں۔ اسی حوالہ کے مطابق کل احاطہ پنجاب تعلیم نسواں کے اعتبار سے سب صوبوں سے پیچھے ہے یعنی کلہم ۱۰۶/۱۰ فیصدی اناث خانہ تعلیم میں دکھائی دیتی ہیں اور اسی پنجاب کے اکثر حصوں میں عام طور پر جو بدکاری پھیلی ہوئی ہے محتاج بیان نہیں۔ جب امر واقعہ یہہ ہے کہ جن میں تعلیم نسواں بالکل نہیں یا برائے نام ہی ہے۔ اُن میں عورتوں کے اخلاق بہت خراب ہیں۔ اور بمقابلہ اُنکے جنمیں تعلیم نسواں اعلیٰ درجہ کی ہے اونہیں عورتوں کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہیں تو معترض کا یہہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ تعلیم سے عورتیں خیرہ یا آوارہ ہوجائینگی

۳- کاروبار خانگی سے بے پروائی و پہلوتہی

بدیہی واقعات اسکی تردید میں ہیں اور مدعی کی خود غرضانہ طینت کے مظہر ہندوستانی عورتوں کو جہاں کہیں تعلیم دی گئی نتیجہ اسکے برعکس ظہور میں آیا - اس اعتراض کی تردید ذیل کی نسبت بہتر عبارت سے نہیں ہو سکتی جو ایک عملی نتیجے کی تعبیر ہے۔ پچھلے سال سنہ ۱۸۹۲ کلکتہ کے بیتھیون کالج Bethune college کی سالانہ تقسیم انعامات کے موقع پر جسے شمالی ہند کا گرٹن کہنا چاہیئے سر چارلس الیٹ لفٹنٹ گورنر بنگال نے فرمایا ؛-

"میں یقین کرتا ہوں کہ اس تعلیم کے نتائج جو اس اسکول میں دیکھی جاتی ہے اس متعصب پارٹی کے اعتراضات کا کافی و شافی جواب ہونگے جو اس پر جمے ہوئے ہیں کہ تعلیم یافتہ لڑکیاں ناقابل بیویاں اور مائیں نکلتی ہیں ۔"

I trust that the result of the Education imparted in this School will be a sufficient answer to the objections of the orthodox party who insist that educated girls prove

سر چارلس آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ لیڈیاں جو اس سکول سے نکلتی ہیں سوسائٹی میں اچھی حیثیت کے مردوں سے بخوشی وخوش اسلوبی بیاہی جاتی ہیں اور یہہ کہ کمیٹی (کالج کی منتظم کمیٹی) نے انکے متعلق واقفیت حاصل کی ہے کہ وہ اچھی بیویاں ہیں جو نئی اٹھتی ہوئی نسل کو نہایت دانائی اور شفقت سے پالتی ہیں اور ایسے طریقہ میں جو اس تعلیم کی داد دیتا ہے جو انہوں نے یہاں پائی ہے۔"

اوپر کے الفاظ ناممکن التردید اور واجب التسلیم ہیں۔ اس سکول

ہیں ہر مذہب اور ملت کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ مفصل حالات اسی کالج کی رپوٹ ۱۸۹۴ء سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ جب مرد اچھی تعلیم پاکر تعلقات خانگی سے لاپرواہ نہیں ہوتے تو عورتیں بھی نہیں ہو سکتیں ⁂

۴ تعلیم نسواں مرجادیا ہنود رواج قدیم کے خلاف ہے

اس ضمن میں ہم صرف دو امور ظاہر کرینگے۔ شرتی اور سمرتی کی سند اور دوم ناموں کی فہرست جو اس بڑی تعداد میں سے چند ہیں جنکے نام ہندوستان کے آسمان پر چاند سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ وید اور دھرم شاستر کے سوا اور مقامات سے بھی تعلیم نسواں کی اجازت و ترغیب کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

(१) ब्रह्मचर्येण कन्या युवानं विन्दते पतिम्
अथर्व० कां० ११ प्र० २८ अ० ३ मं० १८

(۱) یہہ منتر یجروید کا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں۔ جیسے لڑکے برہمچرج
سے پورن ودیا اور اچھی تعلیم حاصل کرکے جوانی پر خود پسند کرکے
اچھی استری (لڑکی) سے شادی کرتے ہیں اوسی طرحپر کنیا (لڑکی)
بھی برہمچرج کرکے اور ودیا شاستروں کو پڑھکر اچھی طرح ودیا حاصل کرکے اور
اچھی تعلیم پاکر جوانی پر پسند کرکے جوان لڑکے سے جو بدوان ہو شادی کرے

(२) कन्यानां संप्रदानं च कुमाराणां च रक्षणम् ॥ मनु०

(۲) راجہ کو چاہیئے کہ سب لڑکی اور لڑکوں کو کسی خاص عمر سے کسی
خاص عمر تک برہمچرج کراکے ودیا حاصل کرادیں جو کوئی اس قاعدہ
کو نہ مانے تو اوسکے والدین کو سزا ملنی چاہیئے۔ (منوجی مہاراج)

(३) उद्विह्नकरायाशुध न्यानि च हता

नि च।। नित्यं शास्त्राण्यवेक्षेत निगमांश्चैव वैदिकान्।। यथा यथा हि पुरुषः शास्त्रं समधिगच्छति। तथा तथा विजानाति विज्ञानं चास्य रोचते।। मनु ० ०

(۳) جو جلد بدھی وہن اور ہیت کی بڑھانیوالے شاستر اور وید ہیں
اونکو روز سنے اور سناویں۔ جو کہ برھمچرج اسپر پڑھتے ہوں۔ اونکو
استری پرش نت (ہمیشہ) بچارا اور پڑھایا کریں۔ کیونکہ جیسے جیسے
منش شاستروں کو ٹھیک ٹھیک جانتا ہے اور سمجھتا ہے۔ ویسے
ویسے اوس بدیا کا بگیان بڑھتا جاتا ہے اور اس میں ذوق زیادہ
ہوتا جاتا ہے۔ (منوجی مہاراج)

(४) स्त्रियो रत्नान्यथो विद्या धर्मः शौचं सुभाषितं। विविधानि च शिल्पानि समादेयानि सर्वतः।। मनु ० ० ०

(۴) اوتم استری طرح طرح کے رتن بدیاست اور پاکی (صفائی قلب) اچھی تقریر (خوش بیانی) اور طرح طرح کی کاریگری سب ملک اور لوگوں سے حاصل کریں (منوجی مہاراج)۔

اب کس کو شک باقی رہ سکتا ہے کہ تعلیم نسواں رواج قدیم کے خلاف نہیں ہے۔ دوسرا ثبوت بھی بدیہی ہے جو اعتراض کی دھجیاں اڑاتا ہے۔ اور وہ یہ فہرست ہے۔

(۱) اہلیا جی۔ بڑی فاضلہ گوتم رشی کی استری۔

(۲) اتری جی یاگ ولک مشہور واضع قوانین کی بیوی جو علم تصوف یعنی برہم بدیا میں وحید العصر تھیں۔

(۳) سیتا جی۔ انکی فضیلت اور اعلیٰ معیار اخلاق اظہر من الشمس ہیں۔

(۴) دروپدی۔ ہند کی قدیم عورتوں میں سیتا کے بعد انکا مرتبہ ہے یا ان کے مضامین کی اوّل درجہ کی فاضل اور لاثانی ماہر شاستروں کی جاننے والی۔

(۵) گندھاری - دھرتراشٹ کی رانی - انکی علمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے اور بیاس جی سے اکثر شاستراتھ (علمی مناظرے) ہوا کرتے تھے -

(۶) اپنتراجی - وراٹ سندولش کے راجہ کی بیٹی انکے حالات ہندوں کی تہذیب اور شائستگی کا سکہ بٹھاتے ہیں -

(۷) جبوا - اگرچہ قوم کی ہیر تھی مگر شاستروں کی جاننے والی اور باعلم -

(۸) رکمنی - برار کے راجہ کی بیٹی اور سری کشن کی بیوی بہت لائق اور بڑی شاعرہ تھی -

(۹) پریم دیوی - خزاں روائے دہلی کی بیٹی ہندوستان کے شمالی غربی حصہ کے راجہ کی رانی -

(۱۰) بدیاتما - کالیداس مشہور شاعر کی بیوی -

(۱۱) وِدّیا دھری - یہہ معزز عورت بہت پچھلے زمانہ یعنی سنہ ۱۵۰۰ ء

ہوئی ہے اسکی نسبت مؤرخ یہہ لکھتا ہے۔ ”چندر وز میں باپ
تعلیم سے وہ ترقی کی کہ تمام ملک اسپر فخر کرنے لگا۔“

(۱۲) لیلاوتی۔ بھاسکراچارج مشہور ہیئت دان کی بیٹی۔ اسکا زمانہ ۱۱۴۰ء میں معلوم ہوتا ہے۔ اسکی شہرت اور ریاضیات نے اسکے باپ کے نام کو بھی مدہم کردیا۔ چنانچہ اس کی تصانیف اب تک مشہور خلایق ہیں۔ اور اوسکا نام بھی کم جانتے ہیں۔

(۱۳) سنیگتا جی چند والئے قنوج کی بہن اور پرتھی راج کی رانی بڑی عالم اور مدبر تھی اسکی نسبت تاریخ میں لکھا ہے کہ راجہ جو اسکے حسن ظاہری اور باطنی کا ازبس گرویدہ اور وارفتہ تھا جب امور ملک داری کے انصرام کی طرف کم توجہی کرنے لگا اور عیش کی زیادہ رغبت ہوگئی تو اوسوقت رانی سنیگتا نے مدلل تقریر میں راجہ کو قایل کیا اور ادائے غرض منصبی کی جانب توجہ دلائی۔

(۱۴) پدمنی یہہ نام ایسا مشہور ہے کہ کوئی اضافی کلمات نہیں

چاہتا - اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ یسوع مسیح نے دنیا کے گناہ کے لئے اپنی جان دی یا جانے دی لیکن یہہ واقعہ مسلمہ ہے کہ پدمنی نے عورت ذات کی عصمت اور عفّت کے لئے اپنی جان دی۔

میراں بائی - مرگ ننا - تارا بائی - روپ متی - گارگی - ودو اہلیا بائی وغیرہ وغیرہ سب قریب کے گذشتہ زمانہ اور عہد اسلام میں گذری ہیں جو سب پڑھی لکھی اور بعض بڑی عالمہ تھیں - انکی حسن لیاقت اور حسن انتظام کے بیان میں کئی کتابیں حال کی تصنیف سے موجود ہیں جن سے انکی مفصّل سوانح عمریاں معلوم ہو سکتی ہیں۔

شری اور سمرتی کے ان پُرزور حوالوں اور فاضلہ اور خواندہ عورتوں کی اس لمبی فہرست کے سُننے پر بھی جن میں رشیوں منیوں شاستر کاروں - عالموں - شاعروں - مہاراجوں اور اوتاروں کی بیویاں - مائیں اور بیٹیاں شامل ہیں اور جن میں بہت دور اور بہت قریب کے زمانہ کی شکلیں پہچانی پڑتی ہیں۔ ان واضح اور لاچ

[...]توں پر بھی تعلیم نسواں کو خراب اور خلاف رواج بتانا اس کی
[...]یل ہے کہ معترض کا وجود کوئی چیز انسانی خلقت سے کم یا زیاد
رکھا ہے +

۵۔ گذشتہ زمانے کی مسلمان عورتوں کی لباقت

(مسلمان معترضوں کا جواب)

جس قسم کے اعتراض کی تردید یں اوپر آرہی ہیں وہ علاوہ خاص
خاص موقعوں کے ہندو اور مسلمانوں غرضکہ ہر فرقہ اور ملت کی
حالت سے وابستہ ہیں لیکن پچھلی سُرخی اس امر کی ضرورت
جتاتی ہے کہ خصوصیت کے ساتھ یہ سُرخی اختیار کی جائے جسکے
ذیل میں ہم اسوقت لکھ رہے ہیں۔

ہندوؤں کی ترقی۔ ابتدائے تنزّل تسلسل تنزّل اور تنزّل کو
کئی سو صدیاں درکار ہوئیں لیکن اہل اسلام کی ترقی اور عروج

کل کی بات ہے۔ بقول شبلی ؎

"جو ابر ابھی برس گیا ہے"

"اک بوند کو وہ ترس رہا ہے"

افسوس ہے کہ اس بڑی قوم نے اپنے بزرگوں کے کارنامے اتنی جلدی بھلا دئے گویا وہ بھول جانے کے لئے یاد کئے گئے تھے۔ سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں صرف اپنے مضمون کے متعلق عورتوں کی تعلیم کے مسئلہ سے مطلب ہوگا۔ آجکل کے تعلیم یافتہ اور لبرل خیال کے لوگ شائد یہہ خیال کرتے ہوں کہ مسلمانوں میں عورت کی ایسی ہی بے قدری تھی جیسی کہ آج ہے۔ رسول عربی پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے عورت کی روح ہونے سے انکار کیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس روح سے کیسی روح مراد تھی۔ لیکن ہم یہہ تو ضرور کہہ سکتے

؎ "صبح امید" اگرچہ اس مثنوی میں مولوی صاحب نے اپنے حب قومی کے جوش و شور میں کئی خلاف واقعہ امور بھی لکھ دئے ہیں لیکن اس شعر کا مضمون تو سراسر درست ہے

ہیں کہ رسول عربی نے عورت کے حقوق سے کبھی انکار نہیں کیا۔
یہ حکم کہ ایک سے زیادہ نکاح اس شرط سے جائز ہے کہ سب بیویوں
کے یکساں حقوق کا یکساں لحاظ رکھا جائے۔ ہزار زبان سے ہماری
تائید کرتا ہے۔

مشہور مصنف اور اولین اردو ناولسٹ پنڈت رتن ناتھ سرشار
نے اپنی ہیروان کی قلم سے ایک تعلیم نسوان کے لکچر میں حضرت
رابعہ بصری کے مکالمہ میں ان امور کا کچھ ذکر کیا ہے۔[1]
جس کا مطالعہ بے سود نہ ہوگا۔ اس بحث کو ختم کر کے اب ہم اس سوال
کے تاریخی پہلو پر آتے ہیں۔

منشی عبد الحلیم شرر لکھتے ہیں:۔ "اس بات کو ہم کافی
اطمینان کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ شرعی حیثیت سے اور نہ

---

[1] دیکھو فسانۂ آزاد جلد اول۔ تیسرا اڈیشن صفحہ ۲۲۴-۲۲۷
... الحکیم نسبت تعلیم النساء مصنفہ صاحب طبع رسا خاتون بہ لقلحسن آرا زیدالسہ حشمتہ۔

فلسفیانہ حیثیت سے نیز عقلاً اور نیز نقلاً ہمنے ثابت کرلیا کہ تعلیم کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کسی قسم کی تفریق نہیں کیجا سکتی۔ آگے چل کر کمزور دلوں کے خوف کو ہٹاتے ہیں۔ "مگر ہاں ابھی بحث باقی رہگئی ہے کہ ہندوستانی اخلاق کے لحاظ سے ہم عورتوں کے لئے ابھی تک جس آزادی کو ناپسند کرتے ہیں تعلیم اوسکو پیدا کردیگی لیکن یہ صرف ایک غلط فہمی ہے جو بعض تجربات پر بیجے کلیہ قاعدہ باندھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔"

قابل ایڈیٹر آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"مگر ہمارے لیئے اس موقع پر استدلال کا سب سے عمدہ پہلو یہ ہے کہ ہم اسلامی تاریخ سے ثابت کریں کہ قرون اولی میں عورتیں تعلیم یافتہ تھیں یا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگلا زمانہ علماء کے ہر طبقے میں ہمارے سامنے عورتوں کے نام پیش کرتا

۱؎ دلگداز بابت ماہ جنوری سنہ ۱۸۹۲ صفحہ ۱۶۔۱۷۔۲۰

خصوص بلاغت میں تو عورتوں کی لیاقت کبھی کبھی مردوں سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ ،، +

+ منشی صاحب کے اس قول کی ہم ایلیڈ و سمر کے تاریخی فقرے سے صداقت اور علمیت ثابت کرتی ہیں۔ فرانس میں اسی طرح سے عورتیں لیاقت فصاحت اور بلاغت میں مردوں سے بڑھی ہوئی تھیں۔ ان فصیح اور بلیغ لیڈیوں کا ایک گروہ قائم ہوا جنہوں نے طرز بیان اور روزمرہ کی شرمناک بیہودگیوں کو دور کیا۔ نیچے اصل عبارت درج کی جاتی ہے۔

"For depravity & impure language whether spoken or written, they (Precieuses = the ladies in collective form) substituted the refinement of virtue & the delicacy of good taste. To them we owe it that French literature of their age can with few exceptions be read without shame in ours, that whilst poetry & prose almost equally proflig ate in England, they were comparatively pure in France, & ++ French women allowed all liberty that the culture of the mind requires, & rigorously excluded what virtue common decency must never

آگے چل کر عبد اللہ بن سبارک ارشد تلامذۂ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ
کی اور ایک عورت کی نقل کی ہے جس سے بقول اُنکے ورثا بت
ہوتا ہے کہ تعلیم نے اس عورت میں کسقدر لیاقت پیدا کردی تھی
کہ اپنا ہر کام قرآن ہی سے نکال لیا کرتی تھی۔ اور پھر یہہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم نے اوسکے دل پہ کتنا پاک اثر پیدا کیا اور
اُسنے کتنا اعلیٰ درجہ اتقا کا دکھایا جو شاید کبھی مردوں میں بھی نہ
نظر آتا ہوگا۔"

یہہ اخیر کے الفاظ دل سے سننے کے قابل ہیں جو ہر مسلمان کے
دل میں ایک قابل سماعت گونج پیدا کر سکتے ہیں۔ ابتدائی ابواب میں ہمنے
ظاہر کیا ہے کہ قوموں کی ترقی دونو حصوں (زن و مرد) کی ترقی حالت
پر منحصر ہے پس اگر اہل اسلام اپنی کسی قسم کی حقیقی ترقی کے خواہاں
ہیں تو انہیں اپنے نازک حصہ کی حالت کو اُبھارنا چاہئیے +

۶۔ صرف جزوی تعلیم کافی ہے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں

تعلیم نسواں کے مخالفوں یا نیم معاونوں میں ایک مرنجان مرنج دشمن عقل گروہ ایسا بھی ہے جو یہہ کہتا ہے کہ "بھئی پڑھاؤ بیشک مگر زیادہ تعلیم نہ دو۔ جزوی کافی ہے۔" اس ہدایت کا مفہوم ہماری فہم سے بالا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ وہ ادنے تعلیم یعنی ناقص تعلیم ہی ہے جسنے ملک میں خرابیاں ڈالیں ہیں۔ Half educated نیم تعلیم یافتہ لوگوں نے ہی یہہ بیسیوں فرقے اور بے نتیجہ نکال اور پال رکھے ہیں۔ یہ سوسائیٹی کی نئی وبائیں۔ تعلیم نسواں سے مخالفت کرنے والے جو خاص خاص خال خال مثالیں رنگ ویکر پیش کرتے ہیں جنکے مشاہدہ نے بعض کم ہیں اور تنگ نظر سرسری فہم کی آدمیوں کے دل میں ان کو تعلیم نسواں کا لازمی نتیجہ قرار دے رکھا ہے وہ مثالیں واقع میں تعلیم نسواں کی نہیں ہیں بلکہ خام تعلیم یا ناقص

علمیت کا نتیجہ ہیں۔ نامکمل واقفیت ہمیشہ خرابی کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ لارڈ بیکن لکھتا ہے۔

"یہہ سچ ہے کہ تھوڑا فلسفہ انسان کا دل دہریہ پن کی طرف پھیر دیتا ہے لیکن فلسفہ کی عمیق واقفیت آدمی کا دل مذہب کیطرف لاتی ہے۔"‡

عوام الناس کی یہ فاش غلطی ہے کہ جہل محض کو قومی مصیبتوں کا باعث ٹھہراتے ہیں۔ وہ جہل محض نہیں جہل مرکّب یعنی کچّی تعلیم اور ناقص واقفیت ہے جو قوموں پر آفتیں نازل کرتی رہتی ہے اور سخت ترین عیوب کی تخم ریزی کرتی رہی ہے ہم اہل قوم کو جتاتے دیتے ہیں کہ جب تک وہ لامحدود تعلیم کا دروازہ عورت پر کھول دینے کو بالکل تیار نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز اسے اس احاطہ میں نہ لائیں ورنہ ایسی بدنما مثالیں وقوع میں آئیں گی کہ تعلیم نسواں کو ابدالآباد

‡ Bacon's Essays - XVI

تک نفرت کیا گیا اور مذموم بنا دینگی۔ اعلیٰ تعلیم عورت کے لئے بھی
ایسی ہی ضروری ہے جیسی مرد کے واسطے۔

بعض تعلیم یافتہ اشخاص خصوصاً اس صوبۂ پنجاب کی تعلیم و روشنی یافتہ جماعت کے ایک حصے کا شاید یہ خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم چونکہ دل و دماغ کی قوتوں کا بڑا استعمال چاہتی ہے۔ اسلئے عورتوں کے دماغ پر اعلیٰ تعلیم کا اثر ضعف آور ہوگا۔ اور چونکہ عورتوں سے ہی نوع انسان کی پیدائش اور پرورش ہے تو اس میں ضرور جسمانی و دماغی قوا کی ایک معقول تعداد کا فالتو ذخیرہ رہنا چاہیئے۔ لہذا عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دینا گویا نسل انسان کی کمزوری اور فنا کی تمہید ہے ہمنے اس خیال کو بقدر اسکی اہمیت اور نتیجہ خیزی کے بڑے تامل اور غور سے سوچا اور بہ حیثیت تعلیم نسواں کے ایک حامی کے اس رسالہ کو لکھتے ہوئے اپنا فرض سمجھا کہ اس اعتراض کو ہر پہلو سے جانچیں اور وزن کریں۔

اول تو طبّی شہادت سے یہ امر ثبوت کو نہیں پہنچتا کہ اعلیٰ تعلیم یا قوائے ذہنی کا کثرت استعمال تخریب صحت کا باعث ہے۔ ایک معمولی طور پر اچھی انگلیت پر اسکا اثر خراب کرنے والا نہیں پڑتا ہاں بعض صورتوں میں تھکانیوالا ضرور پڑتا ہے جو خفیف آرام سے دور ہو جاتا ہے۔ آجکل طبّی دنیا میں اس اصول کی بڑی اشاعت ہے جسپر اکثر مصنفوں نے اپنے خیالات کی پرواز باندھی ہے اور مثالیں دیکر ان اصول کی تصدیق کی ہے۔ ✱

اس لئے کہ اسباب میں یہ رائے نام بھی شبہ باقی نہ رہے ہم سائنس کے مشہور عالم متبحر اور مستند فاضل ڈاکٹر الفرڈ رسل والس کی رائے کو اقتباس کرتے ہیں جسکی اصلی ذہانت اور صحت تخیل ڈاروِن Darwin کے سوا سب سے اعلیٰ ہے۔ ایک شخص جو ملاقات کرنے گیا تھا پوچھتا ہے:۔

"ڈاکٹر والس۔ میں آپ کی رائے معلوم کیا چاہتا ہوں اس

✱ مثال کیلئے دیکھو۔ "Intellectual Life" by Hamerton.

† دیکھو رسالہ "جرنل آف ہائی جین" مطبوعہ نیویارک امریکہ بابت ماہ ستمبر ۹۴ء صفحہ ۱۳۶

تبادلہ و تبدیلی پر جو ایک سوشل انقلاب کی حد تک پہنچتی ہے اور جو کہ عورتوں کی عام ترقی اور تعلیم میں روبکار ہے - اس کا اثر انسانی ترقی پر کیا ہو گا۔"

اسپر فاضل حکیم نے جواب دیا:-

"میں بلا تامل جواب دیتا ہوں کہ اس کا اثر نسل انسان پر قطعی طور پر فایدہ بخش ہوگا۔"

ملاقاتی نے پھر سوال کیا:-

"کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ مقابلہ (مردوں سے) کی جدوجہد اور جسمانی مشقت جو کہ اعلیٰ تعلیم کا لوازمہ ہے - عورتوں پر مضر اثر کرےگی اور انکی تعداد کی کمی کا باعث ہوگی۔"

ڈاکٹر ولس نے ہنسکر جواب دیا:-

"ہرگز نہیں۔ ہم عورتوں کی زیادتی کو فنا کرنیوالے نہیں ہیں بلکہ مردوں کی زندگی کے محافظ ہیں۔"

ہم ہنس خیال کرسکتے کہ ایسی اطمینان بخش مستند شہادت سننے پربھی کوئی معقول شبہ باقی رہ سکتا ہے۔ اصل اس شک یا اعتراض کی بنا غلط فہمی پر مبنی ہے جسکی تشریح دلچسپ اور محظوظ کرنیوالی ہوگی جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پبلک انسٹرکشن کی نسبت انگلستان میں اور اس سے زیادہ ہندوستان میں عام شکایت اور بجا شکایت ہے کہ موجودہ تعلیم مضر مہمل لاشی اور فضول ہے۔ بہت سی چیزیں غیر ضروری پڑھائی جاتی ہیں اور تقریباً سب چیزیں خراب طریقہ سے پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک چھ سات برس کے لڑکے کو اتنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جنکا بوجھ اٹھانا اس غریب معصوم کے لئے محال ہے۔ پس جو بڑے ایجوکیشنسٹ ہیں انکی یہ رائے قطعی ہے کہ موجودہ طریقہ تعلیم لڑکوں کی صحت جسمانی و اندرونی کے لئے سخت مضر ہے پس اگر لڑکیوں کو بھی اسی سمررشتہ و طریقہ کے ماتحت تعلیم دیجاویگی تو ظاہر ہے کہ انکا کیا حشر ہوگا۔ ایسی

ہی رائے دنیا کے اول درجے کے حکیم ہربرٹ سپنسر نے ایک کتاب
میں ظاہر کی ہے۔ †

پس اس سے لوگوں نے گھبرا کر یہہ سمجھ لیا کہ اعلیٰ تعلیم عورتوں کی
زندگی کی قاطع ہے - یہ ان کی صریح غلط فہمی ہے - یہ کس نے کہا
کہ آپ لڑکیوں کو اس طریقہ کے بموجب تعلیم دیں جو لڑکوں کیلئے
ہے یا نیز جو لڑکیوں کے لئے سرشتہ تعلیم نے نافذ کیا ہے - جب
پرائیویٹ تعلیم گاہوں میں سرشتہ تعلیم کی لکیر کو نہیں پیٹا جاتا تو
پھر لڑکیوں کے لئے اسکی تقلید کیسے ضروری خیال کیجا سکتی ہے جو
زنانہ مدرسے اہل ملک نے خالص اپنی کوششوں اور انتظام
سے کھولے ہیں وہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس خوبی اور خوش اسلوبی
سے چل رہے ہیں - مثال کے لئے ہم اسقدر ہی بات بتا دینا چاہتے
ہیں کہ ہم ایک ایسے مدرسہ ... شہر کا نام پیش کرتے ہیں جسکی بابت آگے بھی کچھ ذکر آئیگا - پس

---

† دیکھو - صفحہ ۵۰۵ جلد اول Principles of Ethics vol I

یہ امر بہ وجود پایہ ثبوت کو پہنچگیا کہ اعلی تعلیم عورتوں کی مخرب صحت ہرگز نہیں ہے۔

تعلیم یورپ کی عورتوں کی خرابیونکا باعث

پچھلے دنوں سنٹ سٹیفنی کالج دہلی میں کسی باہر کے مشنری نے (نام یاد نہیں غالبًا جاپان کے بشپ تھے) جاپان کے مذاہب پر ایک لکچر دیا تھا اور ضمنًا ہندوستان کی عورتوں اور تعلیم نسوان کا بھی ذکر کیا تھا۔ لے

لے۔ یہاں یہہ بتانا بے موقع نہ ہوگا کہ جاپان تعلیم نسواں کے اعتبار سے ہندوستان سے سبقت لیگیا ہے۔ ۱۸۹۶ء میں کل ہندوستان میں ہر معیار کے زنانہ طلباء ۲۱۳۴۲۰ تھیں۔ جبکہ جاپان میں جہاں کی آبادی کل ۴۰ ملین یعنی برٹش انڈیا کی ۱/۷ آبادی سے بھی کم ہے ۲۲۴۰۱۸۰ طالب علم اپنے اسکولوں میں رکھتا تھا جن میں لڑکے لڑکیاں آدھوں آدھ تھے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا +

لکچر کے اختتام پر تھرڈ ایر کلاس کے ایک طالب علم نے اخبارات
کی واقفیت کا مجملاً ذکر کر کے یورپ کی عورتوں کی حالت بہت
ناقص بتائی اور تعلیم پر اوسکا سُراغ ٹھہرایا۔ اس روایت سے
یہہ مطلب ہے کہ اکثر معمولی سمجھ کے اور ناتجربہ کار آدمیوں کے
دماغ پر یہہ غلط منطق حاوی ہے۔ وہ لغویت کے ساتھ استدلال
کرتے ہیں اور جزوی واقعات پر قضیوں کی بنا رکھ کر قاعدہ کلیہ
بنا لیتے ہیں اسپر ذرا شرح و بسط کے ساتھ گفتگو ہونی چاہیئے
سوشیالوجی کے محقق اس امر کو خوب جانتے ہیں کہ ایک چیز
کبھی ایک عام عیب کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اسکے احداث و وقوع
کے لئے ایک تسلسل واقعات مختلفہ کا ہونا لازمی ہے۔ جو اندرونی
و بیرونی باطنیہ و حالیہ اور اتفاقیہ گوناگون حالات سے وابستہ
اور متعلق ہوتے ہیں۔ یہہ اصول موضوعہ میں سے ہے۔ پس
تعلیم مناسب (Co-education [illegible]) عورتوں

یا کسی کی خراب حالت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اس بحث سے مزید
ہم زیادہ سہل الفہم طریقے ہیں دکھاتے ہیں کہ تعلیم یورپین عورتوں
میں خرابیوں کی مولد نہیں ہوئی۔ اول ہم اُن واقعات کا ذکر کرتے
ہیں جو ایک طرح سے ہمارے اہالی وطن کے جسم غفیر کے ایسے
خیالات کا باعث ہوئے۔

بہت ممکن ہے کہ اکثر انگریز رائیٹروں کی حالات ہندسے واقفیت
اس حد سے بہت آگے نہ بڑھی ہو جو لارڈ مکالے نے اپنے
کلائیو سنہ ۱۸۴۰ء کے مضمون میں قرار دی ہے۔ واقعی
ایک قوم ہندوستانی اور قدیمی قوم کے حالاتِ واقعی اور سوشل اسرار
دریافت کرنا جو انواع و اقسام کے بیشمار اصلی و عارضی اسباب
اپنی عمیق تہ کے نیچے رکھتے ہیں ایک بالکل مختلف قومیت اور
ملت والے کو کبھی اپنے مگر اب بالکل غیر اور اجنبی مسافروں اور
سیاحوں پر ظاہر ہے کہ کہاں تک سچی روشنی میں ظاہر ہو سکتے ہیں

انگلشمین کا اول تجربہ جو وہ مغربی ساحل پہ ہوٹل کے بیرا اور ویٹروں
سے حاصل کرتا ہے۔ اسکے ذہن پہ ثبت ہوتا ہے۔ رواجی طور پہ
اصحاب انگلو انڈین اور اکثر سیاحوں کی یہہ عادت ہوتی ہے کہ
وہ سوسائیٹی کی تہ میں غوطہ زن ہو کر اسکے عمق اور حواصل معلوم
کرنیکی تکلیف نہ گوارا کرکے صرف اوپر کے بلبلوں اور ترنگوں ہی
اسکی نسبت اپنی رائے قایم کر لیتے ہیں۔ دستورا وہ چاہتے ہیں یا
یا یہہ کہئیے کہ یہاں آکر اپنا اصول بنا لیتے ہیں کہ جہاں جو چیز نتیجہ ور
ہو خود بخود انکے سامنے آجائے۔ یہہ زوایک مثالوں ہی حاصل شدہ
تجربہ کہہ سکتے ہیں کہ لامحالہ نہایت ناقص اور ضرر رساں ہوتا ہے
نہ صرف محکوم یا حکام اور حکمران قوم کے لئے بھی۔ اسکا ایک نتیجہ
یہہ ہوتا ہے کہ عوام یعنی وہ نیم تعلیم یافتہ گروہ جو ہر جگہ ہر خرابی کو قبول
کرنے والا اور ہر کہیں سیلابی تعداد میں ہوتا ہے اٹھتا ہے۔ اور قوم
کی حمایت تو کی یہہ ترکی جواب دینے میں کنٹرول سمجھتا ہے عام ایکیں

انکی نسبت التہیا لیش کی گئی ہوئی ہیں۔ انکی رایوں سے ہماری
نسبت جو عیب وہ ہم میں اپنی ناواقفیت یا کسی وجہ سے نکالتے
ہیں ہمکو کبھی یہی فکر رہتا ہے کہ کوئی پہلو ایسا انکا نکلے کہ وہی [illegible] انپر
لگائیں وہی نقص ان پر عاید کریں + لیکن ہم مخلصانہ اور محبانہ
نصیحت کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک قوم جو ترقی کرنا چاہتی ہے
کہ ابھی قومیت حاصل کر رہی ہے جسنے تعلیم و تہذیب کے میدان
میں ابھی بہت کچھ تگ و دو کرنی ہے۔ جسنے ترقی اور شائستگی
کے سفر کی ابھی ایک منزل بھی پوری نہیں طے کی ہے۔ ایسی
قوم ظاہر ہے کہ اپنی حکمران اور ادیب قوم کی تحقیر اور اسکے خلاف
خیالات کی پختگی سے کیا خطیر نقصان اٹھانے کے خطرے میں ہے
المختصر انکی رائے ناواجب طور پر ہی ہمارے خلاف کیوں نہ ہوں ہم
ترکی بہ ترکی جواب گھڑنے کے لیے خواہ مخواہ کی نکتہ چینی سے بچنا

+ جیسے سوم شادی وغیرہ کے رسوم [illegible] ہندو [illegible]
کا دودھ [illegible] لئے سیلیپر اور چانول [illegible] کا رواج پیش آیا جاتا ہے ؛

چاہیئے۔ یاد رہے کہ جو دقتیں اور بد اتفاقیاں انھیں پختہ رائے قایم کرنے کی روک ہیں اُن سے زیادہ ہماری سدّ راہ ہیں۔ پس ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ ہر قوم اور خصوصًا اپنی حکمران قوم کی سوشل حالت پر بحث کرتے ہوئے نہایت احتیاط اور اعتدال کو مدنظر رکھیں جاہیلکلام یورپین انڈینوں کی نسبت عوام کی حقارت آمیز رائے ہونیکا ایک باعث تو یہہ ہے جو صراحت سے اوپر مذکور ہوا۔ دوسرا ایک باعث اور قابل غور ہے جسکا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔

عام ہندوستانی جو باستثناء ایک کسر حقیر کے تجارت یا طالب علمی کی غرض سے انگلستان یا یورپ جاتے ہیں وہ ان جرگوں اور طبقوں میں ربط ضبط حاصل کرنے اور خلط ملط ہونے کا شاذ ہی موقع پاتے ہیں جو سوسائیٹی کی ناک اور قوم کے رتھ کی دُھری ہیں۔ اُن کا سایہ بھی انتک نہیں پہونچتا۔ ان میں سے بہت سوں کا تجربہ پبلک ہوسوں کی بار میڈز رسٹورانٹر کی ویٹرسوں۔ کل گھروں

کی ہمدردیوں بازاری عورتوں بھٹیاروں کی شاہدوں ناچ گھروں
کی سطرباؤں اور دیگر بتیذل اور معمولی درجے کے اشخاص اور گرد ہوں
سے فراہم ہوتا ہے جنہیں سوسائٹی میں کوئی جگہ نصیب نہیں ہے
اور جو قوم کا گوارہ ہیں انکہیں سے زیادہ تر صرف اس غرض سے انگلش
سوسائٹی میں ملتے ہیں کہ اسکے معائب و نقائص کا ذخیرہ اکٹھا کریں
تاکہ اینگلو انڈین پریس کی ملفوظات کا منطح جواب ہو سکے لیکن
انھیں جیسی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہندو یورپین اور خصوصاً
انگلش لیڈیوں کی اخلاقی حالت درست نہیں ہے اور اسکا باعث
تعلیم ہے چونکہ ہمارا مضمون اسوقت تعلیم نسواں کے متعلق ہے
اسلئے ہم اس جملہ سے صرف اخیری حصہ کی صداقت پر بات کر کے
ثابت کرینگے کہ اس اخلاقی حالت کے درست نہ ہونے کا باعث
اگر وہ ایسی ہے تعلیم ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایسی حالت کا ہونا
امر واقعہ ہے تو تعلیم کا نہ ہونا اسکا باعث ہوگا۔

قابل انگریزوں کی رائے ہے کہ بعض طبقوں میں بداطواری بڑھتی جاتی ہے۔ ساتھ ہی اُن میں تعلیم مناسب کی کمی اور اوسکے طریقہ کا نقص بتایا جاتا ہے یہ رائے بڑے مشاہدات اور پورے تخیل کے بعد ظاہر کی گئی۔ ہمارا اندازہ انگلش لیڈیوں کی تعلیم کا جانئے کتنا اونچا اور جاتا نہ ہے ہم اپنے ہاں کی جہالت سے اُنکی علمیت کا اندازہ کیا کرتے ہیں۔ الغرض ایک یونائیٹڈ کنگڈم (انگلینڈ۔ اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ) کی نسبت تو ہم تقہ جات مصدقہ اور واقعات مسلمہ کی روشے کہتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم اور طریقہ تعلیم میں نقص عظیم پائے گئے ہیں جنکے دفعیہ کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

اُنیسویں صدی کا اول فلسفی ہربرٹ سپنسر لکھتا ہے:۔

"اور اسی طرح سے ان (عورتوں کی تعلیم میں فضول اور ناشائستہ تربیت کے زور شور کی زیادتی سے ثابت ہے کہ کیونکر نمود کو مفاد اصلی پر ترجیح دی گئی ہے۔ ناچنا۔ وآداب آداب پینو (ایک باجہ)

گانا۔ ڈرائنگ کتنا لمبا زمانہ ان میں صرف ہوتا ہے۔

جب ہمنے پڑھنا لکھنا ہجا کرنا۔ صرف نحو۔ حساب اور سینے کا نام لیدیا تو ہمنے اُن تمام چیزوں کے نام گن لئے جو زندگی میں واقعی استعمال کی غرض سے ایک لڑکی کو سکھائی جاتی ہیں۔ بایں ہمہ ان میں سے بعض کا بجائے سر دست ذاتی بہبودی کے دوسروں کی اچھی رائے سے تعلق ہوتا ہے۔" *

سطور مقتبسہ بالا ایک ثبوت ہے اس امر کا کہ انگریزی عورتوں کی تعلیم بہت ہی کمی پر ہے اور جتنی کچھ کہ ہے زیادہ تر نمایشی اور عارضی ہے۔ اس قسم کی شکایت با خبر مصنف نے کئی جگہ کی ہم ایک اور واقعہ اپنے قول کی صداقت میں پیش کریں گے۔ اور وہ ایک کمیشن کی رپورٹ ہے جو ۱۸۶۸ء میں انگلستان میں

* Education: Intellectual, moral and Physical. By Herbert Sp

س غرض سے بھیجی گئی تھی کہ مدارس نسواں کی خراب حالت کے اسباب
اور نقائص دریافت کرے - اس جماعت کا نام "Schools
Enquiry Commission on the education of girls"
تھا کمیٹی نے ہر درجہ کے زنانہ مدارس کا ملاحظہ کیا اور حسب ضابطہ
رپورٹ شائع ہوئی جسکے ملخص ہم رسالہ کوارٹرلی ریویو سے لیتے ہیں
ہمیں علاوہ اس رپورٹ کے اور بھی کئی رسالوں اور اخباروں
کا لب لباب ہے - †

جاننا چاہیئے کہ انگلستان میں تعلیم دینے کے دو طریقے ہیں، مدارس
یا پرائیویٹ استانیاں - اس پچھلے گروہ کی ناقابلیت اڈیٹر کے صفحے
ہم پر بشرح و بسط واضح کی ہے اول الذکر کی تصویر دکھائیں گے - اس
بارے میں جو کچھ لکھا جائیگا وہ کوارٹرلی ریویو سے لیا ہے - ہاں اور

† Education: Intellectual, Moral & Physical. By Herbert Spencer.

اسکے جو خطوط وحدانی میں ہیں۔

دا،الیان کمیشن لکھتے ہیں) لڑکیاں حساب میں بڑی جستی اور استدائی قواعد کے علمی اصول کے سمجھنے میں کم از کم ایسے ہی ذہن رسا کا اظہار کرتی ہیں جیسا کہ لڑکوں کے سب سے اچھے مدارس میں پایا جاتا ہے۔ انکی علوم تواریخ وجغرافیہ کی لیاقت اکثر بڑی ہوئی (لڑکوں سے) ہوتی ہے جبکہ وہ ذہانت جس سے وہ لغات کے معنی سمجھ لیتی ہیں اور پڑھنے میں انکی عام دلچسپی بلا شک وشبہ اعلےٰ ہے۔

لیکن یہاں پہنچکر باوجود انکی قابلیتوں کی عمدہ نشو ونما کے وہی اندیشہ آتا ہے جو خوشخطی کے ساتھ آیا اور اصلی آئندہ ترقی کی بندش کا نشان پیدا ہوجاتا ہے۔ [۱۵] والدین جیسا کہ دستور ہے

[۱۵] اڈیشن ہذا صفحہ ۱۴ کے سطر ورق میں سیڈ رائٹنگ یعنی خوش نویسی میں لڑکوں اور لڑکیوں کی یکساں ابتدائی ترقی کے ذکر کے بعد لکھا ہے "لیکن بارہ تیرہ برس کی عمر کے درمیان سے رائٹنگ ڈسک کی روح میں ایک عجیب تبدیلی حادث ہوتی ہے۔ عمر کا قریب البلوغ لڑکیوں کے لئے ایسا لکھنا جو آسانی سے پڑھا جاسکے نازیبا سمجھا جاتا ہے۔"

کامل تعلیم کے اُن ابتدائی حصوں کو مقصود اصلی تک پہونچانا بے سود سمجھتے ہیں اور اسوقت سے بارہ یا تیرہ سال کی عمر سے پودہ اگرچہ طاقت ور اور ہونہار تھا کاٹ ڈالا جاتا ہے۔ یا بنظر فرضی زیبائش کے اسکی چند یکطرفہ کونپلیں باقی چھوڑ دیجاتی ہیں (صفحہ ۴۷-۴۸) مضامین کی لمبی فہرست سکولوں کی سکیم او سٹڈیز میں رائج رکھی جاتی ہے لیکن تکاہم جو کچھہ کہ نوجوان لڑکی کو سکھایا جاتا ہے چند فضول اور نمائیشی چیزیں[۴] ہیں اور یہہ بھی رکھہ سکتے ہیں کہ تکمیل کو کبھی نہیں پہونچائی جاتیں۔ (صفحہ ۴۸)۔

اوپر کے اقتباسات کے بعد ثبوت مزید کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ اس باب میں کہ انگلستان میں تعلیم نسوان نہایت خراب ہے دونوں حوالے جو پیش کیئے گئے ہیں روز روشن میں ظاہر کرتے

---

[۴] فضول بازاری تربیت یا چیزیں ہیں۔ کی جگہ استعمال کیا ہے۔ اسکے صحیح ترجمہ کی کوشش کی ناکامی پر ناچار موجودہ فقرہ اختیار کیا گیا اگرچہ فنون علم مجلسی" زیادہ قریب تھا لیکن یہ زیادہ واضح ہے۔

ہیں کہ انگریزی اکثر کیوں کو صرف چند accomplishment کے سوا اور کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں دیجاتی۔ان دونوں رائیوں کی اشاعت کو تقریباً پندرہ برس سے زیادہ عرصہ نہیں گذرتا ہے۔ کیونکہ سپنسر کی ایجوکیشن کا وہ ایڈیشن جس سے ہمنے اقتباس کیا ہے ستمبر ۱۸۶۱ء کی اشاعت ہے اور کوارٹرلی ریویو کا مذکورہ بالا نمبر جولائی ۱۸۶۰ء کی پس اس حساب سے یہہ دونوں تصانیف زیادہ سے زیادہ ۱۶ برس کی عمر کی ہیں۔اس سے یہہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ اوس حالت میں جسکے وہ شاکی ہیں اور موجودہ حالت میں کوئی قابل امتیاز فرق نہیں ہے۔اگر کمیشن کی تجاویز تمام و کمال عمل میں لائی جاویں اور اوسکی سفارش پر فوراً ہی تعمیل ہونے لگے تو بھی طریقۂ ضابطہ کی اصلاح کے لئے دو تین نسلوں کے زمانے کی ضرورت ہے۔کیونکہ اول نسل میں مشکل سے قابل استاد بنیں گے۔دوسری میں قطعی علمی طور پر نئے طریقۂ تعلیم کا اثر بیٹھیگا

پھر اگلی نسل کی اخلاقی، قابلیت کا بل تعلیم کے صحیح طریقہ سے پورا فائدہ اُٹھائیگی۔ حاصل کلام اسوقت انگلستان میں عورتوں کی تعلیم میں بڑے بڑے نقص ہیں اور اسی وجہ سے وہاں کے اکثر طبقات کی اناث کے اخلاق ایسے نہیں ہیں کہ ہونے چاہیئے تھے۔ اور جیسا کہ بیّن طور پر ثابت کیا گیا ہے یہہ کہنا سراسر معقولیت اور صداقت سے خارج ہے کہ تعلیم کیوجہ سے انکی ایسی حالت ہے پس نتیجہ نکالنا کہ مناسب تعلیم کا اثر ہندی عورتوں کے اخلاق پر بُرا ہوگا یا ایسا ہی ہوگا جیسا فرنگنوں پر ہوا سراسر لغو۔ خلاف واقعہ اور بے دلیل ہے ۔

باب (ز)

تعلیم نسواں کی موجودہ حالت

تعلیم نسواں کی کیفیت اطمینان بخش ہونے سے کوسوں دور ہے
اول تو جو کچھ تعداد لکھنا پڑھنا جانتی ہے یا صحیح تر الفاظ میں حروف
شناس ہے اسمیں سے بہت قلیل حصہ شاید مدارس میں گیا ہوا
ہے۔ جو لوگ اپنی لڑکیاں مدارس میں بھیجکر پڑھاتے ہیں وہ بہت ہی
قلیل مدت کے بعد اونکی مکتبی زندگی کو ختم کر دیتے ہیں جسکے ساتھ
ساتھ انکا تعلیمی زمانہ بھی تمام ہو جاتا ہے۔ شادی صغر سنی وغیرہ

رواجی روکیں اسکا باعث ہیں۔ تاہم اس باب میں کچھہ نہ کچھہ ترقی ہوئی ہے جیسا کہ ذیل کے اعداد اور شمار سے واضح ہوتا ہے۔

سال	تعداد زیر تعلیم
۱۸۷۸	۷۸۹۷۸
۱۸۸۰	۱۰۷۱۵۱
۱۸۸۳	۱۶۲۳۷۱
۱۸۸۶	۲۱۳۴۲۸

"ازانجملہ پارسی سب سے آگے ہیں جو اپنی لڑکیوں میں ۷۰ فیصدی کو پڑھاتے ہیں اُنکے بعد یوروپین ہیں جو ۶۰ فیصدی کو تعلیم دیتے ہیں۔ دیسی عیسائی لڑکیاں ۳۵ فیصدی تک پہونچتی ہیں برہمی اور کبھی کم ۱۰ یا ۱۱ فیصدی تک۔ اگرچہ جو کچھہ آخرالذکر قوم کی بابت دریافت ہوتا ہے اُس سے ظنّ غالب ہے کہ برہما میں تعلیم زیادہ وسیع ہے جو کبھی نقشہ جات میں نہیں دکھائی گئی

سکھ صرف ۲ فیصدی دکھاتے ہیں - جبکہ ہندو مسلمان آبادی کا
یکجا مجموعہ تمام مدارس میں ایک فیصدی سے بھی کم اپنی لڑکیاں
بھیجتا ہے - اگر باضابطہ مدارس کا ہی لحاظ رکھا جائے تو یہ نتیجہ
اور بھی گھٹ جائیگا - کیونکہ یہہ نسبت جیسا کہ لڑکوں کی اوسط کے
ساتھہ ہے مسلمان لڑکیونکی اُس بڑی تعداد سے پھیلتی ہے جو پرانے
طریقہ کے دیسی مکاتب میں ہی پارہ پڑھتی ہیں" †

بہرحال اعداد بالا سے پایا جاتا ہے کہ سُست قدمی سے ہی سہی
عورتوں کی تعلیم آگے کو ضرور چل رہی ہے - مگر وہی منحوس اور سوشل
اور رواجی دقتیں قدم قدم پر اپنی بھیانک چٹا پیش کرتی ہیں جنکا
علاج خود تعلیم نسواں ہے - چنانچہ پچھلے سال بتھیون کالج کلکتہ
میں (یعنے کالج کلاسوں میں) کوئی ہندو لیڈی نہیں تھی اسکی

† Croft's Review of Education in India, in 1886, P 283.

وجہ چھوٹ پہنے کا بیاہ بتایا جاتا ہے۔ یہی حالت اور اعلی تعلیمکا حول
ہیں ہے۔ ملک پر وسیع نظر ڈالنے سے تعلیم کے اعلےٰ نمونے بہت
کم نظر آتے ہیں کل ملک میں صرف ایک ایل۔ ایم۔ ایس ہے
جسکا نام مانک تر کھڈ ہے اور جو نا سوری ڈاکٹر اتما را م
پانڈو رنگ کی جواں بخت صاحبزادی ہے اس سے پہلے صرف
ایک ہندوستانی لیڈی ڈاکٹر آنندا بائی جوشی ایم۔ڈی نے
علم طب کی ڈگری حاصل کی تھی جو افسوس کہ اب ہم میں نہیں ہے
ذریعے صرف ایک بیرسٹر ہے اور ایک لیڈی جو ابھی ولایت سے
علمی اور قانونی ڈگری حاصل کرکے آئی ہے جسکا نام مس کمارنیلیہ
پھر اب بچی ہے باقی اللہ اللہ اور خیر صلاح۔ معدودے چند گریجوایٹ
ہیں جو چار انگلیوں کی پوروں کو بھی نہیں بھر سکتیں۔ یہہ شجرہ
تو اعلی التعلیم کا ہے۔ ادنے کا ذکر پہلے آچکا۔ اوسط درجہ میں
امتیاز اور لحاظ کے قابل ابھی کوئی تعداد نہیں ہے۔ چھوٹی

تسلی سے جی خوش کر لینا اَور بات ہے - امر واقعہ تو یہہ ہے

کہ موجودہ زنانی آبادی بہت کم

قابل وقعت تعلیم یافتہ

تعداد پیش کرتی

ہے

باب ح

تعلیم نسواں صوبہ ممالک مغربی و شمالی اور اودھ میں

صوبہ جات متحدہ میں چونکہ آجکل بیدار مغز لوکل گورنمنٹ کی توجہ تعلیم نسواں کی طرف خصوصیت سے مبذول ہے۔ اسلئے اس باب کا وجود نتیجہ ور ہوگا۔ بحسب ضرورت ہم ۱۸۸۵ء سے اس صوبہ میں تعلیم نسواں کو ریویو کرینگے اور دکھلائینگے کہ گورنمنٹ کی کریم النفسی اور رعایا پروری کا کیسا اچھا ثمرہ ہوا۔

جیسا کہ رپورٹ سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی و اودھ بابت ۸۶-۱۸۸۵ء سے مظہر ہے اس سال کل زنانے ابتدائی مدرسے

اس صوبہ میں ۱۷۰۰ تھے جن میں ہر حیثیت کے طلبا کی میزان ۲۷۹۹ تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان مدارس کی وسعت تعداد ایک بڑی حد تک محض خیالی اور مصنوعی تھی اور طلباء کی اصلی تعداد بھی اس سے کم تھی کہ حاضری کے رجسٹروں میں دکھائی گئی - چنانچہ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم شاکی ہیں :-

"میرٹھ ڈویزن کے ۱۸ ایک ابتدائی زنانہ اسکولوں میں سے چار ضلع بلند شہر میں ہیں اور دس ضلع علی گڈھ میں - ان چار کی بابت انسپکٹر رپورٹ کرتا ہے کہ بہت لڑکیاں جنکا نام ہر روز خانہ حاضری میں لکھا جاتا ہے کبھی سکول میں نہیں آتیں اور ان میں سے ایسی بہت سی لڑکیوں کے نام اسوقت بھی درج رجسٹر ہیں جبکہ انہیں وہاں سے اپنی سسرال گئے مہینوں کی بلکہ برسوں ہو چکے" ۹۰

۹۰ رپورٹ سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی و اودھ بابت سنہ ۶۶-۱۸۶۵ صفحہ ۲۴ پیراگراف ۱۲۶

ملاحظہ رپورٹ سے واضح ہوگا کہ اسی نہج پر ہر افسر قریب قریب ہر
ڈویژن کی نسبت شاکی اور مایوس ہے لیکن اودھ کی حالت اسوقت
بھی صوبے کے باقی حصوں سے بدرجہا بہتر اور اطمینان بخش تھی۔
اودھ میں اُس سال ۴۹ مدارس تھے جنمیں سے ۱۱ خاص لکھنؤ میں
تھے اور اُن کی حالت بالخصوص تعریف کے قابل تھی۔ سوائے اس
ایک حصہ کے اور کل صوبہ میں میرٹھ سے لیکر الہ آباد اور جھانسی تک
زنانہ مدارس اور اُنکے طریقۂ انتظام میں یکساں ابتری پھیلی ہوئی تھی
جسکی اصلاح کرتے بن نہیں پڑتی تھی۔
اسی حیثیت کے یعنی ورنیکولر پرائمری زنانہ مدارس تعداد میں ۱۵۸
معہ ۲۵۱۲ طالبات کے ایسے تھے جو سررشتۂ تعلیم یا ڈسٹرکٹ اور میونسپل
بورڈوں کی امداد سے چلتے تھے لیکن ان مدارس کی ترقی نہایت
ہی سُست تھی۔ چنانچہ رپورٹ مظہر ہے کہ طبقہ ادنے کے ہر سو
کے بدلے صرف پانچ طبقہ اعلیٰ میں ہیں۔ اسکے سوا اسی رپورٹ

میں ایک جدول اُن مدارس کے متعلق واقفیت پیش کرتی ہے جو اعلیٰ تعلیم کے لئے اور امدادی ہیں لیکن چونکہ یہہ تمام و کمال یورپئین اور دیسی عیسائیوں سے بھرے ہیں اسلئے انکا تذکرہ اِس جگہہ غیر ضروری ہے۔

اوپر کے مشرح بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی لڑکیوں کی درسگاہیں جتنی کہ تھیں بہت خراب حالت میں تھیں بعض مدارس اُنمیں سے ایسے تھے کہ صرف امداد کا روپیہ اور مکان کا کرایہ وغیرہ حاصل کرنے کے آلے تھے بہُتوں میں اوستانیاں نالایق ہتیں اور طلبا کی تعداد درحصل بہت کم تھی گو رجسٹر میں زیادہ

اب ہم رپورٹ سرشتہ تعلیم بابت سال سنہ ۱۸۹۳-۹۴ء کے ملاحظہ سے پاتے ہیں کہ سال مختتمہ مارچ سنہ ۱۸۹۴ء میں وہ پلبک سکول جو سرشتہ تعلیم کے انتظام میں اور گورنمنٹ یا میونسپلٹیوں کی امداد سے چلتے تھے تعداد میں ۱۲۸ تھے۔ دیگر مدارج ذیل کی

جدول سے معلوم ہونگے جو بغرض مقابلہ اعداد و سنہ ۱۸۸۶ء کے مقابل رکھی گئی ہے۔

لڑکیوں کے لئے ابتدائی مدارس	
سال ختم ۳۱ مارچ	۱۸۸۶
تعداد مدارس	۱۷۰
طلباء علم "	۳۱
" " ۲	۱۸۸
" " ۵	۲۷۱
میزان کل	۳۷۹۶

ابتدائی مدارس سرکاری انتظام میں		
سال		۱۸۹۳
تعداد مدارس		۱۲۸
درج رجسٹر بتاریخ ۳۱ مارچ	اوسط حاضری یومیہ	۱۶۲
	اوسط حاضری	۲۷۱۸
	میزان	۲۸۸۰

بادی النظر میں مدارس اور طلبار کی تعداد کی کمی جو ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۳ء
کے مابین واقع ہوئی یاس بخش ہے لیکن پچھلی رپورٹ کا بغور ملاحظہ
بتایگا کہ گورمنٹ عالیہ اور افسران سررشتہ کی کسی پہلو تہی یا بے پروائی
کا یہہ نتیجہ نہیں ہے چونکہ اول الذکر نے اپنی جایز امداد اور مناسب
ترغیب میں کوئی فروگذاشت نہیں کی تو ثانی الذکر نے اداے فرض
منصبی میں سہل انگاری نہیں کی - اس کمی کا باعث اصلی یہہ ہے
جیسا کہ رپورٹ بابت سال ۱۸۸۵-۸۶ء سے دکھایا گیا ہے - ان
مدارس کی بہت بڑی تعداد برائے نام تھی اور اُسی طرح اُنکے طلبار
کے نام فرضی تھے - اکثر لڑکیاں بیاہی جاکر اپنی سسرال کو رخصت
ہو جایا کرتی تھیں - یا ذرا عمر بڑھ جانے کی وجہ سے پردے کی رسم
سے رُک جاتی تھیں لیکن اُن کا نام برابر داخل رجسٹر رہتا تھا - پچھلے
دنوں اس قسم کی فرضی کارروائیاں حتی الوسع روکی گئیں - اس لئے
دونوں خانوں میں تعداد کی کمی دکھائی دیتی ہے اسوقت جتنے مدارس

اس صوبے میں ہیں۔ انتظام اور استعداد طلاب کے اعتبار سے پچھلوں سے بدرجہا بہتر اور تعریف کے قابل ہیں پچھلی رپورٹ میں ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے جو تجاویز ترقی تعلیم نسواں کی پیش کی تھیں پبلک کو مشکور ہونا چاہیئے کہ فیاض لوکل گورنمنٹ نے اُن سب کو شرف منظوری عطا فرمایا۔ اُن تجاویز میں سے بڑی چار یہ ہیں:۔

(۱) زنانہ مدارس کی امداد کا قانون جیسا کہ مردانہ مدارس کیواسطے ہے۔

(۲) ایک پبلک امتحان مڈل۔

(۳) وظائف۔

(۴) ایک زنانہ انسپکٹرس کا تقرر۔

صاحب ڈائرکٹر مظہر ہیں کہ ان چاروں اُمور کے عملدرآمد میں بہت کوشش کی گئی۔ نیز ایک لیڈی انسپکٹر بر ڈویژن پر مقرر کیگئی ہے جسنے اپنا دورہ بھی شروع کردیا اور افسوس ظاہر کیا ہے کہ اختتام رپورٹ مذکورہ بالا کے وقت تک دورہ ختم نہ ہونے کے سبب اس کے نتائج

اور ملاحظہ کی اشاعت نہ ہونے پائی - بہرحال یہہ امر نہایت
اطمینان بخش اور مشکوری کے قابل ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کی توجہ
خصوصیت کے ساتھ ترقی و اصلاح تعلیم نسوان کی جانب راجع ہے
جسکا مفاد عملدرآمد کیصورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے -

چاروں تجاویز جنکی تفصیل حسب بیان افسر سررشتہ تعلیم معرض تکمیل
میں ہے سراسر فایدہ بخش ہیں لیکن ہم بہت ادب سے عرض
کرتے ہیں کہ انکے ساتھ جب تک کم سے کم ایک مستقل نارمل سکول
قایم نہ ہو ملک کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت جیسی کہ چاہیئے ہرگز ترقی
حاصل نہیں کر سکتی - جب لڑکوں کی تعلیم نے اس قسم کے مدارس سے
معتدبہ فایدہ اٹھایا تو لڑکیوں کو بھی ضرور ان سے مستفیض کرنا چاہیئے
استانیوں یا زنانہ مدرسوں کی ناقابلیت کی کہاں سے شکایت نہیں
آتی - اصل یہہ ہے کہ یہہ امر خصوصیت کے ساتھ اب تک گورنمنٹ
کیخدمتمیں پیش ہی نہیں کیا گیا تھا ورنہ ضرور اسپر مناسب غور ہوتا ٭

(۲) تعلیم نسواں صوبہ پنجاب میں

یہ امر کہ پنجاب میں تعلیم نسواں سب سے پست حالت میں ہے۔ واقعات سے ظاہر ہے۔ چنانچہ سنہ ۶۶-۱۸۶۵ء میں ۱۰۲۹ سکول اور ۱۹۵۶۱ طلبا تھیں اور سنہ ۷۲-۱۸۷۱ء میں یہ تعداد گھٹ کر ۳۱۱ مدارس اور ۹۳۵۲ طلبا رہ گئی لیکن جیسا کہ صوبجات متعدد میں ہوا وہ تعداد طلبا مدارس صرف فرضی تھی اور یہ تعداد اگرچہ شمار میں کم ہے لیکن استعداد میں زیادہ ہے۔ بہت سے فرضی مدارس جو محض حکام سے پروانہ خوشنودی مزاج یا گرانٹ ان ایڈ لینے کی غرض سے کھلے تھے اور جنمیں ایسے طلبا کے نام درج تھے جنہوں نے کئی کئی سال سے سکول کی شکل نہیں دیکھی تھی ایسے مدارس توڑ دئیے گئے اور انکے طلبا کے نام خارج از شمار ہو گئے۔ سوائے اسکے اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ تعلیم نسواں کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ان

خیالات کو عملی پیرایہ بخشتے جاتے ہیں۔
یہ نظارہ حیرات دلانے والا ہے کہ کچھ برس پیشتر جو اعلیٰ طبقہ سوسائیٹی میں تعلیم نسوان سے بے پروائی اور سرد مہری تھی وہ اب رفتہ رفتہ رفع ہوتی جاتی ہے ✝
اس صوبہ میں بدقسمتی سے پبلک کو زنانہ مشن ایجنسی سے نفرت اور کنارہ کشی کرنے کا موقع اور وجوہات ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو معاملہ تعلیم نسوان کی خوش نصیبی تھی۔ پبلک کو یہ یقین دل نشین ہے اور واقعی واجب و مناسب ہے کہ مشنریوں کا مقصد دلی اس ظاہری آڑ میں ہندو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرنا ہے۔
اور میونسپل یا وہ مدارس جو سررشتہ تعلیم کے متعلق ہیں اُن کی بابت بھی پبلک رائے جیسی کہ اچھی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہے

✝ سر چارلس ایچیسن فرماتے ہیں کہ پنجاب اور نیز ممالک متوسط میں رذیل فرقوں کی لڑکیوں کی ترغیب و تعلیم میں کوئی وقت نہیں تھی مشکل تو معزز و شریف خاندان کی لڑکیوں کو سکول میں جانیکی ترغیب دینی ہے (ایجوکیشن ان انڈیا)

لیکن بالآخر یہ تمام واقعات تعلیم نسواں کے حق میں ورد اصل مفید نکلے کیس لئے کہ لوگوں نے خود اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی اور اپنے قومی مدارس قائم کئے جنکے فوائد سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اینگلو ورنیکلر سکول لاہور۔ آریہ سماج سکول فیروزپور اور مشہور کنیا پاٹ شالا جالندھر آج اس صوبہ میں ایک قومی انسٹیٹیوشن شمار کئے جاتے ہیں۔

زیادہ زور ابتدائی اور وسطی تعلیم کی طرف ہونا چاہیئے۔ یہ وہ مدارج ہیں کہ جن میں سے اچھی طرح سے گذر کے اعلیٰ تعلیم کی جا بجا مشکلات چنداں سوہان نہیں ہوتیں۔

گورنمنٹ اگر درحقیقت ہندوستان میں تعلیم نسواں کو ترقی دیا چاہتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ ایسے سکول قائم کرے جن میں استانیاں تعلیم پائیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اگر مناسب زنانہ مدرس بہم پہونچ سکیں تو بہت سے زنانہ سکول

کھلنے کو تیار ہیں۔ زنانہ ٹریننگ سکولوں کے سوال پر
گورنمنٹ کی خاص توجہ ہونی چاہیئے ؞

باب (ط)

ترقی تعلیم نسواں کی چند تدبیریں

تعلیم نسواں کی مخالفت ملک میں اگرچہ مخصوص اور محدود ہے
بااین ہمہ اسکی رفتار سست ہے۔ اوسکے مخالفین میں سے
بعض اپنے نزدیک رواج کی پابندی کے خیال سے اور اکثر
اپنے ذاتی کمزوری کے خوف سے اُسکے خلاف ہاتھ اُٹھاتی ہیں
پھر جو اس امر میں سُست رَو ترقی ہے اسکا باعث معاونین
کی جانب سے کم سرگرمی اور عدم استقلال کے سوا اور کچھ نہیں
ہوسکتا۔ ان دونوں عیوب کو دور کرکے ذیل کی تدابیر عمل میں

لائی جائیں تو ویسی پبلک کی بہت کچھ بہبودی متصور ہے۔

اول جو لوگ مرفہ الحال اور صاحب ثروت ہیں انکو لازم ہے کہ ایک لایق استاد یا مناسب استانی بہم پہونچائیں جو انکی لڑکیونکو تعلیم دے اور حسب ضرورت لڑکونکو بھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پورانے فیشن کے رؤسا عوام کے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں کا میل جول اور نیز ہم سبق ہونا اپنی آئین شرافت اور ریاست کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس پھیر میں اونکی اولاد جاہل اور کودن رہجاتی ہے۔

دوم۔ کامیابی کا بہترین ذریعہ زنانہ مدارس ہیں۔ جب کم از کم ایک خاص عمر تک ہماری لڑکیاں عام طور پر باہر نکلتی ہیں تو کوئی پردے کی رسم ایک خاص معقول حد تک انکے زنانہ مدارس میں جانے کو معیوب اور مذموم نہیں ٹھہرا سکتی۔

سوم دوسرے درجہ پر انکے لئے جو گھر پر مدرس رکھ سکتے ہیں نہ مدارس میں ہی بھیجنا پسند کرتے ہیں۔ مشنری لیڈیوں کی

امداد بھی۔ لیکن ملک کے ہر حصے میں مشنری لیڈیوں سے خدمت لینے اور زنانہ مشن سکولوں میں ہندوستانی لڑکیوں کے بھیجنے کے اکثر ایسے خراب نتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں کہ ہمیں جرأت نہیں ہوتی کہ پبلک کو ان کی طرف متوجہ کریں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مشنریوں کے ہر کام میں مذہبی غرض تین چوتھائی حصہ ہوتی ہے۔ اس سے ان پر کوئی الزام نہیں آسکتا بلکہ ان ہندو و مسلمانوں پر بیوقوفی کا الزام ہے جو اپنی لڑکیوں کو انکی تعلیم و تربیت میں دیکر عمر بھر پچھتانیکا سامان کرتے ہیں۔

چہارم۔ جو اشخاص ایسے کنسرویٹو ہوں کہ نہ مدارس میں بھیجنا گوارا کرتے ہوں اور نہ مشنری لیڈیوں کا گھر میں گھسنا انکو ہم اسکے سوا اور کیا صلاح دے سکتے ہیں کہ چند ہمخیال اکٹھا ہو کر اپنی ہم مذہب معلمہ پیدا کریں اور اس طرح سے اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیں۔

پنجم۔ یہ سامان مہیا کرنیکی بھی قابلیت نہو تو پھر پڑھے لکھے اشخاص

اسکے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ اپنی بیوی اور لڑکیوں بہنوں کو خود پڑہائیں اور اگر وہ اس کام کو فرائض لازمی میں سے سمجھیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے اشغال کی مصروفیت کی کثرت کی باوجود کافی فرصت نہ نکال سکیں۔ انسان جسقدر زیادہ التزام اور انضباط کے ساتھ اپنا وقت صرف کرتا ہے اسیقدر قدرت اور اختیار کے ساتھ وقت فرصت نکال سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسکی ضرورت کی محسوسیت اسکے دماغ کو ہو۔

ششم۔ جبکہ ہماری دریادل گورنمنٹ نے زنانہ مدارس کے لئے بھی سرکاری امداد اور عطیات کا قانون نافذ کر دیا ہے محب قوم اصحاب کو موقع ہے کہ اپنی سوسائٹی کے حسب دلخواہ انتظام اور اعلیٰ ترین اہتمام کے ساتھ زنانہ مدارس کھولیں اور اُن کو ترقی دیں +

باب (ی)

پڑھی لکھی عورتوں کے کام

ہم اس باب میں اس وعدے کو پورا کرینگے جو اوپر کر آئی ہیں
شاید کوئی ظریف طبع معترض یہ اعتراض رسید کریں کہ عورتوں
کے فرائض یا کام چہ معنی وارد۔ میاں جب مساوات کُلّی کا اثبات
واقرار ہے تو یہ تخصیص یعنی چہ۔ ہاں ہم اس سے پھرتے نہیں یہ
بالکل درست ہے کہ ذکور واناث کے فرائض میں کوئی اصولی فرق
Miss. Headreck
ہرگز نہیں ہے جیسا کہ مس ہڈرک
فرماتی ہیں :-

"عورتوں کے کام کا میدان بھی قریب قریب ایسا ہی وسیع اور
زرخیز ہے جیسا کہ مردوں کے لئے۔ پھول عورتوں کے واسطے بھی
ایسے ہی کھلیں گے جیسے کہ مردوں کے واسطے۔ اور اس سے کیا مستحسن
تر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ (عورت) کام میں رہے"*
فن نقاشی کی ایک کامل اُستاد لیڈی نے دیکھا کہ کثرت کار
کی وجہ سے اسکی صحت درماندہ ہوتی جاتی ہے تو اُسنے نقاشی
چھوڑدی اور سیاق کا کام کرنے لگی۔ آج وہ امریکہ کے بہترین
کارخانجات کل سازی میں سے ایک کی ہڈگماشتہ ہے"
لیکن بحالات موجودہ ہر کام میں عورت مرد کی ہمسری نہیں کر سکتی
کیونکہ ان حضرات کے پاس صدیوں کا علم اور تجربہ ہے اور اس غریب
کو الف بے سے شروع کرنا ہے۔ اس صورت میں ایک معقول

---

* The Evangelical Review Calcutta for Oct 1889 P. 228.

مدت تک بیشک عورتوں کے کام مردوں کے کام سے امتیاز پذیر رہیں گے۔

سب سے اول کام تعلیم یافتہ عورتوں کا اپنی بہنوں کو تعلیم دینا بہتر خیرات ہے اگر سب سے اچھا صدقہ ہے تو علم کی خیرات سب سے اچھی خیرات ہے۔ حسب ضرورت معاوضہ کے ساتھ لیکن عموماً آزادانہ تعلیم نسواں میں کوشش کرنا ایک تعلیم یافتہ عورت کا سب سے بڑا فرض ہے اسکے بعد ایک خاص تعلیم یافتہ تعداد کو اپنی بہنوں کی صحت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ جیسی کمزور اور خراب صحت ہند کی عورتوں کی ہے۔ ایسی کسی ملک کی عورتوں کی نہیں ہے۔ لیڈی ڈفرن فنڈ کی پیدائش کا سبب بہت سے ناظرین کو معلوم ہوگا جو یہ ہے کہ ایک ہندوانی ایک مرض میں مبتلا تھی یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا مگر کوئی فائدہ کی صورت نہ پیدا ہوئی کیونکہ مرد ڈاکٹر

امتحان و علاج اچھی طرح کر نہیں سکتے تھے اور تعلیم یافتہ زنانہ ڈاکٹر مہیا نہ ہو سکتی تھی اتفاقاً ایک لیڈی ڈاکٹر کا وہاں جانا ہوا اور رانی صاحبہ جیا کے سنکھ سے واپس لائی گئیں۔ مگر رانی حکمرانی کے فرائض کو سمجھتی تھی۔ چنانچہ اسنے اپنی ریاست میں ایک زنانہ ہسپتال کھولا اور جب والیسرائے دورے پر گئے تو لئی لاکھ روپیہ چندہ دیکر لیڈی ڈفرن صاحبہ سے درخواست کی کہ وہ اس نعمت عظمےٰ کو تمام ملک پر پھیلائیں۔ چنانچہ لیڈی ڈفرن مڈیکل فنڈ قایم ہوا۔ غرضکہ ویسی لیڈی ڈاکٹروں اور تعلیم یافتہ دائیوں کی ملک میں اشد ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں فرقہ نرس کے قایم کرنے کی بھی ملک میں بڑی ضرورت ہے جو پیشہ بہت سی تعلیم یافتہ عورتوں کے لیے بہت مناسب ہوگا۔

فوٹوگرافی۔ نقاشی اور علم موسیقی کی تعلیم عورتوں کے مذاق کو بہت پاکیزہ اور بے عیب بنائیگی جو زیادہ تعلیم یافتہ اور عمر رسیدہ

ہونگی وہ گورنس (اتالیقی) اور سکول کی مدرسی کا کام کر سکیں گی
اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لائق دیسی گورنس نہ ملنے کی وجہ سے یورپین
یا یوریشین گورنسوں کو رکھا جاتا ہے۔

بہت سے پیشے ایسے ہیں جنہیں ہندوستان میں جانتے بھی
نہیں۔ مثلاً فوٹوگرافی (مختصر نویسی)، یا انڈکس سازی وغیرہ اخیر کا
پیشہ امریکہ میں تمام و کمال عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک قانونی
رپورٹ سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ فلسفہ اور سائنس کی کتاب کی
انڈکس وہاں کی عورتوں کے بنائے ہوتے ہیں۔

مطبع کی کمپوزیٹری۔ کاپی نویسی۔ مترجمی۔ اخبار نویسی۔ اتالیقی
امیرزادیوں کی مصاحبت۔ دایہ گری۔ ڈاکٹری۔ مدرسی
درزی گری۔ مصوری۔ نقاشی۔ گھڑی سازی۔ اور اپنے
دھرم کا پرچار یہ ان بہت سے کاموں میں سے چند ہیں جو
تعلیم یافتہ عورتوں کی اول کھیپ سردست کر سکتی ہے۔

یقیناً دستکاری کے بہت سے کاموں میں عورتیں مردوں
کو پیچھے ہٹا دیں گی۔ اسوقت مرد ملازمت اور پشتینی پیشوں کے
قیدخانہ سے نکل کر زیادہ وسیع اس لئے زیادہ مفید اشغال اپنے
لئے ڈھونڈھینگے اور عورتوں کے لئے میدان چھوڑتے جائیں گے
غرضکہ یہ امر خارج از بحث ہے کہ عورتوں کے لئے کام کا میدان
بہت وسیع اور بہت امید بخش ہے جوں جوں آہستہ اُنکا قدم
بڑھتا جائیگا اتنی ہی اُنکی وسعت وافادیت بھی بڑھتی جائیگی ؂

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱	۳	سمجھی جائے	سمجھنی چاہیے
"	۵	بھی بہشت ہیں	عقبے میں بہشت
۶۲	۴	تزکیہ	تزکیہ
۶۴	۱۲	چال وچلن	چال چلن
۶۶	۱۲	تزوریج	ترویج
۶۹	۵	اچھبے	اچمبھے
۷۰	۱	چاہتے تھے	چاہیئے تھے
۷۲	۶	بچوں کی	بچوں کو
۸۴	۱۰	ہیں نے	میں نے
۸۶	۵	جلدی اور درستی	جلدی درستی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۸	۳	سے۔گھرونیں	سے گھرونیں
۹۱	۴	انجام دیتا ہے	انجام دیتی ہے
۹۳	۱۱	کرسکتے ہیں	کرسکتی ہیں
۱۱۰	۱	حیثیبث	حیثیت
۱۱۳	۶	ڈالیں ہیں	ڈالی ہیں
۱۱۴	۷	اور	یا
۱۱۸	۷	پڑھ لی	پڑھائی
۱۱۹	۱۱	استری پاٹ شالا	کنیا پاٹ شالا
۱۲۱	۹	احداث وقوع	احداث یا وقوع
〃	۱۰	اندزنی	اندرونی
۱۲۴	۱۴	وینے	ویلنے
۱۲۷	۴	کوارڑا	کوڑا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٢٩	١٠	بات	بحث
١٣١	٥	ابجر	
"	٧	رکھہ	یکھہ
"	١٢	بھینٹے	بھینٹ [illegible]
١٣٢	٣	شاعت	اشاعت

بھارت سیوک

معہ محصول ڈاک ۲ روپیہ

قیمت سالانہ پیشگی ۱ روپیہ

جالندھر شہر کا مشہور و قابل قدر ہند کا روزنہ رسالہ

اسکی ہر دلعزیزی کا پتہ اس بات سے لگ سکتا ہی کہ تھوڑی عرصہ میں ہی

ممالک مغربی و شمالی - ممالک متوسط - راجپوتانہ - بیکانیر - بندیلکھنڈ - بمبئی

مدراس - ملک بہار - بھوپال - اوڑیسہ - بلوچستان حیدرآباد سندھ

حیدرآباد دکن - برہما اور پنجاب کے چھوٹے بڑے شہروں و قصبات میں

ہر ملت اور ہر درجہ کے لوگ بڑے شوق سے اسکے خریدار بنگئے رسالہ کی پیشگی قیمت

ادا کرنیوالونکو ایک ناول دلچسپ اخلاقی نصیحت آمیز مفت دیا جاتا ہی کوشش

کیجاتی ہی کہ بھارت سیوک اردو زبانمیں تمام ہفتوں سے اول درجہ کا جرنل بنایا جاوے ہر

قسم کی خط و کتابت جالندھر شہر میں جی - ایم - فرانسیس سے ہوے

جس کتاب پر مصنف کی انگریزی مہر نہ ہو۔ وہ مال مسروقہ ہے

گلدستۂ تہذیب

از

لالہ شنکرداس ہیڈ ماسٹر ایم-بی سکول رام نگر ضلع گوجرانوالہ

برائے

افادۂ طالبات و شائقین ہر قوم و ملت ذکور و اناث اہل ہند

اپریل ۱۸۹۹ء میں باجازت مصنف

لالہ ہیرا لال تاجر کتب ہوشیارپور نے

موتی پریس ہوشیارپور میں چھپایا

نوٹ۔ سررشتۂ تعلیم پنجاب کے حکم سے پہلے یہ کتاب لڑکوں کی جماعت پنجم پرائمری کی تعلیم میں داخل تھی۔ اور لڑکیوں کے حصہ مڈل کی تعلیم میں اب تک داخل ہے

دفعہ ۳ تعداد طبع ۱۲۰۰ قیمت فی جلد ۸ر

اطلاع

کتاب ہذا مصنف یا ہیرا لال تاجر کتب ہوشیارپور
سے ملیگی

المترجم انگریزی - رہنمائے ترجمہ انگریزی - میونسپل ایکٹ مشرح
۶/ ۷/ ۸/
موتی حساب حصہ سوم برائے سوم لوئر - رہنماے ترجمہ فارسی
۰۳/ ۳/
چھپ گئے ہیں اور موتی مالا (اُردو خط وکتابت) نزمیم ہو کر
چھپ رہی ہے ۞
۳/

ہیرا لال تاجر کتب ہوشیار پور

1574

گذارش

میں نے جنوری ۱۸۸۳ء میں یہ جواب مضمون کا رسالہ (گلدستۂ تہذیب) اپنے خیالات کے مطابق تصنیف کیا۔ اس کا مدعا طلباء کے معلومات کی ترقی۔ معاشرت کی بہبودی اخلاقی تعلیم کی اشاعت۔ رسومات قبیحہ کا انسداد۔ اور نوجوانوں کو نا واجب توہمات سے نکالنے کا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے مقاصد میں پورا کامیاب ثابت ہوا۔ ملک نے اس کی وہ قدر کی۔ جس کی نظیر انڈیا میں بمشکل مل سکیگی۔ اس کا مطالعہ عورت مرد۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ آریہ۔ سناتن دھرم اور برہمو بلکہ زمانہ پرستوں کے لئے بھی سودمند نکلا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی مانگ ملک کے ہر ایک گوشہ سے شروع ہو گئی۔ آخر سرجیمز لائیل صاحب بہادر بالقابہ کی گورنمنٹ نے از راہ قدردانی پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کی توجہ کو اس طرف معطوف کیا۔ جس نے پہلے اس کی زبان کسی دہلوی سکالرسے درست کرانے کی فہمایش کی۔ (جس کی تعمیل پر کسی قدر خرچ برداشت کرنا پڑا) اور پھر یہ ارشاد کیا۔ کہ قیمت بجاے ۸ر کے ۵ر کی جائے۔ اس حکم نے مجھے ششش و پنج میں ڈال دیا۔ کیونکہ علاوہ دیگر اخراجات کے ۴ر فی جلد تو پریس والے ہی مجھ سے لے لیا کرتے تھے۔ تاجروں کو کمیشن جدا دینی پڑتی تھی بامر مجبوری اپنا پریس جاری کرنا پڑا۔ کچھ فائدہ تو معتدبہ نہ ہوا۔ مگر یہ کتاب اس میں چھپنی شروع ہو گئی۔ اور قیمت مقرر کردہ کمیٹی قبول کر لی۔ تب یہ کتاب تا تیاری

ڈپارٹمنٹل ریڈر لڑکوں کی پرائمری کی پانچویں جماعت اور لڑکیوں کے حصہ مڈل کی پڑھائی میں داخل کی گئی +

صرف ایک ہی سال اسے یہ افتخار حاصل رہا۔ کہ ڈپارٹمنٹل ریڈر کے لئے اسے جگہ خالی کرنی پڑی۔ زاں بعد اس کی اصلی بکری بھی جاتی رہی۔ سات برس کی خاموشی کے بعد اب پھر اس کی مانگ شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ عام رائے خود بخود اس کے حق میں ہو گئی ہے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے۔ کہ پھر مجھے اس کی اصل قیمت رکھنی پڑی۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر یہ پھر ہزاروں کی تعداد میں متواتر چھپنے لگیگی۔ تو میں ضرور اس کی قیمت کم کر دونگا

بعض مستند فاضلوں کی رائیں اس کتاب کی نسبت جو آٹھویں اڈیشن کے بعد چھوڑ دی گئی تھیں۔ اب بجائے آخر کے شروع میں لگا دی ہیں۔ اس کی خوبیوں کی نسبت اس سے اعلےٰ شہادتیں اور کیا ہو سکتی ہیں۔ بارھویں ایڈیشن پر جو رائیں ۱۸۹۸ء میں ظاہر ہوئیں۔ اُن کا خلاصہ بھی اخیر میں ایزاد کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی عرض کرنا مناسب ہے۔ کہ اس اڈیشن سے پہلے اس کی ۳۲½ ہزار جلدیں تقریباً شایع ہو چکی ہیں۔ اور پانچ ہزار روپیہ سے زیادہ منافع اس کی بدولت مجھے حاصل ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے بعد میں نے گلدستہ زراعت اور گلدستہ اخلاق اور کھیتی کی پہلی اور دوسری ریڈریں وغیرہ لکھی ہیں۔ مگر گلدستہ تہذیب سی عام پسندی کسی اور کو حاصل نہ ہوئی۔ گو عام رائیں اُن کی نسبت بھی بُری نہیں +

میں نے گلدستہ تہذیب کا ہندی بھاشا میں ترجمہ کرایا۔اور نیت پشپاولی نام رکھا۔جس کا دوسرا اڈیشن لالہ رام چند مانکٹھلہ کتب فروش انارکلی لاہور نے میری اجازت سے نکالا ہے +

شنکرداس

۱۵- فروری ۱۸۹۹ء

ریویو

۱-شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔سرکاری طور پر رپورٹ کرتے ہیں۔کہ اس کتاب کے مصنف نے بہت بڑا ملکی کام کیا ہے۔اگرچہ وہ اہل زبان نہیں۔تاہم اس نے بڑی ہمت کی ہے۔ مڈل سکولوں میں جواب مضمون کی اب تک کوئی کتاب نہ تھی۔اور امتحان لیا جاتا تھا۔اکثر مدرس ایسے ہیں کہ وہ آپ اس قسم کا مادہ نہیں رکھتے۔اب یہ کتاب مدرسوں کو بھی رہبری کا کام دے گی۔اور طالب علموں کو بھی اس سے بڑا فائدہ پہنچیگا +

۲-رائے بہادر لالہ ساگر چند صاحب بی۔اے حال پنشنر انسپکٹر مدارس سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

۲۹-مارچ ۱۸۰۳ء

ہم نے کتاب گلدستہ تہذیب مطالعہ کی۔واقعی اسم بامسمیٰ ہے۔اس سے

طالب علموں کو بہت فائدہ پہنچیگا۔اور یہ اس قابل ہے۔کہ نہایت فروخت ہو۔

۱۳۔مولوی مراد علی صاحب اول مدرس ہائی سکول جالندھر حال پنشنر

۱۰۔اپریل ۱۸۸۳ء

میں نے یہ رسالہ دیکھا۔میں جیسا عموماً اس قسم کے رسالوں یا کتابوں کی ضرورت کا قائل ہوں۔نہ صرف طلباء مدارس کے لئے بلکہ عموماً ملک کے ہر ایک پیر و جواں کے لئے (کیونکہ اس قسم کے رسائل ہنوز نہ تصنیف ہوئے ہیں اور نہ انگریزی سے ترجمہ۔حالانکہ انگریزی میں بڑی بڑی جلدیں موجود ہیں) ویسا ہی اس رسالہ کے مضامین اور عبارت کی خوبی کا اقرار کرتا ہوں۔اور تعجب کرتا ہوں۔کہ ایک مشرقی آدمی۔پنجاب کے باشندے۔گانو کے رہنے والے۔انگریزی سے نا آشنا کی زبانِ قلم سے یہ مغربی خیالات منجی ہوئی صاف اردو میں کس طرح ادا ہو سکے؟ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔خدا منشی شنکر داس صاحب کو زیادہ توفیق بخشے۔کہ آیندہ طبعات میں کچھ اور مضمون بڑھاتے رہیں۔اس کے بعد میں منشی شنکر داس صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اپنے ملک اور قوم کی خدمت گذاری میں بہت عرق ریزی فرمائی ہے۔اب اس کی قدردانی کرنا ملک اور قوم کے اختیار میں ہے۔مگر ہمیں قوم اور ملک سے قدردانی اور شکریہ کا خواہاں بھی نہیں ہونا چاہئے۔صرف انسان ہونے کے حقوق اگر تھوڑے بہت بھی ادا ہو جائیں۔تو کیا تھوڑی بات ہے۔

۴-لالہ جیارام صاحب ایم-اے میر مترجم سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور حال اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور- ۷-اگست ۱۸۸۷ء

گلدستہ تہذیب کو میں نے دیکھا- مضامین مفید اور دلچسپ- عبارت صاف- کاغذ اور چھاپہ عمدہ- قیمت معقول- واقعی اس قابل ہے- کہ طلبار اور عام شایقین خود پڑھیں اور پڑھ کر اوروں کو سنائیں +

۵-لالہ منشی لال صاحب ایم-اے ہیڈ ماسٹر نورمل سکول راولپنڈی حال اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور ۱۷-اگست ۱۸۸۷ء

گلدستہ تہذیب کی خوبیوں کی بابت تو لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں- کیونکہ پہلے ہی بڑے بڑے عالم شخص اس کے عمدہ اور مفید ہونے کی نسبت رائے دے چکے ہیں- میرا بھی ان کی رائے پر صاد ہے +

۶-لالہ ٹھاکرداس صاحب بی-اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ راولپنڈی مرحوم ۷-ستمبر ۱۸۸۷ء

گلدستہ تہذیب کے مضامین تو بیشک عمدہ ہیں- لیکن چھپی بھی قابل تعریف ہے +

۷-بابو شو لال صاحب بی اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع جالندھر حال اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ راولپنڈی ۹-ستمبر ۱۸۸۷ء

میں چاہتا ہوں کہ گلدستہ تہذیب پانچویں جماعت پرائمری میں- بجائے اردو کے سبق کی

پڑھائی جاوے - ۱۷ اپریل ۱۸۸۳ء کو آپ نے بھی عمدہ راے اس کتاب پر ظاہر کی تھی وہ چوتھی ایڈیشن میں دیکھئے - اُس وقت آپ اسے مڈل کی تعلیم میں داخل کرنا چاہتے تھے۔

۸ - لالہ امراؤ سنگھ صاحب ایم - اے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ٹرینگ کالج لاہور - حال سینیر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور۔

بکم فروری ۱۸۸۶ء گلدستہ تہذیب ایک عمدہ کتاب ہے - نئے خیالات اور نئے ڈھنگ لکھے گئے ہیں - یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک مڈل و انٹرینس کے طالب علم کے پاس ہو - اس کے پڑھنے سے جواب مضمون کا ڈھنگ ہی نہیں آئیگا - بلکہ اُن کے معلومات کا ذخیرہ بھی بڑھے گا۔

۹ - اخبارات

ملک کے جس قدر نامی اخبار ہیں - سب نے باتفاق اس کے مفید ہونے اور پڑھائی میں داخل کرنے کی راے دی ہے - مجھے سب اخباروں کے نام اور تواریخ تو یاد نہیں - چند کا ذکر کرتا ہوں - آپ چاہیں - تو کہیں سے منگا کر دیکھ سکتے ہیں - بعض اخباروں میں تو دوبارہ سہ بارہ ریویو مختلف اصحاب کی طرف سے نکلے ہیں **۱۸۸۳ء کے ریویو** - ۲۴ مارچ ۱۸۸۳ء کے انجمن اخبار - ۳ اپریل کے اودھ اخبار - ۱۴ اپریل سبھا کپور تھلہ - ۲۳ اپریل آفتاب پنجاب - ۲۴ اپریل پنجابی اخبار - کوہ نور - ریفارمر - آفتاب ہند - دلیش اُپکارک - اروڑ بنس - سماچار و پرکاش اور دھرم جیون نومبر ۱۸۸۳ء میں چھپے تھے - **۱۸۸۴ و ۸۵ء کے ریویو** - ۹ جنوری ۱۸۸۴ء - ہندوستانی - لکھنؤ - ۲۹ - مارچ ۱۸۸۴ء کوہ نور لاہور ماہ اکتوبر اروڑ بنس پرکاش - کشف الاخبار بمبئی - اخبار عام لاہور فیروز پور پنچ وغیرہ وغیرہ

۱۸۸۷ء میں جو اس کتاب پر ریویو نکلے۔مختصراً ذیل میں لکھے ہیں۔گنجائش ہوتی تو کل لکھتا

(۱) صادق الاخبار بہاولپور۔مطبوعہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۵۔ اگست ۱۸۸۷ء

کے ریویو کا خلاصہ۔گلدستہ تہذیب پر ہم نے عبور کیا۔اردو میں یہ بے نظیر رسالہ ہے۔ باوصفیکہ مصنف صاحب پنجاب کے ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں۔مگر با محاورہ اردو بیان کرنے میں انہوں نے کہیں لغزش نہیں کی۔رفعت خیالی میں بھی قابل داد ہے۔یہ مدرسین کے لئے رہبر اور طلبہ کے لئے بے منت اُستاد ہے وغیرہ +

(۲) اخبار ٹریبیون لاہور کے انگریزی ریویو کا اُردو خلاصہ۔اگست ۱۸۸۷ء

گلدستۂ تہذیب با محاورہ اردو جواب مضمون میں ہے۔اس میں سوشل۔مارل اور پولیٹکل مضامین بڑی عمدگی سے لکھے ہیں۔مصنف کی آزاد رائے اعلےٰ درجہ کی عاقلانہ ہے۔یہ عورتوں کی آزادی کے واسطے بڑا بھاری پکا وکیل ہے۔اس کی کتاب بیشک ہر ایک نوجوان خاص کر طلباء مڈل کے پاس موجود ہونی چاہئے۔کیوں؟ اس کتاب کے دیکھنے اور پڑھنے سے جی خوش ہو جاتا ہے +

(۳) سراج الاخبار مطبوعہ ۱۲۔ستمبر ۱۸۸۷ء کے ریویو کا خلاصہ

دنیا کی اصلاح اور فلاح کے لئے بڑا ضروری امر تھا۔کہ ایک کتاب اس کے لئے تیار ہوتی۔قدرت نے یہ جلوہ زمانے کی ضرورت پوری کرنے کو منشی شنکر داس صاحب ورنیکلر ہیڈ ماسٹر رام نگر کی معرفت دکھایا۔جس کی طبع رسا کا نتیجہ کتاب "گلدستہ تہذیب" ہے۔ملک نے جو قدر اس ضروری اور کار آمد کتاب کی کی۔اُس کی کوئی نظیر

نہیں ہے۔چھپنے کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہے۔با وجود اتنی خوبیوں اور ضخامت کے قیمت صرف آٹھ آنے ہے۔ہم چاہتے ہیں۔کہ یہ کتاب مدرسوں میں جاری کی جائے۔حق تصنیف سرکار مصنف سے خرید لے ۔

(۴) خلاصہ ریویو اخبار کوہ نور لاہور مطبوعہ ۶۔اکتوبر ۱۸۹۶ء

گلدستہ تہذیب نے شہرت اور قبولیت کا جو درجہ حاصل کیا ہے۔سوسائٹی کی موجودہ حالت کے لحاظ سے بہت تھوڑی نئے ڈھنگ کی تصانیف ہیں۔جن کو یہ رتبہ حاصل ہوسکے گا۔لیکن یہ کتاب واقعی اسی قدر کے لایق تھی۔اس کتاب کا اصل مقصد طلباء کے لئے ایک جواب مضمون کا رسالہ مہیا کرنا ہے۔مصنف نے جو مضامین انتخاب کئے ہیں۔وہ تہذیب اور اخلاق کا سبق ہیں۔یہ سب مضامین اس کے اپنے ہیں۔ہمارے نزدیک یہ کتاب اپنی ان اعلےٰ خوبیوں کے لحاظ سے اس لایق ہے کہ مدارس میں بطور درسی کتاب کے داخل ہو۔ہم وثوق کے ساتھ امید کرتے ہیں۔کہ اگر ہاس نادر کتاب کی طرف پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کی توجہ مبذول کرائی گئی۔تو وہ ضرور کمیٹی موصوف کی سرپرستی حاصل کریگی ۔

ریویو ۱۸۹۸ء

۱ مقام گلاسکو ملک سکاٹلنڈ بذریعہ اخبار عام لاہور از پادری عزیز احمد صاحب لکھنوی آپ کی کتاب گلدستہ تہذیب کو میں نے دیکھا۔از بس محظوظ ہوا۔یہ ایسی اچھی

تصنیف ہے۔کہ میں اپنے بچوں کو پڑھاؤنگا +

۲۔ جناب مولوی عبد اللہ صاحب از ریاست بہاولپور

پرسوں مجھے کتاب گلدستہ تہذیب مصنفہ جناب بحسن اتفاق کسی واقف کے ہاں سے مل گئی کتاب کیا تھی۔ گویا جادو تھی۔ جس نے مجھے ہمہ تن فریفتہ و مشتاق بنا لیا۔جب تک میں نے باوقات مختلف اس کو ختم نہ کر لیا۔کسی اور کتاب کے دیکھنے کا خیال تک نہ آیا۔چونکہ اس کے مضامین برجستہ فائدہ بخش عامہ کے داد دینے سے میرا قلم خود ہی معترف ہوتا ہے۔اس لئے اس کے سوا میں اور کیا کہ سکتا ہوں۔کہ ع آفریں باد بریں ہمت مردانہ جناب۔ اے فخر ملک و ہم درد بنی آدم میں اس کتاب کو بلکہ آپ کی کل تصانیف کو اپنا مطمع نظر بنانا چاہتا ہوں۔ براہ مہربانی اپنی تصنیفات اور تالیفات کی ایک لسٹ بھیجدیں +

۳۔ از جناب لالہ شبدیال صاحب ایم اے۔اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور

آپکی مشہور و معروف کتاب گلدستہ تہذیب کا نیا اڈیشن دیکھ کر خوشی ہوئی۔امید ہے کہ اس اڈیشن سے بھی طلبار اسی طرح مستفید ہوں گے۔جیسا کہ اس سے پہلے اڈیشنوں سے ہوئے تھے +

۴۔ازجناب لالہ ہرچنداس صاحب دت ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع گوجرانوالہ

میں آپ کو گلدستہ تہذیب کے بارھویں اڈیشن کے نکلنے کی مبارکباد دیتا ہوں +

۵۔ازجناب مولوی خورشید احمد صاحب بی۔اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع ہزارہ

گلدستہ تہذیب کے نئے اڈیشن کی میری طرف سے مبارکباد پذیرا ہو +

۶۔ از جناب لالہ شو لال صاحب بی-اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ راولپنڈی
بڑی خوشی کی بات ہے کہ گلدستہ تہذیب نے بارھویں دفعہ جنم لیا۔ اس سے بدستور
سابق ملک کو فائدہ پہنچے گا +

۷۔ از جناب لالہ جیا رام صاحب ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور مقام شاہدرہ متصل
چند عرصہ سے آپ کی کتاب کا ذکر کم سننے میں آیا تھا۔ اور گونہ حیرانی تھی۔ کہ اس کا
باعث کیا؟ وہ سب حیرانی گلدستہ تہذیب دفعہ ۱۲ کے دیباچہ سے رفع ہوئی۔ آپ کی کتاب
واقعی عمدہ ہے۔ اور قطع نظر اس سے کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کے سلسلے میں اس کی گنجائش
ہے یا نہیں۔ قدر کے قابل ہے +

۸۔ از جناب مولوی عمرالدین صاحب ایم-اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ راولپنڈی
گلدستہ تہذیب فی الحقیقت بہت مفید کتاب ہے۔ میں نے اس کے اکثر مضامین شوق
سے پڑھے ہیں۔ یقین ہے کہ طلباء اور شائقین اس اڈیشن کو بہت جلد خرید کریں گے

۹۔ اخبار عام۔ اخبار بھارت سیوک جالندھر اور اور اخبارات اردو و انگریزی نے بھی
گلدستہ تہذیب کے اس اڈیشن کی تعریف میں کشادہ دلی سے حصہ لیا ہے۔ مفصل
گزارش کرنے کی گنجائش نہیں (۱۰) از جناب رائے بہادر سردار اجمیر سنگھ صاحب رئیس اعظم
رام نگر پریسیڈنٹ محکمہ تھکی دو کمیٹی بمقام اجمیر مائی ہویدا سٹر میں خوش ہوں کہ آپکی کتاب گلدستہ تہذیب ہمارے
شہر رام نگر کی خرید نیک شہرت کا موجب ہوئی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اس عمدہ کتاب کو قبولیت عامہ کا درجہ ہر زمانہ میں حاصل ہوا کرے

(۱۱) رائے جناب ماسٹر کیسر سنگھ صاحب بی اے

ہیڈ ماسٹر سناتن دھرم ہائی سکول ہوشیار پور

میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک بغور دیکھا ہے - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندیوں کی بنا ر تعلیم کے لئے یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہے بڑے ضروری اور اہم اخلاقی خیالات کو مصنف نے سادہ اور شستہ اُردو میں بیان کر کے دریا کو ایک کوزے میں بند کر دکھایا ہے +

اردو زبان میں اس صوبہ کی تعلیم کے لئے ایسی کتاب کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی ہے - کیونکہ اتنے قلیل عرصہ میں تیرھویں اڈیشن تک نوبت پہنچ گئی ہے - کیوں نہ ہو - یہ سب کتاب کی ذاتی خوبی کی بدولت ہے -

علاوہ اپر پرائمری کے طلباء کے امتحان مڈل کے امید وار بھی بڑا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں +

اشتہار

گلدستہ تہذیب کے خریداروں کو ۵ جلد تک محصول ڈاک معافت
۱۰ جلدوں یا زیادہ کے ساتھ ایک جلد علاوہ معافی محصول مفت ملیگی۔
۵۰ یا زیادہ خریدنے والے کو بیس فی صدی کمیشن بلا محصول ڈاک
ملے گا۔ باقیوں کے ساتھ خط وکتابت سے فیصلہ ہوگا ٭
نیت پنشاولی قیمت ۶ر از لالہ رام چند بک سیلر لاہور انار کلی
گلدستہ اخلاق ۶ر از مولوی عبد الحق کتب فروش کشمیری بازار لاہو
گلدستہ زراعت ۲؍
کھیتی کی پہلی کتاب ۱؍
" دوسری کتاب ۲؍
یہ سب اسی شرح کمیشن پر ملینگی۔ جس پر کہ گلدستہ تہذیب

المشتہر
شنکر داس ورما رام نگر

تحصیلِ علم

علم[1] کی تعریف۔ تحصیل[2] علم کی ضرورت۔ تحصیل[3] علم کے فائدے تحصیل علم[4] کا سامان مہیا ہے۔ نتیجہ[5] بطور نصیحت +

(۱) علم کے معنی جاننا یا سمجھنا یا حاصل کرنا ہیں۔ یعنی قدرتی اور مصنوعی چیزوں کے بغور مشاہدہ اور تجربہ کرنے۔ عقلی دلیلوں کے دوڑانے باطن کی صفائی سے ہر ایک موقع کے مناسب۔ اس میں توجہ کرنے کا نام تحصیل علم ہے + علم کے بڑے تین رکن طبعی۔ ریاضی اور اخلاقی ہیں طبعی کے لئے مادے کی ضرورت ہے۔ ریاضی کے لئے نہیں۔ اخلاق کا علم روحانی تاریکی کو دور کرتا ہے۔ اور انسان کو صلح کل بناتا ہے۔ اس لئے یہ کتاب علاوہ اور کئی ضروری باتوں کے بہت کچھ علم اخلاق سے متعلق ہے۔ جس کی ہمارے ملک کے طالب علموں کے واسطے بڑی ضرورت ہے +

(۲) کوئی کام دنیا کا ہو خواہ دین کا+ عقلمندی سے کیا اچھا ہوتا ہے عقلی طاقت سے انسان ممتاز ہو سکتا ہے۔ انسان میں عقل نہ ہو۔ تو اس میں اور حیوان میں کیا فرق ہے؟ لیکن عقل کو علم صاف خوش نما اور روشن کرتا ہے۔ ترقی دیتا ہے۔ اور اس کے معلومات کا دائرہ وسیع کرتا ہے۔

اس لئے تحصیل علم ہر ایک انسان کے واسطے ضروری ہے۔ جہالت کے
زمانے کے حالات موجودہ زمانے میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ کیوں؟
جب تک طریق تمدن جو شایستگی کی جڑ ہے نہ نکلا تھا۔ اس وقت تک کھانے
کو ساگ پات۔ پینے کو برسات دریا یا چشموں کا پانی تھا۔ رہنے کو درخت
زمین یا پہاڑوں کے غار تھے۔ سونے کو زمین کا خدائی فرش۔ پہننے کو
درختوں کی چھال اور پتے۔ لڑائی کے لئے نیزہ۔ بھالا۔ تیر و کمان ہتھیار
تھے۔ ننگے پاؤں پھرتے تھے۔ یا جوتیوں کی جگہ کھڑاویں پہنتے تھے۔ جوں
جوں علم کی برکت سے روشنی پھیلتی گئی۔ ہر ایک طرح کی ترقی ہوتی
گئی۔ پہلے رہنے کے لئے جھونپڑے بنے۔ جھونپڑوں سے کچے مکان بنے۔ پھر
رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ پکے خشتی اور سنگین محل بننے لگے۔ سونے
کو طرح و چارپائیاں اور اُن پر نرم نرم سوتی۔ اونی بچھونے۔ ہر ایک موسم
کے موافق سامان مہیا ہوا۔ عمدہ عمدہ کھانے اور نفیس و لذیذ غذائیں تیار
ہوئیں پینے کو جہاں قدرتی سامان موجود نہیں۔ وہاں کنوئیں کھود کر
پانی نکالا۔ بنجر زمینوں کی آبپاشی کے لئے دریاؤں سے نہریں کاٹ کاٹ
کر جنگل و بیابان سیراب کئے۔ پہننے کو موسمی ضرورتوں کے موافق
طرح طرح کی وضع دار پوشاکیں بنائیں۔ لڑنے کے لئے تیر اور
بھالے چھوڑ توپ اور بندوق سے کام لینا شروع ہوا۔ جن کے ایک

یر میں کئی جانیں تلف ہوتی ہیں (لیکن اب ایک ایسے بارود کی تلاش ہے جو دشمن کو چند گھنٹے بیہوش تو کر دے مگر جان سے نہ مارے۔ کیونکہ جنگ کا مقصود صرف حریف کو مغلوب کرنا ہوتا ہے نہ کہ جان سے مار ڈالنا۔ غضب یہ ہے کہ بجائے اس کے اب بے دود کی بارود ایجاد ہوئی اب تو ننگے پاؤں پھرتے شرم آتی ہے۔ پہلے دیسی جوتیاں پہنتے تھے۔ اب موزے اور اُن پر انگریزی بوٹ پہننے لگے ہیں۔ دھوپ اور خفیف بارش سے بچنے کے لئے خوش رنگ چھتریاں استعمال کرتے ہیں۔ غرض اپنی معاشرت میں انسان نے بہت کچھ ترقی کی ہے۔ بلکہ اب یہ کہنا بھی زیبا ہے۔ کہ زمانے کی کایا پلٹ گئی۔ مگر اس ترقی کا دورہ فرنگستان سے شروع ہوا ہے۔ ہندوستان نے ایسی شائستگی یا اس سے بہتر تہذیب کا زمانہ پہلے بھی دیکھ لیا تھا۔ لیکن طوائف الملوکی۔ بد امنی اور مذہبی جھگڑوں کے سبب پھر جہالت کے دریا میں ڈوب چلا تھا۔ کہ انگریزوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یعنی اوّل امن قائم کیا۔ پھر علوم و فنون کے مدرسے کھولے۔ تعلیم و تدریس جاری کی۔ جس سے تھوڑے عرصے میں گویا ہندوستان نے نیا جنم لیا۔ مگر ابھی آگے ترقی کا میدان اور بڑا وسیع ہے جس میں ہم صرف چند قدم چلے ہیں۔ حیوانوں پر ہم اسی واسطے شرف رکھتے ہیں۔ کہ اُن کو خدا کی طرف سے ترقی کا مادّہ عطا نہیں ہوا۔ گوا جیسے

اب کالی وردی پہنے کائیں کائیں کرتا پھرتا ہے۔ شروع میں بھی اسی طرح کیا کرتا تھا۔ چڑیا جیسے اب تنکے چونچ سے اُٹھا کر لے جاتی ہے۔ اور گھونسلہ بناتی ہے۔ اسی طرح پہلے بھی بنایا کرتی تھی۔ ان پر کیا موقوف ہے۔ سب حیوان ننگ دھڑنگ رہتے ہیں۔ معاشرت میں کچھ ترقی نہیں کر سکے۔ کیوں؟ صرف علمی اور عقلی طاقت نہ ہونے کے باعث۔ جو خدا نے ہم کو عطا کی ہے۔ اس طاقت کے حاصل کرنے کے لئے خدا نے ہم کو نطق۔ قیاس اور تمیز دی ہے۔ اس سے ہم اپنے تجربے دوسرے کو بتا سکتے ہیں۔ کسی امر پر صحیح قیاس جما کر مفید نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ اچھے بُرے میں فرق معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن عقلی طاقت کو بڑھانا اور اس سے فائدہ اُٹھانا اور جہالت کے اندھیرے کو علم کی روشنی سے ہٹانا یہ ہمارا اپنا کام ہے اس لئے بڑی کوشش سے ہم کو علم حاصل کرنا چاہئے۔ کیوں؟ انسان کی انسانیت اسی سے ہے۔ پس ایسی کوشش کرنی چاہئے۔ کہ کسی طرح علم کا آفتاب جو ہمارے اُفق سے نکلا ہے۔ سمت الراس پر آ جائے۔ اور وہیں ٹھیرا رہے۔ سنو! جیسے دو ٹھوس چیزوں کے باہم رگڑنے سے آواز کے ساتھ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ویسے ہی علم اور عقل کے باہم ملاپ اور مباحثے سے نور کا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس سے آدمی کے دل سے جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت اور اُس کی

عظمت معلوم ہوتی ہے۔ علم کے سوا انسان کو خانہ بے چراغ یا درخت بے برگ یا چاہ بے آب یا نان بے نمک جو کچھ چاہو کہ لو۔ مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہر ایک عالم پیش آمدہ مقدمات میں ہمیشہ صحیح استخراج نتائج پر قادر نہیں ہوتا۔ اس رستے میں بڑے بڑے حکماء۔ وکلاء اور مقنن سخت ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اس کے لیئے خاص قسم کے دماغ مخادق ہوئے ہیں جن کی اصل ہیئت کا معلوم کرنا میرے ادراک سے خارج ہے۔

(۳) علم وہ قوی طاقت ہے کہ تسخیر ممالک میں اس کی امداد کی ضرورت ہے۔ اور علم وہ پائدار دولت ہے۔ جو دماغی خزانوں اور سینے کے دفینوں میں محفوظ و مصئون چلی آتی ہے۔ نہ اس کو چور کا ڈر اور نہ رہزن کا خطرہ۔ کاملیت کی صورت میں یہ آب حیات ہے۔ کیوں؟ ہر زمانے کے باکمال آدمیوں کے نام دنیا میں عموماً عزت کے ساتھ زندہ رکھتا ہے۔ دیکھو ہندوستان میں منّو۔ بیاس۔ کالیداس وغیرہ۔ اور ایران میں فردوسی۔ عنصری۔ سعدی وغیرہ۔ اور یورپ میں سقراط۔ بقراط۔ نیوٹن۔ بیکن۔ شیکسپیر وغیرہ۔ سینکڑوں بزرگ ایسے ہو گذرے ہیں جن کا نام بڑی عزّت سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی دولتمند کروڑپتی بھی ہو جائے۔ تو بھی اس کو بجز کوئی خاص وصف پیدا کرنے کے ایسی ناموری نہیں حاصل ہو سکتی۔ مانا کہ بے علم بھی جس شہر یا ملک میں پیدا ہوئے۔ مرنے کے بعد

بعد کچھ دنوں یاد کئے جائیں۔ مگر پھر کسی کو کیا ضرور۔ کہ اُن کا نام لے یا بھُولے سے بھی یاد کرے۔ ہاں جن کے پاس علمی دولت کا خزانہ ہے ان کا وظیفہ سدا خاص و عام کی زبان پر رہتا ہے۔ گو ان کی زندگی تکلیف میں کٹی ہو۔ اپنے نام کی کوئی یادگار بنائی جائے۔ تو وہ بھی آخر ٹوٹ پھوٹ جائیگی۔ مگر اُن عالموں فاضلوں کی یادگاریں ایسی مضبوط ہیں۔ کہ کوئی یادگار ان کے برابر نہیں ہو سکتی۔ جب تک دنیا باقی ہے عزت کے ساتھ یاد کئے جائینگے۔ اور جب تک جیتے رہے لوگ عزت سے اُن کو دیکھتے اور اُن سے فیض پاتے رہے۔ اب دنیا اُن کی تصنیفات سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ غور کرنے سے ثابت ہوگا کہ دولتمند کو دولت کے زور سے جہاں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ وہاں عالم کو علم کے ذریعے سے ہو سکتی ہے۔ عالم جہاں کہیں جاتا ہے۔ اپنی لیاقت کے سبب اکثر عزت پاتا ہے۔ عموماً عالموں کی طبیعت میں علم سے استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ اکثر ناممکنات کو ممکن کر دکھاتے ہیں۔ علم کی مدد سے انسان نے سمندر کھنگول ڈالا۔ برفانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا ڈنکا بجایا۔ دشوار گذار بیابان ریگستان چھان مارے۔ کرۂ زمین کے نقشے اُتارے۔ اجرام فلکیہ و نظام شمسی کا حال بتایا۔ نباتات۔ حیوانات اور جمادات کی خاصیتیں دریافت کیں۔ آگ۔ ہوا۔ پانی۔ بھاپ کے علم سے عملی طاقتیں حاصل کیں۔ جس

سے اُس کی معاشرت میں ترقی ہوئی۔ اگنبوٹ۔ ریلوے۔ تاربرقی۔ پریس۔ دُوربین۔ خرد بین۔ فوٹوگراف۔ ٹیلی فون۔ فونوگراف۔ ہیلیو گراف وغیرہ بہت سی عجیب چیزیں اور کلیں بنائیں۔ جس سے اُس کی مالی طاقت بڑھی۔ شایستگی پھیلی۔ بد خواہوں پر ہیبت چھائی۔ عام طور پر میل جول زیادہ ہوا۔ فضول قیدیں ٹوٹیں۔ غرض علم ایک ایسا جنگی مضبوط آلہ ہے۔ کہ اسے جدھر لے کر چلو۔ اکثر موقع پر نصرت اور کامیابی اس کے استقبال کو آتی ہے۔ علم کے ذریعے سے دولت۔ حکومت اور عزت مل سکتی ہے۔ اور وہ ثابت قدمی۔ کشائش اور ہر دل عزیزی کا آلہ ہو سکتا ہے۔ پس اس کے حاصل کرنے کے واسطے جس قدر کوشش کی جائے۔ اسی قدر مفید ہے۔ اگرچہ اس کے حصول میں بہت سی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ مگر جس کو اس کا پورا شوق ہو جائے۔ وہ ان سے نہیں ڈرتا۔ اور آخر کامیابی حاصل کرتا ہے۔ کیوں؟ اگلے زمانے سے اب تحصیل علم میں بہت کچھ سہولتیں ہو گئی ہیں۔

(۴) علم حاصل کرنے کے وسیلے جو اس زمانے میں ہر ایک شخص کے واسطے موجود ہیں (غریب و امیر۔ قوم و مذہب کا کچھ لحاظ نہیں) ایسے کسی زمانے میں نہیں سُنے گئے۔ چھاپے خانے کی برکت سے کتابیں خوشخط عمدہ اور ارزاں مل سکتی ہیں۔ سرکار کی مہربانی سے ہر درجے کے علوم

تحصیل علم کا سامان

و فنون کی تعلیم کے واسطے مدارس کھلے ہوئے ہیں۔ جس کا جی چاہے
ان سے فائدہ اُٹھائے۔ حسب لیاقت وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔
اگلے زمانے میں بعض لوگ علم حاصل کرنے کی غرض سے دیس بدیس
خراب ہوتے پھرتے۔ در بدر بھیک مانگتے اور مدت العمر استادوں
کی خدمتیں کرتے۔ جب کہیں بڑی مشکل سے معمولی لکھنے پڑھنے میں
مہارت پیدا کرتے تھے۔ شکر ہے کہ اب وہ ساری قباحتیں دفع ہوئیں۔
یا بہت سا حصہ ان مصیبتوں کا دور ہوگیا۔ اب علم کا چرچا شہروں۔
قصبوں اور بڑے بڑے گاؤں میں عام ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص اس
مبارک زمانے میں بھی علم سے محروم رہیگا اُس سے بڑھ کر بد نصیب
کون ہے؟ وہ ضرور کبھی نہ کبھی پچھتائیگا۔ اور اس وقت کا پچھتانا
کچھ کام نہ آئیگا۔ جس وقت بچوں کو کھیل۔ کود۔ آوارہ گردی بھلی
معلوم ہوتی ہے۔ وہی زمانہ شوق سے پڑھنے کا ہے۔ مگر جو لڑکے
خوش قسمت ہوتے ہیں۔ وہ تھوڑی سی عمر میں بہت کچھ حاصل کر لیتے
ہیں۔ جوان ہوکر عزت پاتے ہیں۔ دولت کماتے ہیں۔ ملک کو فائدہ
پہنچاتے ہیں۔ سرکار نے مہربانی سے اب سکولوں میں طالب علموں
کی صحت اور توانائی قایم رکھنے اور قوائے بدنی و دماغی بڑھانے
کے لئے علمی تعلیم کے ساتھ تعلیم و تربیت جسمانی بھی لازمی کردی

ہے۔ نادان لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس میں تضیع اوقات ہے۔ درحقیقت ایک کاریگر جب اُن اوزاروں کو جن سے اُس کو کام کرنا ہے۔ درست اور تیز کرنے لگتا ہے۔ تو وہ تضیع اوقات نہیں کرتا۔ بلکہ اچھا کام کرنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ اس سے بچوں کی صحت میں ترقی ہوتی ہے اور وہ خوشی سے تعلیمی امور میں مصروف ہوتے ہیں ؞

(۵) پس اے لڑکو! تم جاہلانہ خیال دور کرکے تحصیل علم میں پوری پوری کوشش کرو۔ اور اہل علم کی قدر و منزلت اپنا فرض سمجھو۔ اور جو غیر ممالک سے علوم و فنون میں بہرہ ور ہوکر آئیں۔ بجائے اس کے کہ اُن کو برادری سے خارج کرو۔ یا حقارت کی نظر سے دیکھو۔ اُن کی ہمت بڑھاؤ۔ تحسین و آفرین کرو۔ محبت کی نگاہ سے دیکھو۔ اُن کو اپنی قوم بلکہ ملک کا فخر سمجھو۔ ذات کے امتیاز کے بکھیڑے کو چھوڑو۔ کیوں؟ یہ نہ صرف قومی ترقی کا ہارج ہے بلکہ ذاتی ترقی کا بھی مانع ہے اور اس سے بڑھکر مذہبی الجھاؤ ہیں۔ جو ہماری خود غرضیوں سے پڑگئے ہیں۔ اُن میں پھنسکر قومی مفاد کا خون نہ کرو بلکہ بڑے مصروفیت کے ساتھ اس ضروری کام کو سرانجام کرکے اپنی زندگی کا مشن پورا کرو۔ یعنی اعلےٰ تعلیم پاکر عملی سرگرمی دکھاؤ۔ اور ایسی کوشش کرو۔ کہ تمہارے وجود کی برکت سے ملک ہند سے جہالت کی بدنامی کا کلنک۔ دور ہوجائے

بلکہ شائستگی میں انگلینڈ کا ہم پلہ بن جائے۔ اور ہمیشہ ملازمت کو معاش کا ذریعہ سمجھ کر گورنمنٹ کے دست نگر نہ بنے رہو۔ بلکہ اپنی آبائی پیشوں کو فروغ دو۔ صنعت و حرفت میں ترقی کرو۔ لیکن اگر تھوڑا سا پڑھ کر اپنے آپ کو ہمہ داں سمجھنے لگو تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ جہل مرکب کے دریا میں ڈوبے تو پھر کہیں تھل بیڑا نہ ملیگا۔ اگر ہماری نصیحتوں کو دل سے قبول کرتے ہو۔ تو اعلےٰ تعلیم حاصل کرو۔ پھر دیسی صنعت و حرفت میں ترقی دو۔ ہمارے ملک کے باثروت اصحاب ابھی صنعت و حرفت کے مدارس کھولنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے جو ملک کا ضرورت ملک اعلےٰ تعلیم سے بدرجہا مفید ہیں۔ ایک اعلےٰ لیڈر کی یادگار میں یونیورسٹی (دارالعلوم) کھولنے کی تجویز ہوئی تو مینے درخواست کی بھائی ٹکنیکل سکولیں کھولو۔ بہت سے بیکار گریجویٹ ملک میں تعلیم کی طرف سے بددلی پھیلائینگے۔ اور گورنمنٹ کے شاکی ہونگے کہ ہمیں روٹی نہیں دیتی۔ کیا عمدہ بات ہے کہ اپنی روٹی آپ پیدا کرنا سیکھیں کسی کے محتاج نہ ہو ہاں وتم دولتمند ہو یہاں نہ سہی ولایت میں جا سکو۔ تو جاؤ تکمیل علم کرو۔ کوئی نیا ہنر وہاں سے اُڑا لاؤ۔ اور اپنے ملک میں آکر کارخانے بناؤ۔ ملک کو مفلسی سے بچاؤ۔ اگر تمہارے ایسے ارادے ہوں۔ تو ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ کہ خدا تم کو اپنے ارادے میں کامیابی اور کوششوں

میں برکت دے!

لڑکیوں کا پڑھانا

لڑکیوں کے پڑھانے کی ضرورت۔ مخالفوں کے اعتراض اُن کے جواب ایک لائق دیسی عورت کے لکچر کا خلاصہ +

(۱) لکھنے پڑھنے کی خوبیاں ہر ایک شخص جانتا ہے۔ زیادہ بیان کی محتاج نہیں۔ جیسا یہ لڑکوں کے حق میں مفید ہے ویسا ہی لڑکیوں کے واسطے بھی۔ بلکہ لڑکیوں کے لئے اور زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ مرد تو آزاد پھرتے ہیں۔ مجلسوں میں جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ لیکن یہ بیچاری گھر کی چار دیواری میں بند رہتی ہیں بحث ہے۔ تو ان عورتوں سے۔ جو معلومات میں اُن ہی جیسی ہیں۔ مرد اُن کو جاہل سمجھ کر اُن سے کوئی مفید مشورہ نہیں لیتے۔ کھانے پکانے اور سینے پرونے کے ذکر کے سوا اکثر اور گفتگو ہی نہیں کرتے۔ خدمتگاروں سے زیادہ ان کو رتبہ ہی نہیں دیتے۔ بعض حضرات ان کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔ جب چاہا اُتار پھینکی اور بعض کہتے تو ہیں کہ یہ ہماری (اردھ شریری) یعنی نصف بدن ہیں۔ پر اُن سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔ ذرا سامنے بولی : وہ بد تہذیبی سے اُس کے ساتھ پیش

آئے۔ جائے غور ہے جب ہم نے اُن کو عمداً جاہل بنا رکھا ہے۔ تو پھر اُن سب سے ادب اور خوش خلقی کی توقع رکھنی سراسر نادانی ہے۔ اہل یورپ نے ہماری خام خیالی کو ہم پر بجلی روشن کر دیا ہے۔ یعنی دکھلا دیا ہے۔ کہ علم کی بدولت ان کی عورتیں کس پایۂ تہذیب کو پہنچ گئی ہیں۔ اور بتا دیا ہے۔ کہ بنائے شائستگی انہی پر منحصر ہے۔ تم بھی لڑکیوں کو پڑھاؤ۔ اور علم و دانش میں یورپ سے ہمسری کرو۔ جب مائیں لکھی پڑھی ہوتی ہیں۔ تو باتوں ہی باتوں میں بچوں کو وہ عقل کی باتیں بتا دیتی ہیں۔ اور کھیل ہی کھیل میں وہ علم و حکمت سکھا دیتی ہیں۔ جو سکولوں میں ان کو ایک عرصے میں حاصل ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ برّ اعظم یورپ اضلاع متحدہ امریکہ۔ اور ایشیا سے ملک جاپان عقلی طاقتوں میں ترقی کرتے چلے گئے۔ صنعت حرفت اور ایجاد میں شہرت پیدا کی۔ دولت سے مالا مال ہوئے۔ ایک ہم ہیں۔ کہ ہمیں نیم وحشی کہتے ہیں۔ بشرطیکہ خود لکھے پڑھے ہوں۔ ورنہ پورے وحشی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ملک کی دولت غیر ممالک میں جا رہی ہے۔ لیکن کوئی شائستہ تدبیر نہیں کر سکتے۔ گویا اب تک ہم الفاظ دور اندیشی۔ غیرت اور شرم کے معنی ہی نہیں جانتے۔ غیر قوموں سے پٹتے پٹتے ڈھیٹ ہو گئے ہیں۔ مفلسی ہم

سے اور ہم اس سبب مانوس ہو گئے ہیں۔ کاہل ایسے ہیں۔ کہ حالتِ
مرنجان و مرنج کو پسند کرتے ہیں۔ گرے پڑے ہیں۔ کوئی آئے اور
مُنہ میں نوالہ ڈال جائے۔ ہمیشہ تائید غیبی کے منتظر رہتے ہیں۔ اللہ
غیب سے خزانہ بھیج دے۔ کہیں ہاتھ پاؤں نہ ہلانے پڑیں۔ نکمّے
بیٹھے بیٹھے ایسے ہی واہیات خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں۔ بیہودہ قصّے اور
فضول حکایتیں گھڑ رہے ہیں۔ یوں تو کہنے کو نام و ننگ پر مرے
جاتے ہیں۔ اسی واسطے اپنی بیٹیوں کو جہیز میں چاندی۔ سونے کے زیور
دیتے ہیں۔ کہ ظاہر بین آفریں کریں۔ اصلی اور پائدار زیور علم و ہنر
نہیں دیتے۔ کہ جاہلوں کے نزدیک ہمارے نام و ننگ کو بٹّا لگیگا۔ اور
پھر تحسین کون کریگا۔ ایسی ہی ظاہر داری نے ہمارے ملک و قوم
کو پست کر دیا ہے۔ سچی غیرت اور دور اندیشی گھٹ گئی ہے۔ کوئی
اگر نیک ہدایت کرے۔ تو اُس کو ناستک یا لا مذہب اور کرانی وغیرہ
خطاب دیتے ہیں۔ مگر کرنے والوں کو چاہئے۔ کہ وہ اپنا کام کئے جائیں
اور ناکامی سے نہ گھبرائیں۔ اور یہ کام کسی پر احسان جتلانے کے واسطے
نہ کریں بلکہ قومی فائدے اور ملکی بہبودی کی غرض سے کریں۔ اور
اپنے ارادے سے نہ ٹلیں۔ بلکہ جان و مال کو اس نیک خیال پر
قربان کرکے فنا فی القوم کا رتبہ حاصل کریں۔ صاحبو! اپنے دل میں

انصاف سے غور کرو۔کہ تم پڑھو۔اور لڑکیوں کو جو تمہاری ہم جنس انسان ہیں۔ عمداً تحصیل علم سے محروم رکھو۔یہ خود غرضی نہیں تو اَور کیا ہے؟

اگر چہ لڑکوں کا پڑھانا بھی تو عام شوق سے ہنوز مروج نہیں ہؤا۔ مگر لڑکیوں کے پڑھانے کا رواج بہت ہی کم ہے۔حالانکہ یہی تہذیب کی جڑ ہیں۔کیونکہ بچّہ جہاں پیدا ہؤا۔چھ سات برس تک اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے۔پس اگر وہ خود نا شایستہ ہوئی تو اس کی دیکھا دیکھی یہ بھی ویسا ہی نا لایق ہو جائیگا۔ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔کہ بچّوں کو گالیاں دیتی ہیں۔اُن کے سامنے جھوٹ بولتی ہیں۔فضول بکتی ہیں۔بات بات میں روتی یا ہنستی ہیں۔نہ قسم کے سُننے سے ذرا پرہیز۔نہ خود قسم کھانے میں دریغ۔بچوں کو بے وجہ جھڑکتی ہیں۔ مارتی ہیں۔لڑتی ہیں۔پرائی چیز بن پوچھے اُٹھا لیتی ہیں۔ بچّے بھی آخر انسان ہوتے ہیں۔یہ سب بُری باتیں بچپن میں اس طرح سیکھ جاتے ہیں۔کہ پھر یہ عیب اُن کو عیب نہیں معلوم ہوتے۔لیکن اگر ماں تعلیم یافتہ ہوتی۔تو کیا ممکن نہ تھا۔کہ بچّہ نیک نیّت اور پارسا ہوتا؟ معلوم نہیں۔کہ تعلیم نسوان کی طرف سے اہل ملک کیوں غافل ہو رہے ہیں۔حالانکہ تحصیل علم از روے قواعد مذہبی مرد اور عورت دونو

پر فرض ہے :-

(۲) بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔کہ ان کو پڑھانا کیا ہے۔بے حیا بنانا ہے۔یورپین عورتوں کی طرح بے حجاب پھرا کرینگی۔بعض لوگ ان کی طبیعت ہی اچھی نہیں بتاتے۔کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔اور بعض عذر کرتے ہیں۔کہ ہمارے ملک میں عورتوں کی تعلیم کے قابل تعلیمی کتابوں کا کوئی سلسلہ موجود نہیں ہے۔یا پڑھا کر کیا اُن کو نوکری کرانا ہے ؟ پڑھینگی۔تو خوش پوش اور آرام طلب ہو جائینگی۔کار و بار خانگی جس محنت و مصروفیت سے اب کرتی ہیں۔پھر کب کرنے لگیں ؟

(۳) اے عزیز و۔لکھ پڑھ کر شائستہ ہو جائیں۔تو اُن کو گھر کی چار دیواری میں قید رکھنا ضرور نہیں ہے۔جب وہ حقوق خویشی و بیگانگی کو سمجھتی ہیں تو ہمیں اُن سے ناجائز خوف رکھنا واجب نہیں ہے۔کیا یورپین عورتوں کا حرمت اور عفت کے ساتھ آزاد پھرنا بیجائی ہے ؟ ایک دیسی پارسا اور نیک بخت بی بی کا قول تھا۔کہ سوائے اپنے شوہر کے ہم دنیا کے کل مردوں کو اپنے بھائی یا باپ کے برابر سمجھتی ہیں۔چنانچہ اس مرحومہ کا زندگی بھر اسی پر عمل رہا۔اور وہ برابر مردوں کے ساتھ اپاشنا (عبادت) میں شریک ہوتی۔اور سبھا میں واجبی گفتگو

سے بھی دریغ نہ کرتی ٭

بھلا یہ شرم کی بات نہیں ہے۔ کہ کوئی مرے۔ تو اکثر عورتیں برملا روئیں۔ چلائیں۔ ننگے بدن پیٹیں۔ کسی کی شادی ہو۔ تو بھلے بُرے کو سرعام فحش باتیں کہیں۔ بے نقط سنائیں۔ یا کوئی خاوند سے لڑی۔ اور بازار میں بیٹھ گئی۔ یا کسی کا ساس۔ نند۔ دیورانی۔ جٹھانی سے جھگڑا ہُوا۔ تو اُس نے بزرگوں کا مُنہ کالا کیا۔ یا کسی نے غیرت کی۔ تو دیوانہ وار پانی میں ڈوب مرے ٭ طبیعت نہ اچھی ہونے کی کہو۔ تو یہ عذر بھی قابل پذیرائی نہیں۔ اب بھی علامۂ عصر موجود ہیں۔ انتظام ملک داری تک کر لیتی ہیں۔ خود حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند کون ہیں؟ بلکہ بنگال اور مرہٹہ میں ان دنوں علم و دانش میں کئی عورتوں نے ناموری حاصل کی ہے۔ مگر ابھی وہ آٹے میں لون کے برابر بھی نہیں۔ امریکہ اور جاپان یورپ کی طرف دیکھو۔ جہاں کل عورتیں تقریباً لکھی پڑھی ہیں۔ اور کاروبار میں مردوں کو برابر مدد دیتی ہیں۔ حقیقت میں ایسا کوئی کام نہیں۔ کہ مرد تو کر سکتا ہو۔ اور وہ عورت سے نہ ہو سکے۔ غرض جو کچھ سکھاؤ سیکھ سکتی ہیں۔ عقلی مادہ جیسا مردوں میں ہے۔ ویسا ہی عورتوں میں۔ ہم اپنے بیجا وہم سے ان کی خلقت کو ناقص سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو کبھی ان کے پڑھانے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا

اس واسطے کتابیں جو بنائیں۔وہ انہیں کی مذمت میں۔خلاف قیاس
افسانے جو گھڑے۔ تو انہیں کی ہجو میں۔ان پر ناحق پرستی اور
بے وفائی کا الزام لگایا۔اگر یہ بھی دستِ قدرت رکھتیں تو حضرات
کی قلعی بھی کھول دیتیں۔اوراُس شیر کی طرح مردوں کو خوب جواب
دیتیں۔جس کو کسی آدمی نے ایک تصویر دکھائی تھی۔اُس میں شیر
کو انسان نے دبا رکھا تھا۔صاحب! اس کا مصوّر آدمی تھا نہ شیر۔
غرض تم سے اپنے حقوق پورے پورے طلب کرتیں۔جن سے وہ
ابتک محروم ہیں۔اب خیر خواہان ملک و قوم نے بیسیوں کتابیں ان
کے پڑھنے کے لائق تیار کر دی ہیں۔اور تیار کرتے جاتے ہیں۔البتہ اس
بات کا خوف ضرور ہے۔کہ پڑھ گئیں تو تمہاری کرتوت سے واقف ہو
جائینگی۔پڑھ کر نوکری کرنا ضرور نہیں ہے۔گھر کا کام سنبھالینگی۔
آمد و خرچ کا حساب رکھینگی۔جب فرصت ہوگی تو بجائے گانے۔کھانے۔
سونے۔رونے۔ہنسنے اور واہی بکنے کے مطالعۂ کتب سے جی بہلائینگی۔
بال بچّوں کو پڑھائینگی۔اور اگر مناسب نوکری حسب پسند با عزت میسّر
ہو جائے۔تو مضایقہ بھی نہیں۔دیکھو امریکہ میں اکثر عورتیں کلرکی۔وکالت
ڈاکٹری۔عدالت کے کام کرنے لگ گئی ہیں۔اسی طرح یورپ کے بعض
ملکوں میں مردوں کا ہاتھ بٹانے لگی ہیں۔اس میں شک نہیں۔

ہماں تعلیم یافتہ سب کام سلیقے سے کریگی - مکان - پوشش اور برتنوں کی صفائی اور ترتیب کا ضرور دھیان رکھیگی - کیا یہ بُری بات ہے ؟ اس سے تو از دست صحت میں ترقی ہوتی ہے - مگر خوش پوش ہوکر آرام طلب ہو جانے کا کوئی ثبوت نہیں - ایسا ہوتا - تو مہذب ملکوں میں کار و بار بند ہو جاتے - اور بجائے دولتمندی کے افلاس چھا جاتا - البتہ دانشمندی کے باعث ایسی تجویزیں نکالینگی - کہ فضول محنت کا بوجھ گھٹ جائے - یہ نہیں - کہ محنت سے جی چرائیں - رہی یہ بات کہ اُن کو پڑھانا کیا چاہیئے ؟ سنئے ! اپنی ملکی زبان و حروف میں نوشت و خواند - اور بقدر ضرورت حساب - اخلاقی اور مذہبی تعلیم اور کوئی دستکاری - غرض کہ چٹھی لکھنے پڑھنے میں غیر کی محتاج نہ رہیں اور اپنے خانگی راز دوسروں پر مجبوراً ظاہر نہ کریں - اور اپنی ملکی زبان کی اخبار یا کتاب کا ملاحظہ خود کر لیں - اور مذہب اور دین کی ضروریات سے خود واقف ہو سکیں - اِلّا یہ یاد رکھیں - کہ پڑھی لکھی عورت کسی جاہل کو نہ بیاہ دیں - کیوں ؟ اِس کا نتیجہ عام طور پر اچھا نہیں نکلیگا +

(۴) اب ہم چند فقرے اُس مشہور لکچر کے لکھتے ہیں - جو ایک دیسی عالمہ نے شروع دسمبر ۱۸۸۷ء میں تعلیم نسوان کی ترغیب میں

بمبئی کے جوانوں کے سامنے دیا تھا اور وہ یہ ہیں۔ کہ اگر آپ اپنی
نظر اُٹھا کر اپنے گرد وپیش دیکھیں۔ تو آپ کو ایک دوسرے کے
کار و بار میں بہت سے نقص معلوم ہونگے۔ لیکن اگر آپ اپنے ہی گریبان
ہیں مُنہ ڈال کر دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اپنے ہی گھروں میں کس قدر
کام درستی کا محتاج ہے۔ لیکن مردوں میں تعلیم کے پھیلنے سے ان میں
اور اُن کی عورتوں میں نا اتفاقی کی غار زیادہ فراخ ہوتی جاتی ہے۔
جس کے پُر کرنے کا اعلےٰ کام ہر ایک راحت کے خواہشمند کو دل
سے کرنا چاہئے۔ اُٹھو۔ اے جوانو! کمر ہمّت کو چست کرو! اور عورتوں
کو پڑھاؤ! پھر تمہارے گھروں کی خانگی نا چاتیاں دیکھیں۔ کیوں دور
نہیں ہوتیں؟ پُرانی کتابوں کو دیکھو۔ لیلاوتی۔ متری۔ گارگی۔ سیتا اور
دروپدی کے واقعاتِ زندگی پڑھو۔ اور دل کو تسکین دو۔ کہ میرا کہنا بیجا
بکنا نہیں۔ اگر پُرانے خیال کے آدمی مخالف ہوں۔ تو کیا تمہیں بھی جو
نو تعلیم یافتہ ہو۔ زمانے کی رفتار کو نہیں دیکھنا چاہئے؟ پس اے
عزیزو! اس نیک عورت کی نصیحت پر عمل کرنے کے واسطے دل
سے طیار ہو جاؤ! اور عورتوں کی تعلیم میں سچے دل سے کوشش
کرو! اور پھر اپنے ملک میں سے جہالت کو دور اور افلاس کو کافور
ہوا سمجھو۔

جب جہالت دُور ہوگئی۔ تو کل برکتیں ملک ہند پر نازل ہونگی۔ پھر ہم بھی صنعتوں کے موجد کہلائینگے۔ اور ملک کی جاتی دولت کو تھام لینگے اس وقت وہ لوگ جو اب ہم کو نیم وحشی کہتے ہیں۔ خود بخود مہذب کہنے لگ جائینگے۔ شکر ہے کہ گورنمنٹ کو تعلیم نسوان کی طرف کچھ توجہ ہوئی ہے۔ مگر اس میں کامیابی کے لئے بہت عرصہ درکار ہے کیوں ؟ نہ اس وقت لائق معلمہ دستیاب ہوتی ہیں۔ اور نہ ہمارے معزز اور لایق دیسی بھائی گورنمنٹ کے اس نیک ارادے کی تکمیل میں سچے دل سے کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں عجز کے ساتھ ملتمس ہیں۔ کہ وہ اِس نیک کام میں (جو اُن کے ہی فائدے کا ہے) اپنی مہربان گورنمنٹ کی پوری پوری مدد کریں۔ تاکہ ہمارے گھر علم۔ دولت اور خوشی کے مخزن بن جائیں +

کتابوں اور اخباروں کا مطالعہ

انسان[1] کی تعریف۔ یورپ[2] میں روشنی کا پھیلنا۔ دانشمند[3] کن کتابوں کو مطالعہ میں رکھتے ہیں ؟ علم کی حدیں نہایت وسیع ہیں۔ اخباروں[5] کے پڑھنے کے فائدے +

(۱) جہانتک ہماری سمجھ ہے اور جہانتک ہماری نگاہ پہنچتی ہے

ہم انسان کے وجود کو ایک ایسا بیش بہا جوہر پاتے ہیں۔جس کی نظیر قدرت کے کار خانے میں نہیں ملتی۔جیسے موتی کا بیش بہا ہونا اُس کی جلا پر موقوف ہے۔اسی طرح انسان کے وجود کا زیادہ قابل وقر ہونا کسی علم یا ہنر کے حاصل کرنے پر منحصر ہے۔بشرطیکہ وہ بھی کمال تک پہنچا ہو۔ایک فلاسفر کا قول ہے کہ سب سے زیادہ تربیت کی محتاج وہ شے ہے۔جس میں سب سے زیادہ قابلیت و استعداد ہو۔اس لئے انسان کی ذات جو غیر محدود کمالات کی قابلیت رکھتی ہے۔موجودات میں اُس سے بڑھ کر اور کون زیادہ تر تربیت کی محتاج سمجھی جائے۔بلکہ انسان کو وہ حالت نصیب ہونی ممکن ہی نہیں۔جس کے بعد اُس کو ترقی کی ضرورت باقی نہ رہے ✣

(۲) یہ تو تم بھی جانتے ہوگے۔کہ برّاعظم مغربی کے باشندوں نے علم و ہنر اور شائستگی کا عَلَم کس بلندی پر کھڑا کیا ہے۔جس کو ہم بمشکل دیکھ سکتے ہیں۔اور اُس برّاعظم کے نصف النہار پر تہذیب کا آفتاب بڑی آب و تاب سے درخشاں ہے۔جس کی چمک سے جہاں کی آنکھوں میں چکا چوند آ رہی ہے۔اور دن بدن اُس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے۔اگرچہ ہمارے ملک پر بھی اس کی شعاعیں کسی قدر آنے لگی ہیں۔مگر ہنوز جہالت کے بادل کا سایہ اس پر سے

دور نہیں ہوا۔ اس واسطے اس روشنی سے ہمیں اس وقت تک کسی
قسم کے فائدے کی توقع نہیں۔ جب تک کہ ہم خود اس بر اعظم والوں
کے قدم بہ قدم نہ چلیں۔ ملک یورپ میں ایسی شائستگی کہاں سے
آئی۔ اور کیونکہ آ رہی ہے؟ اور اہل یورپ کی حکومت اور ثروت کا ڈنکا
دنیا میں کیوں بج رہا ہے؟ بڑے خونخواروں اور زبردست بادشاہوں
نے ان کا لوہا کیوں مانا ہے؟ ٹھیرو! ہم تمہیں بتاتے ہیں ؎

(۳) تم نے کبھی کسی انگریز کے تقسیم اوقات پر بغور نظر کی ہے
جہاں وہ ضروریات زندگی کے اور کام کرتے ہیں اور اُن کے واسطے وقت
مقرر کر رکھے ہیں۔ وہاں کتابوں اور اخباروں کے مطالعہ کے لئے بھی
خاص وقت مقرر ہے۔ جس سے اُن کی معلومات روزانہ ترقی کرتی جاتی
ہے۔ وہ تمہاری فضول قصّے اور عشقیہ مضمون کی کتابوں کا مطالعہ
نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایسی کتابیں اخلاقی زندگی کے
لئے زہر قاتل کا اثر رکھتی ہیں۔ اور نیز بے نتیجہ کتب و مضامین
کا مطالعہ تضیع اوقات میں داخل سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ عموماً مفید
کتابوں کو زیر نظر رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مشکل ہے۔ کہ کون کونسی
کتاب مفید ہے۔ اور کون کون غیر مفید۔ مگر میری دانست میں
ریاضی اور حکمت کی کتابیں مع ان سب کتب کے جو اخلاق پر

بڑا اثر نہیں پیدا کرتیں۔ مطالعہ میں رکھنے کے قابل ہیں ٭

(۴) خود علم تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ اس کی تہ کو پہنچنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ تم تو شاید سمجھتے ہوگے۔ کہ چٹھی کا لکھ پڑھ لینا۔ اور اعمال اربعہ اولیۃ تک حساب کا جاننا۔ اور معمولی زباندانی اور اقلیدس الجبرا۔ جغرافیہ۔ تواریخ۔ طبعیات وغیرہ جو تم نے استاد سے پڑھا ہے۔ بس یہی علم ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ تو اس سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے مشابہ ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے۔ بس وہی تمہاری زندگی کی ضرورتوں کو کافی ہے۔ ہرگز نہیں۔ دیکھئے نیوٹن صاحب جو انگریزوں میں پیغمبر علم ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ وہ بہت بڑے فاضل تھے۔ لیکن پھر بھی کہتے تھے۔ کہ بحر بے پایاں علم کے مقابلے میں میرا علم اس لڑکے کی طرح ہے۔ جو سمندر کے کنارے کنارے سیپیاں چُن رہا ہو۔ اور اندر کے موتیوں سے بے خبر ہو۔ بھلا جہاں اتنے بڑے عالم کا یہ خیال ہو۔ وہاں تم کس گنتی میں ہو لیکن کبھی اُن پر بھی زمانہ طالب علمی تمہاری طرح آیا تھا۔ اور نیز اُن سب پر بھی جو زمانے میں ان کے برابر یا اُن سے بہتر ہوئے ہیں۔ مگر سب مستند فضلاء نے اس قدر قابلِ شہرت لیاقت اپنے معمولی استاد سے حاصل کی۔ بلکہ ایک ایسے استاد سے حاصل کی ہے۔ جو بلا تنخواہ

و بدون کسی قسم کے احسان جتلانے کے تازیست ہمراہ رہ سکتا ہے - وہ مطالعہ + بیکن صاحب نے کہا ہے - جہاں خوشخطی اور خوش خوانی سے توجہ تام - اور ریاضی سے دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے - اور تواریخی کتابوں سے اَوَروں کے تجربے ہاتھ لگتے ہیں - اور جغرافئے سے گھر بیٹھے دنیا کی سیر ہو جاتی ہے - وہاں مطالعہ کتب میں سب کچھ آ جاتا ہے - ارنالڈ صاحب نے لکھا ہے "کہ میں کتابوں کے وسیلے سے خط استوا قطبین تک اور ابتدائے دنیا سے اب تک کا حال معلوم کر سکتا ہوں - بڑے بڑے فلاسفر مجھے حکمت کی باتیں بتلا رہے ہیں - شاعر اپنے شعر سنا رہے ہیں - اور فصیح لوگ اپنی تقریریں میرے سامنے کر رہے ہیں - غرض اگر مطالعہ کتب کی چاشنی لگ جائے - تو پھر سب کچھ ہیچ ہے - شہنشاہ جرمن (ولیم) مرحوم نے ایک موقع پر فرمایا تھا - کہ میں سب سے زیادہ ایک طفل مکتب پر بھروسا رکھ سکتا ہوں - یا اُس کے قابل تعظیم ہونے کی امید کر سکتا ہوں - کیونکہ معلوم نہیں - کہ وہ جوان ہونے پر اپنی محنت و مطالعہ سے کس درجے کا حکیم یا شجاع یا کس کس فن میں شہرۂ آفاق ہو - کیونکہ اس میں قابلیت اور جلد اصلاح پذیری کا مادّہ زیادہ موجود ہے - جیسے گیلی لکڑی کو جس طرح چاہیں جھکا لیں لیکن سوکھی میں یہ قابلیت نہیں رہتی وہ جھکانے پر ٹوٹ جاتی ہے - بچے گیلی اور پختہ عمر

جوان سوکھی لکڑی کی مثل ہیں ÷

(۵) چونکہ ہر ایک علمی شاخ کی کتابیں بے شمار ہیں۔ اس لئے کل علموں کے اصول و فروع پر قادر ہونا (جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے)۔ انسانی کوشش سے خارج ہے۔ اِلّا جس کو مختلف علوم و فنون اور ان کے عمل و تجربات اور نئے نئے اختراعات اور علوم جدید سے باخبر ہونا منظور ہو۔ اور رفتار زمانہ اور تازہ حالات دنیا سے آگاہ رہنا چاہتا ہے۔ وہ اخباروں کا مطالعہ جاری رکھے۔ اخباروں سے ملک میں علم و شائستگی کی روشنی پھیلتی ہے۔ اور جہالت کی تاریکی اس طرح دور ہوتی ہے۔ جیسے بے ایمانی راستی سے۔ چوہا بلی سے۔ ان میں بھی بعض متین ہیں۔ اور بعض ظریف (پنچ)۔ جو بات ایک اخبار متانت سے گورنمنٹ یا سوسائٹی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ دوسرا اسی کو ظرافت کے پیرائے میں یا صرف کارٹون (تصویر) کے ذریعے سے۔ مگر ظریف اخبار بچوں کے پڑھنے کے لائق نہیں ہوتے۔ کیوں؟ ان کے مضامین کی باریکیوں کو پہنچنا بچوں کی سمجھ سے باہر ہے اور ظاہری حالات ان کے اخلاق پر خراب اثر پیدا کرتے ہیں۔ اس ساری بحث سے یہی غرض ہے۔ کہ انسان اگر کاملیت چاہتا ہے۔ اور اپنی علمی، عقلی اور مالی حالت کی ترقی و درستی کا طالب ہے

تو اپنے لئے دن رات میں کوئی سا وقت کتابوں اور اخباروں کے
پڑھنے کے واسطے اپنی مرضی کے موافق مقرر کرلے - اور جو کچھ ہر روز
پڑھے - پھر اس پر عمل بھی کرے - کیونکہ مطالعہ کا اصول (اسلف ہلپ)
یا اپنی مدد آپ کرنے کا ہے - اور یہ مشہور ہے کہ جو اپنی مدد آپ کرتا
ہے - خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے - ورنہ تھوڑا سا پڑھ کر پڑھا ہوا
کہلانا اور مطالعہ سے جی چُرانا طالب علمی کے نام کو ڈبونا ہے - اور
خود جہالت کے جنگل میں جہل مرکب کے سبب سر گردان پھرنا ہے
پس ہم اگر طالب علمی کو ایک جسم فرض کریں - تو مطالعہ اس میں
جان ہے - جس سے بدن ساکن یا متحرک ہو سکتا ہے - لیکن اگر
طالب علمی میں اپنی مدد آپ کرنے کا اصول داخل نہ ہو - تو وہ مثل پڑے
ہوئے مردار کے ہے - جس سے بجز گندہ مغزی کے کچھ فائدہ نہیں
ملتا - اس حالت میں ماں باپ اور استاد کی کوشش بھی مفید اثر پیدا نہ
کریگی - کیونکہ جس کو بھوک نہ ہو - اس کو ہم جبراً کھانا نہیں کھلا سکتے
اگر اس کو بھوک ہوگی - تو ہماری ترغیب کے بغیر خود ہی غذا حاصل کرنے
کی کوشش کریگا - اور وہ زیادہ تر مفید پڑیگی - اور اس کی تندرستی غالباً
قائم رہیگی - پس میری دانست میں خوش نصیب وہ طالب علم ہیں -
جن کو مطالعہ کا شوق لگ جائے - جس سے مدت العمر علم و عمل کی

ترقی کو جاری رکھیں - اور کسی وقت کو عمدہ فلاسفر ہو جائیں ٭

خط وکتابت کس طرح کرنی چاہیئے؟

خط[1] وکتابت کا پرانا دستور - نیا طریق[2] - انگریزی[3] - دیسی[4] - سرکاری[5] - خط[6] وکتابت پر چند مفید باتیں ٭

(۱) پہلے تو یہ دستور تھا - کہ کاتب اپنے مکتوب الیہ کو جب لکھتا تو اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے لئے مشکل الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر درج کرتا - قافیہ کا خیال رکھتا - مشکل استعارے استعمال کرتا - فقروں میں بڑے ایچ پیچ کی ترکیبیں ڈالتا - خط لکھنے میں بڑا وقت ضائع کرتا - خواہ خط میں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا - کہ یہاں خیریت ہے - اور آپ کی صحت مطلوب ہے - مگر اس کے لئے بھی صفحے کے صفحے سیاہ کرتا - مکتوب الیہ خط پاتے ہی مشکلات میں پھنستا - مطلب نکال لیتا - تو گویا ایک بھاری مہم سے سبکدوش ہوتا - پھر وہ بھی اس کے جواب لکھنے کی تیاری کرتا - اور اس سے بڑھکر اپنی طبیعت کا زور دکھاتا - خطوں میں پہلے القاب پھر آداب - پھر معمولی الفاظ خیریت - پھر مطلب - پھر دعا - یہ باتیں ہوتیں ان میں شعر اور ضرب المثلیں لکھی جاتیں - جو خط ان باتوں سے خالی ہوتا - وہ پسند نہ کیا جاتا - عبارت کی سادگی بے لیاقتی کی علامت تھی

مکتوب الیہ کے واسطے وہ الفاظ استعمال کئے جاتے۔ کہ اگر آج استعمال کئے جائیں۔ تو ہنسی میں اُڑائے جائیں۔ ایک ایسے شخص کے واسطے سکندر طالع۔ فریدوں جاہ لکھنا عیب نہ تھا۔ جس کے پاس رہنے کے لئے اپنی ملکیت سے ایک جھونپڑا بھی نہ ہو۔ حاتم زمان اس کو بھی لکھتے۔ جس نے عمر بھر میں ایک پیسہ بھی خدا کی راہ میں نہ دیا ہو۔ غرض یہ تو القاب کا حال تھا۔ آداب کا اس سے بھی بُرا حال کرتے۔ بڑے بڑے مترادف الفاظ اور فقرے۔ عجز و انکسار۔ اور تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے لکھے جاتے۔ مثلاً معمولی سلام کے لئے پس از تبلیغ مراسم عبودیت و کورنشات بے غایات و بعد از جبین سائی و ناصیہ فرسائی وغیرہ۔ اسی طرح خبر خیریت وغیرہ کا حال ہوتا۔ لیکن اُس زمانے میں ایسا لکھنا کچھ عیب نہ تھا۔ خط و کتابت کا ڈھنگ سکھلانے کے لئے بڑی بڑی ضخیم انشا تیار ہوتی رہیں۔ اور عمر کا ایک حصہ ان کے پڑھنے میں صرف ہوتا رہا۔ ما سوا اس کے بہت سے خطوط مختلف ڈھنگ اور قسم کے جمع کئے جاتے۔ اور وہ پڑھے جاتے۔ جب جا کر برسوں کی محنت کے بعد مشکل سے خط لکھنے کی طرز آتی۔ اخیر چغتائی زمانے میں اردو کا رواج ہوا۔ جب صاحبان انگریز کی حکومت ہوئی۔ انہوں نے اُردو زبان کو دفتر کی زبان قرار دیا۔ ڈاک کا انتظام

کر دیا۔ خط و کتابت نے بڑی ترقی حاصل کی۔ کیوں؟ پہلے سخت ضرورت کے سوا خط نہ لکھے جاتے تھے۔ اس لئے کہ خاص قاصد خط پہنچانے کو روانہ کرنے پڑتے تھے۔ جو بھاری اُجرت پر بہم پہنچتے تھے۔ اب وہ وقت رفع ہوئی۔ پیسہ دو پیسہ میں کام چلنے لگا۔ پہلے جو ایک ملک کے والی کے نام خط آتے جاتے۔ اب اس سے بڑھ کر ایک معمولی کارخانہ دار کی خط وکتابت ہوتی ہے۔ زمانہ آسانی پسند ہو چلا ہے۔ اب پُرانے طریقے کی تحریر کی تقلید کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے چند تازہ مروّجہ دستور ذیل میں دکھلائے جاتے ہیں +

(۲) موجودہ زمانے کی رفتار کے مطابق اب آسان لفظوں میں خط و کتابت کرنا قابلیت میں داخل ہے۔ زیادہ لائق زیادہ آسانی پسند ہیں +

(۳) انگریزی خواں القاب میں صرف ڈیڑ (پیارے) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً میرے پیارے باپ یا پیاری ماں یا بہن یا بھائی یا دوست وغیرہ اس سے آگے مطلب شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی بیماری ہے یا کچھ نقصان ہوا ہے یا کوئی مرگیا ہے تو صاف صاف لکھ دیا ہے اگر خیر و عافیت ہے۔ تو اس کے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بیماری کی خبر خط میں نہ ہونا ہی خیر و عافیت پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب ادا کرنے کے بعد راقم آپ کا بھائی یا دوست یا فرزند فلاں لکھ دیتے ہیں۔

مگر خط کی پیشانی پر پہلے تاریخ اور مقام (جہاں سے لکھا گیا) لکھا جاتا ہے

(۴) اگر انگریزی تقلید مطلوب نہ ہو۔ کیونکہ اس میں زیادہ سادگی ہے۔ تو اس کے قریب قریب جو دیسی طریق اختیار کرنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ باپ کو لکھنا ہو۔ تو والد بزرگوار من یا قبلہ ام سلامت لکھ دو۔ آگے دوسری سطر میں لفظ صرف آداب یا آداب عرض۔ یا تسلیمات لکھ کر مطلب شروع کر دو۔ فقرے چھوٹے چھوٹے ہوں۔ حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اخیر میں اپنا نام۔ مقام و تاریخ۔ اسی طرح اگر ماں کو تو والدہ صاحبہ مکرمہ سلامت۔ یا والدۂ ماجدۂ من سلامت لکھو۔ آگے آداب پھر مطلب وغیرہ +

اُستاد کو لکھنا ہو۔ تو مخدومی یا منبع علوم و فنون سلامت لکھو۔ پھر اداب اور اس کے بعد مطلب اور اخیر میں آپ کا خادم فلاں۔ مقام و تاریخ لکھ دو +

چھوٹا بھائی یا بیٹا یا شاگرد وغیرہ ہو۔ تو صرف عزیز من ہی لکھنا کافی ہے۔ دوسری سطر میں دعا اور پھر مطلب اور اخیر میں اپنا نام وغیرہ یا تمیز کے واسطے چھوٹے بھائی کو برادر عزیز من سلامت۔ اور بیٹے کو برخوردار من اور شاگرد کو تلمیذ با تمیز من لکھنا مناسب ہوگا +

دوست یا ہمسر ہو۔ تو اُسے محب من یا مہربان من سلامت۔ یا مکرم بندہ یا رفیق من لکھدو۔ دوسری سطر میں صرف لفظ شوق یا نیاز

یا تسلیم لکھ کر مطلب شروع کر دو۔ اخیر میں راقم آپ کا صادق فلاں یا صادق محب یا نیاز مند وغیرہ لکھنا چاہیئے ٭

(۵) سرکاری خط وکتابت میں حکام کی طرف سے سرے پر بجالی جناب فلاں صاحب مع عہدہ ومقام دام اقبالہٗ لکھو۔ لیکن حاکم کا نام لکھنا مناسب نہیں ہے۔ صرف عہدہ لکھنا کافی ہوگا۔ کاغذ پر تھوڑی جگہ چھوڑ کر لفظ جناب عالی درمیان صفحے کے لکھو۔ پھر دوسری سطر میں بڑے ادب کے ساتھ مطلب شروع کرو۔ اخیر پر راقم حضور کا فرمانبردار خادم ایک سطر میں اور نیچے اپنا نام مع عہدہ ومقام وتاریخ لکھنا چاہیئے ٭ برابر کا ہو۔ تو فلاں مع عہدہ ومقام کی طرف سے بخدمت فلاں مع عہدہ ومقام درمیان صفحہ کے تاریخ اور نمبر (اگر کوئی ہو) لکھنا چاہیئے۔ پھر جناب من یا صاحب من۔ جیسا مناسب ہو۔ لکھکر مطلب شروع کرنا چاہیئے۔ اپنے دستخط نیچے کرنے چاہئیں ٭

اور جو ماتحت کے نام ہو۔ تو سرے پر محکمہ یا عدالت کا نام ہو۔ کچھ جگہ چھوڑ کر عہدے دار کا نام مع عہدہ بشرطیکہ وہ حکم صرف اس کی ذات سے متعلق ہو۔ بصورت دیگر عہدہ دار مع مقام لکھنا واجب ہے۔ دوسری سطر میں حکم کا مضمون۔ اخیر میں تاریخ پر بند کیا جائے٭ دستخط یا مہر (اگر کوئی ہو) اوپر خالی جگہ چھوڑی ہوئی پر ثبت کی جائے

باقی خط وکتابت میں جیسا جس کا جی چاہے کرے ؞

(٦) اب چند اور مفید باتیں خط وکتابت کے متعلق سن لو۔ اپنے سے بڑے کے ادب کا لحاظ ہمیشہ رکھو برابر والوں اور چھوٹوں کو بھی خلاف تہذیب کوئی لفظ نہ لکھو۔ وہ بات نہ لکھو۔ جس کو تم ثابت نہ کر سکو۔ لکھتے وقت قانون انگریزی کا ہمیشہ خیال رکھو۔ تمہاری تحریر کبھی خلاف واقع مضمون نہ ہو۔ ایک لفظ بھی فضول مترادف نہ ہو۔ کسی چٹھی میں نہ تم قسم کھاؤ۔ اور نہ دوسرے سے التجا کرو۔ تم کا لفظ اپنی تحریروں میں بشرطیکہ سرکاری نہ ہوں۔ استعمال نہ کرو۔ اس کی جگہ آپ کا لفظ لکھنے میں تمہاری شان نہیں گھٹتی۔ خط میں کسی کی نسبت ٹھٹھے یا مسخرے پن کی بات نہ لکھو۔ کیونکہ پھر وہ بھی تمہاری نسبت لکھیگا۔ اور معاملہ طول پکڑیگا۔ بڑا نقصان یہ ہے کہ مسخرے آدمی کا رعب کم ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ظریف طبع اپنی عزت کا دشمن ہوتا ہے۔ متانت بڑا عمدہ جوہر ہے۔ تحریر میں احتیاط کے ساتھ اس پر چلو۔ خط لکھنے میں تنگ بندی نہ کرو۔ اس سے اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے۔ طول تحریر کو چھوڑو۔ مختصر نویسی اختیار کرو۔ مطلب صاف صاف لکھو۔ فقرے لمبے لمبے نہ ہوں۔ ایسا خط لکھو کہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ آسانی سے پڑھ لے۔ مطلب سمجھ لے۔ خط کے القاب میں کسی کا نام لکھنا

مناسب نہیں - بشرطیکہ پوسٹ کارڈ ہو - کیونکہ اس کی پُشت پر نام اور مقام اور ضلع لکھنا واجب ہے - کسی کو سخت الفاظ میں کبھی چٹھی نہ لکھو - تمہیں کوئی لکھے - تو بڑی نرمی اور لیاقت سے جواب دو - کیوں؟ مہذب آدمی کی یہی پہچان ہے - کہ نہ زبان سے گندے لفظ نکالے نہ قلم سے - مجھے امید ہے کہ تم ضرور مہذب انسان بننے کی کوشش کروگے

بچّوں کو زیور نہ پہناؤ!

بچوں کو زیور پہنانے کی رسم - زیور کس غرض سے پہنائے جاتے ہیں - زیور پہنانے کی بُرائیاں - زیور نہ پہنائیں - تو اور کیا کریں؟

(۱) جہاں ہمارے ملک میں اور بُری رسمیں مروج ہیں - وہاں بچّوں کو زیور پہنانا بھی ہے - گو اس کا موجد معلوم نہیں - تاہم یہ بہت قدیمی رسم اس ملک میں چلی آتی ہے - عجب نہیں کہ زمانۂ جہالت کے ساتھ ساتھ اس ملک میں آئی ہو - جیسے ہندوستانیوں کی بھیڑ چال مشہور ہے - اس رسم کو بھی یہاں کی سب قوموں نے اختیار کر لیا ہے - خصوصاً ہماری عورتیں، جو اکثر کوتہ اندیش ہوتی ہیں - پُرانی رسموں کی بڑی پابند ہیں - اور جاہلانہ ضد کے باعث مردوں کو ان کے قایم رکھنے پر مجبور کرتی ہیں - لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا

چاہئے۔کہ مرد اس الزام سے بری ہیں۔کیونکہ یا تو مرد اپنی خوشی سے آپ عورتوں کے ہم خیال ہیں۔یا مجبوراً اُن سے متفق ہو جاتے ہیں۔پہلی صورت میں عورتوں پر کیا الزام۔مرد خود زن طبع ہوئے۔دوسری صورت میں بھی ان پر زن پرستی یا زن مریدی کا دھبّا لگ سکتا ہے۔بلکہ ہمارے دیسی بھائی تو ایسے ہیں کہ پُرانی رسموں پر چلنا ہی اپنا دھرم ایمان سمجھے ہوئے ہیں۔ان کی ضد عورتوں کی ہٹ دھرمی کے بھی کان کترتی ہے +

(۲) میرے دوستو! کیا زیور پہنانے سے آپ کی یہ غرض ہے۔کہ ہماری اولاد خوبصورت معلوم ہو؟ یا لوگ ہم کو دولتمند خیال کریں؟ یا ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کسی اچھے خاندان میں سگائی ہو جائے۔یہی خیال ہیں تو محض فضول ہیں۔کیوں؟ اپنی اولاد ماں باپ کو ہمیشہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔چاہے زیور نہ پنے ہو۔جیسے ایک نہایت غریب یا کمین کو اپنا بچہ پیارا اور شکیل معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح ایک دولتمند یا شہنشاہ کو بھی۔یہی دھوکا انسان اپنی عقل پر کھاتا ہے۔مثلاً پرنس بسمارک سابق وزیر جرمن یا مسٹر گلیڈ سٹون سابق وزیر انگلینڈ اپنے آپ کو کل دنیا میں دانشمند سمجھتے رہے ہوں۔تو بیجا نہیں۔کیوں؟ وہ اس لائق تھے۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے۔کہ ایک انپڑھ گنوار بھی اپنے آپ کو عقلمند ہی

ہیں کسی سے کم نہیں سمجھتا"۔ حق یہ ہے۔کہ بد صورت کو زیور بھی قبول صورت نہیں بنا سکتا۔ اور خوبصورت کے لئے خود اُسی کا جمال ایک نہایت عمدہ زیور ہے۔ دیکھو! چاندبن گنے ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔۔ دوم دولتمندی کسی سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ بھلا یہ کیا ضرور ہے؟ کہ دولت دکھانے کا ذریعہ بچوں کو زیور پہنانا ہی ہو اور بھی تو بہتیرے نیک وسائل دولت نمائی کے ہیں۔ مثلاً مفلس لڑکوں کو کتابیں لے دو اور جو طالب علم فیس ادا کر سکتے۔ اُن کی فیس دیدو۔ غریب بیماروں کو کھانا دو۔ دوائی دو۔ ننگوں کو کپڑے پہناؤ۔ یونیورسٹی میں اپنے بیٹے کے نام سے وظیفہ جاری کراؤ۔ اور جن لوگوں نے سوسائٹی کے فائدے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ ان کی مدد کرو۔ اچھا؟ جب تم قرض اُٹھاکر بچوں کو زیور پہناؤ گے۔ تو پھر بھی دولتمند کہلاؤگے؟ ہرگز نہیں۔ ایک ظریف کہتا ہے۔ کہ اگر دولت نمائی کا اعلان بچوں کی معرفت کرنا چاہتے ہو تو زیور پہنانے کے عوض اُن کے گلے میں موجودہ مال و دولت کی مفصل فہرست یا صرف اُن کی میزان ہی کاغذ پر لکھا لٹکا دو۔ اس کی تدبیر سے تمہاری دولت معلوم بھی ہو جائیگی۔ اور بچہ بھی ہلاکت سے بچیگا۔ سوم وہ سمدھی جو دھوکے کی ٹٹی میں پھنستا ہے۔ یعنی ظاہری نمود کو پسند کرتا ہے۔ اور اسی نمود پر فریفتہ ہوکر اپنی پیاری اولاد کی منگنی کرتا ہے۔ اور چال و چلن۔ لیاقت

شرافت اور شکل و شباہت دیکھنے کی جگہ صرف چاندی سونے کے زیور کو دیکھتا ہے۔ وہ بالکل نا عاقبت اندیش اور جاہل ہے۔ جب تک یہ فضول خیالات ملک سے دور نہ ہونگے۔ شائستگی کا آنا مشکل ہے ٭

(۳) اے بے ترس بھائیو! تم نہیں دیکھتے۔ کہ یہ مرض کیسا مہلک ہے اور سال بھر میں کتنے معصوم بچے اس کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہیں۔ جس میں کوئی نہ کوئی واردات نہ ہو جاتی ہو۔ بچہ بے سمجھ ہوا۔ تو بد معاش صرف زیور پر کفایت کرتے ہیں۔ "ورنہ زیور اُتار کر اس کو کسی کنوئیں میں ڈالدیتے ہیں۔ یا زمین میں گاڑ دیتے ہیں یا گلا گھونٹ کر کسی کھنڈر یا ویرانہ یا کھیت میں پھینک دیتے ہیں۔ چلو پھر ساری عمر اس پیاری ننھی جان کو یاد کرکے رؤیا کرو" بیشک تم اپنی طرف سے محبت کرتے ہو۔ پر تمہاری محبت بھی دشمنی سے کم نہیں۔ افسوس ہے۔ کہ ہمیشہ تم ایسے حادثے آنکھوں سے دیکھتے یا کانوں سے سنتے ہو۔ لیکن پھر بھی تم کو عبرت نہیں ہوتی۔ بالفرض تم اپنے بچوں کی بخوبی حفاظت کرتے ہو اور محتاط رہتے ہو۔ مگر پھر بھی انسان ہو۔ کبھی خطا کر گئے۔ یا غافل ہوئے۔ تو بد معاش جو موقع کے منتظر ہوتے ہیں۔ اور جن کے منہ میں لالچ کا پانی بھرا ہے۔ تمہاری کمائی کو خاک میں ملا جاتے ہیں۔ اور غضب یہ ہے۔ کہ ایسے مجرم گرفتار بھی کم ہوتے ہیں ٭

اے مشفقو! اپنی عزیز اولاد پر رحم کرو۔ انہیں زیور پہنا کر بچپنی میں موت کا شکار نہ بناؤ۔ مانا کہ بچے کو ایذا نہیں پہنچیگی۔ مگر زیور بنوانے میں جو زر کا نقصان ہوتا ہے۔ اُس کو کیوں گوارا کرتے ہو؟ ظاہر ہے کہ اگر زیور بنوا کر اسی وقت بیچنا چاہیں۔ بشرطیکہ کھرا بنا ہوا ہو اور خریدار بھی خواہشمند ہو۔ تو بھی ممکن ہو۔ کہ اصل لاگت سے کم رقم وصول ہو۔ یا اُس کے بنوانے کی اُجرت گرہ سے جائیگی۔ جب زیور استعمال میں آئیگا تو گھسیگا۔ روپیہ برباد جائیگا۔ بچے کے ہاتھ پاؤں۔ زیور کے رگڑنے سے کالے کالے رہینگے۔ ذرا اس معاملے کو پیش نظر رکھ کر سوچو یہ رسم بھی آتش بازی کی طرح ہے۔ جو بیوقوفی سے شادیوں میں پھوڑی جاتی ہے۔ گھر پھونک تماشہ دیکھنے کی مثل اس پر صادق آتی ہے۔ اس میں مال کی بربادی کے سوا پیاری پیاری ننھی جانیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ ادھر پیارے بچے کے فراق سے جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ ادھر لوگوں کے طعنے اور تشنیع سُننے پڑتے ہیں۔ گھر سے جان و مال گیا۔ اور اپنی نادانی پر جگ ہنسائی جدا ہوئی۔ پس نقصان مجسم رسم کو بالکل موقوف کرو۔

(۴) اپنے بچوں کو پیار کرتے ہو۔ تو ان کی حفظ صحت میں کوشش کرو۔ چھوٹے چھوٹے ہوں تو دو تین دفعہ جوان ہونے تک ٹیکا لگواؤ۔ گرمیوں میں دھوپ سے بچاؤ۔ جاڑوں میں سردی نہ کھانے دو۔ مناسب کپڑے پہناؤ

سوائے منہ ہاتھ کے ننگا نہ رہنے دو۔ آوارہ نہ پھرنے دو۔ حفظ صحت کے قاعدوں کے مطابق کھلاؤ۔ پلاؤ۔ ان کی تعلیم میں روپیہ خرچ کرو! اچھے ہنر سکھلاؤ۔ بُری صحبتوں سے بچاؤ۔ بد زبانی سے روکو۔ بھلا یہ کیا عقلمندی ہے۔ کہ یوں تو بچہ گہنوں سے لدا ہؤا ہو۔ اور بدن سے ننگا پھرا کرے۔ اور جو اُس بچے مفید زیور علم و ہنر ہے۔ اس سے محروم رکھو اور چاندی سونے کے گہنے سے جو گویا جانستان دشمن ہیں۔ اُس کو آراستہ کرو + غرض جو عورتوں کے کہنے پر بچوں کو زیور پہناتے ہیں۔ یا اور لوگوں کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ عنقریب اپنی نا عاقبت اندیشی کا مزا چکھینگے۔ اور اپنے کئے پر آپ پشیمان ہونگے۔ اور پھر اس وقت کی پشیمانی بے سود ہوگی + پس مجھے امید ہے۔ کہ تم اے ہونہار طالبعلمو! جب گھر والے بنوگے۔ تو ضرور اس بُری رسم کو موقوف کر دوگے۔ کیوں؟ یہ سراسر نقصان مجسّم ہے۔ اور دانائی اسی میں ہے۔ کہ نفع و نقصان کی بخوبی تمیز کی جائے۔ یہ نہ ہو۔ تو پھر عقلمندی کیسی؟ اور آدمیت کیا؟

ناتہ اور بیاہ

شادی[1] کی ضرورت اور فضول خرچی کے نقصان۔ چھوٹی[2] عمر میں شادی نہ کرو۔ بیاہ[3] میں دولھا اور دلھن کی رائے بھی ضرور لو۔ ایک[4] عورت کی

موجودگی میں دوسرا بیاہ مت کرو۔ نصیحتیں اور نتیجے جو اس مضمون کے متعلق ہیں *

(۱) دنیا کے عمدہ انتظام کے لیئے ضرور ہے۔ کہ کوئی شخص کسی کے حقوق میں دست اندازی نہ کرے۔ اور اپنے حقوق کی محافظت آپ کرے۔ اسی واسطے ناطے اور بیاہ کا ہونا اور با قاعدہ ہونا واجب ہے۔ چونکہ نر و مادہ کی پیدایش اور اُس کی علت غائی پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرتاً ان کی مناسبت جائز ہے۔ لیکن اگر اس بارے میں سوسائٹی کے کسی عمدہ مجوزہ اصول کی پابندی نہ کی جائے۔ تو انتظام میں ابتری پیدا ہو جائے۔ اور پھر اس سے بہت بُرے نتیجے نکلیں۔ بس اب اعتراض اصول پر تو نہیں۔ خود ساختہ فضول مصارف پر ہے۔ یا ناتے کے بارے میں جو بے احتیاطیاں کی جاتی ہیں۔ ان پر ہے * یہ ضرور نہیں ہے۔ کہ شادیوں پر اندھا دھند خرچ کیا جائے۔ اگر با سلیقہ تھوڑے خرچ سے شادی کی جائے تو بھی اس سے وہی فائدے حاصل ہوں۔ جو زیادہ خرچ کرنے سے ہوتے۔ لیکن یہ کوتہ اندیشی اپنی تعریف سُننے کے واسطے کی جاتی ہے۔ ذرا یہ تو فرمائیے۔ کہ مفت خوروں کی واہ واہ سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ اس سے نہ بھوک دور ہوتی ہے۔ نہ پیاس بجھتی ہے۔ نہ تندرستی کو مفید ہے۔ نہ سچی عزت حاصل ہوتی ہے۔ البتہ جو مال تم نے بڑی محنتوں سے کمایا

فضول خرچی اور ضرورت کی شادی کے نقصان

یا بزرگوں کے ورثے سے پایا یا قرض لیا تھا - وہ اوروں کے قبضے میں چلا گیا - اس صدمے سے صدہا آدمیوں کی زندگی تلخ ہوئی - اور کتنے ہی بے عزتی سے مرے - اور بیسیوں غم و افسوس سے گزرے - دیکھو فضول خرچی کے نتیجے کیسے افسوس ناک ہیں - ڈرتے تو ہوگے - کہ اگر شادیوں پر ناچ نہ کرائیں - محفلیں نہ جمائیں - مفت خوروں کو روپیہ نہ لٹائیں ضیافتیں نہ کھلائیں - بیش قیمت زیور اور کپڑا نہ بنائیں - تو برادری والے طعنہ دینگے - اور مفت خورے بدگوئی کرینگے - لیکن غور کرو - تو تمہارا اس سے کچھ نہیں گھٹتا - روپیہ پاس ہے - جب چاہو - کسی نیک کام پر جو پائدار بھی ہو - خرچ کرکے سچی شاباش لے سکتے ہو - اور وہ نیک کام انسان کی حفظ صحت میں مدد کرنا یا تعلیم کی ترقی میں سرگرمی دکھانا - یا معاشرت کی بہبودی میں کوشش کرنا ہے +

(۲) مشہور ہے - کہ بچے کا پالنا - پڑھانا - بیاہنا ماں باپ کا فرض ہے مجھے اس پر صرف اس قدر کہنا ہے - کہ بیاہنے کے فرض سے ماں باپ آزاد کئے جائیں - کیوں ؟ وہ چھوٹی عمر میں ہی شادی کر دیتے ہیں - کہ اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں - مبادا ! مر جائیں - اور یہ فرض سر پر رہ جائے - یا بچوں کی شادی کی خوشی جلد دیکھیں - یا لوگ ہمیں باثروت خیال کریں - کہ سمدھی نے خواہ شادی کی تحریک کی یا

یا نہ کی۔ ہم خود ہی میدان میں اُتر آئیں۔ لیکن اس سے بہت نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ لڑکا جوان ہونے پر ناکارہ نکلے۔ یا فرائض خانہ داری کے ادا کرنے کا متحمل نہ ہو سکے۔ پھر اس وقت افسوس کرنا کیا فائدہ دیگا؟ قواعد طب کی رو سے بھی چھوٹی عمر میں شادی کرنا بہت بُرا ہے۔ کیوں؟ عموماً چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے بدن نحیف سا معلوم ہوتا ہے۔ جوانی میں بوڑھا نظر آتا ہے۔ عمر کی اوسط گھٹ جاتی ہے۔ کبھی کوئی عضو ناگہاں بیکار ہو جاتا ہے۔ دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کی بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ بہت دلیری اور مردانگی کے کام نہیں ہو سکتے۔ پست حوصلہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کی اکثر مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ معلومات کی ترقی رُک جاتی ہے۔ اولاد کم پیدا ہوتی ہے۔ اور جو پیدا ہوتی ہے۔ وہ بھی نحیف۔ دُبلے۔ زرد رو۔ کبھی اولاد کا سلسلہ ہی کٹ جاتا ہے۔ غرض چھوٹے بچے کو متاہل کرنا اس کی آیندہ ترقی کی راہ پر ایسی دشوار گزار دیوار بنا دینے یا کوئی مہیب کالا پہاڑ کھڑا کرنے کے برابر ہے۔ جس کو پھلانگ جانا اس کی طاقت اور حوصلے سے باہر ہو۔ اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ کہ ابھی وہ پورے جوان ہونے نہیں پاتے ہیں۔ کہ دو تین بچوں کے ماں باپ بن جاتے ہیں۔

اب تم ہی خیال کرو۔ کہ وہ صنعت و حرفت میں ترقی کر سکتے ہیں یا علم و ہنر میں۔ ان کو تو اپنی روزی کے لالے پڑ گئے۔ اور بچوں کی سگائی اور شادی کا فکر ہی مارے ڈالتا ہے۔ بیوی کی فرمائشیں زیور۔ کپڑے۔ کھانے کی پوری کریں۔ یا بچوں کی ضروریات کو رفع کریں۔ پس وہ اس مصیبت میں ایسے پھنستے ہیں کہ اُن کے پھول سے چہرے ہر وقت کے اندیشوں سے کملا جاتے ہیں۔ بعض تو اس سختی کی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ چلو گھر سے نکل بھاگے۔ فقیر ہو گئے۔ یا اگر کچھ دلیر ہوئے لیکن علم و ہنر سے نا واقف اور انسانیت سے بے خبر۔ تو اوروں کے حقوق پر دست درازی کرنے لگے یعنی وہ چوری۔ ڈکیتی کو معاش کا ذریعہ بنائینگے۔ آخر بڑے گھر (جیلخانہ) میں بھیجے جائینگے۔ جہاں سخت مصیبت اور مشقت بدنی کی برداشت کرینگے۔ اپنے کیفر کردار کو پہنچینگے۔ لیکن اگر اس تادیب خانہ میں بھی سیدھے نہ ہوئے۔ تو پھر ساری عمر برباد کرینگے۔ یا اگر ضروریات سے زیادہ تنگ ہوئے۔ تو اپنی جان پر کھیل گئے۔ پس ان کے وجود سے سوسائٹی کو کیا فائدہ ہُوا؟ اگر جوان عمر میں شادی کی جائے۔ تو ان میں سے کسی قباحت کے پیش آنے کی بہت کم امید ہے۔ الا ماں باپ اپنی نادانی سے یہ فرض قبل از وقت ادا کرتے ہیں۔

جیسے کہ پہلے ذکر ہوا۔ اس خوف سے بھی کہ مبادا مر جائیں۔ اور اولاد کا فرض سر پر رہ جائے۔ یا آج شادی پر خرچ کرنے کی توفیق ہے۔ شاید کل نہ رہے یا بچہ بد چلن نہ ہو جائے۔ لیکن جو فرض بے موقع ادا کیا جائے۔ اس سے نہ ادا کرنا اولےٰ ہے۔ خصوصاً جس سے نقصان پیدا ہوں۔ اگر مصارف شادی نہائت کم کئے جائیں۔ تو ماں باپ بھی اس بوجھ سے جلد تر سبکدوش ہونے کی کوشش نہ کریں۔ جب چاہیں شادی کر لیں۔ چال و چلن کی حفاظت و درستی والدین کے ذمے ہے۔ یا عمدہ استاد کے۔ عوام اس ضروری کام کو سہل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر آخر کو اس غفلت کا تمام عمر خمیازہ کھینچتے ہیں۔ بعض اپنی اولاد کے ہاتھ سے ایسے تنگ آ جاتے ہیں۔ کہ زندگی سے موت کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے۔ کہ اگر ماں باپ کی غفلت سے اولاد خراب ہو جائے۔ تو اُن کو بھی اُن کے ہاتھ سے خوب سزا بھگتنی پڑتی ہے +

(۳) شادی ہو تو جوانوں کی ہو۔ بہتر ہو کہ ان کی مرضی سے ہو۔ دیکھتے نہیں ہو۔ کہ سرکاری نوکر جو کسی شخص اجرت پیشہ کو پکڑ کر کسی کام پر لگاتے ہیں۔ باوجود اُجرت دینے کے وہ لوگ اُس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور اس کا نام بیگار رکھا ہے۔ مگر اب بیگار پر کام لینے کا دستور

سرکار انگریزی نے موقوف کر دیا ہے۔جب ہم ان کی شادی بلا مرضی کرینگے۔
یا بعبارت دیگر ان کی آزادی کو روکینگے۔تو جب ان کی باہم بد مزگی
ہوگی ممکن ہے کہ وہ خفگی میں ہم کو بُرا بھلا کہیں۔ چاہے رو برو۔
چاہے پیچھے۔کہ ایسی یا ایسے کے ساتھ کیوں ہماری شادی کی۔اور
ان کا یہ کہنا بجا ہوگا۔پس یہ بہت سخت ذمہ واری اور جان جوکھوں
کا کام ہے۔جوانوں کے اپنے اختیار میں چھوڑ دو۔اور ہندوستان کے
قدیمی دستور کو زندہ ہونے دو۔کہ لڑکی اپنے نوشہ کی شکل علم و ہنر
اور عقل یا دولت اور شجاعت و مروت کا امتحان کرکے اس کو قبول
کرتی تھی۔اور یہ رسم ایک جلسے میں ادا ہوتی تھی۔جس کو سوئمبر
کہتے تھے۔ہاں موجودہ صورت میں البتہ سرکاری عدالتوں کو رونق
ہے۔جن میں عورت مرد کے مناقشے کثرت کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔
جس سے ہمارے خانگی اور اندرونی انتظام کا حال بخوبی کھلتا ہے
عورتیں بیگانے مردوں اور حکام کے سامنے اپنے خاوندوں سے مقابلہ
کرتی ہیں۔اور مرد اِن سے۔گھروں میں لڑائی جھگڑے۔گالی گلوچ
اور مار پیٹ کا بازار گرم رہتا ہے۔کوئی گھر ہوگا۔جس میں اس
ناشائستگی کی آگ مشتعل نہ ہو۔غرض بیاہ و نکاح جوانوں کی مرضی
پر ہوں۔پر یہ بہت مشکل ہے۔پہلے امتیاز ذات کی قید اُٹھائی

چاہئے۔ جو ہماری آیندہ ترقی کے لئے مانع ہے۔ اگرچہ اس کے واسطے کچھ عرصہ منتظر رہنا چاہئے۔ تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا رواج رفتہ رفتہ اُٹھ جائے۔ کیوں؟ اب اس رواج کے برخلاف بہت کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس کے نقصان خاص و عام پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ بعض سوسائیٹیوں نے اس کے دور کرنے کا آپس میں عہد کر لیا ہے۔ جو سرکاری قانون عمر بستری کی تائید سمجھئے +

(۴) وہ لوگ، جو ایک سے زیادہ نکاح کرتے ہیں۔ سخت غلطی پر ہیں۔ جس عذر سے ایسا کرتے ہیں۔ وہ فضول ہے۔ یعنی پہلی عورت بدشکل ہو گی۔ یا بدمزاج یا بانجھ۔ انصاف سے دیکھو۔ تو معلوم ہوگا کہ اپنی شکل اس نے آپ نہیں بنائی۔ اور عقیمہ ہونا اس کے اختیار میں تھا۔ باقی رہی بدمزاجی۔ سو اس کی اصلاح تم خود نرمی اور آہستگی کے ساتھ تھوڑی بہت کر سکتے ہو۔ وہ سب طرح معذور ہے سقراط حکیم کی بی بی سخت بدمزاج تھی۔ اس باحوصلہ مرد نے اس سے ہنسی خوشی عمر بسر کی تھی + اگر وہ لڑکیاں ہی جنتی ہے۔ تو یہ بھی اس کا قصور نہیں ہے۔ کوئی تماش بینی یا عیاشی سے ایسے نالائق فعل کا مرتکب ہو۔ تو اُس کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اُس کی

بی بی اُس کی زندگی میں ایسا کرے۔ تو اُس کو کیسا رنج پہنچیگا؟ پس ویسا ہی اُس پر قیاس کرکے اُس بُرے خیال کو چھوڑ دے۔ ابتدا میں کثرت مناکحت سے شاید کچھ خوشی بھی ہو۔ تو بھی اس کے خراب نتیجوں کو پیش نظر رکھ کر غور کرے۔ پہلے بہت سے ایسے لوگوں کا حال دیکھیے۔ کس رنج و تکلیف میں اُن کی زندگی کے دن پورے ہوتے ہیں۔ گویا جیتے جی جہنم میں ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا نادانی ہوگی؟ کہ عبرت انگیز نظیروں کے سامنے موجود ہونے پر بھی اسی ناجائز فعل کے مرتکب ہوں۔ اور اپنی چند روزہ زندگی اپنے پر وبال کرلیں۔ مرجائیں۔ تو اپنی بیواؤں کو غم و مصیبت کا شکار بنا جائیں۔ کیوں؟ ابھی بیچاری بیواؤں کی شادی کا رواج ہمارے ملک میں نہیں ہُوا۔ جس کا ہونا قدرت کے دستور کے موافق ہے۔ خصوصاً اُن لوگوں کے لئے تو زیادہ ضروری ہے۔ جو عمر اور لیاقت کی طرف نہیں دیکھتے۔ صرف ناجائز طمع پورا کرکے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں۔ وہ کوتہ اندیش اپنی لڑکی کو نیلام پر چڑھاتے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ کوئی ایسا بوڑھا بولی دے۔ جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہو۔ ادھر بی بی جوان ہوئی۔ اُدھر میاں جہنم واصل ہوئے۔ اب اگر اُس کی دوبارہ شادی نہ کی جائے۔ تو کیسے غضب کی بات ہے۔ اور بڑے خطرے کا موقع ہے۔ کہ

شائد بیوگی کی حالت میں وہ نیک چلن نہ رہ سکے۔کیوں ؟ وہ بھی نفس رکھتی ہے۔ اُس وقت تمہارا یہ کہنا۔ کہ اُس نے ہماری ناک کاٹی خاندان کو کلنک لگایا۔ کہاں تک بجا ہوگا۔ بُرا نہ ماننا۔ خدا نخواستہ اگر تمہاری جورو مرجائے۔ تو تم دوسری شادی کرسکو۔ اور وہ خاوند مرنے پر دوسرا خاوند نہ کرسکے۔ یہ بے انصافی اور سراسر خود غرضی نہیں تو اور کیا ہے ؟ ہمارے ملک میں بعض شرفا نے عملی نظیریں پیدا کیں۔ مگر افسوس ہے کہ انہیں کی ناعاقبت اندیش برادریوں نے اُن کی سخت مخالفت کی۔ بجائے اس نیک تقلید کرنے کے نفرت ظاہر کی۔ بالی بدھوہ، کے نیوگ کے بھی حامی نہ بنے۔ ابھی ملک میں پُرانے خیالات موجود ہیں۔ تعلیم ہی ان کو خارج کریگی۔ میں اگر اپنے ملک کی اکثر پارسا عصمت پسند۔ نیک مزاج اور خدا پرست بیواؤں کے صبر و حوصلے پر آفرین نہ کہوں۔ اور ان کے حق میں نیک دعا نہ مانگوں۔ تو ایک بڑے ضروری فرض کے ادا کرنے سے باز رہوں۔ کیوں ؟ یہ وصف خاص ہمارے ہندوستان کی شریف اور خاندانی عورتوں ہی میں پائے جاتے ہیں۔ وہ بیچاری تو بے زبان ہیں۔ ہمیں خود انصاف کرنا چاہیئے +

(۵) اب ہم چند نصیحتیں اور نتیجے اس مضمون کے متعلق بیان کرتے ہیں +

(۱) عورتوں کو اخلاقی تعلیم کا دیا جانا مناسب ہے + (۲) جب تک عورتوں کی جہالت دور نہ ہو۔ اُن کو عام طور پر آزادی نہیں دینی چاہیئے۔ ورنہ یہ آزادی اُن کے حق میں ایسی ہوگی۔ جیسے دیوانے کے ہاتھ میں چھُری + (۳) بیواؤں کی تزویج بھی ضروری ہے + (۴) چھوٹی عمر میں شادی کرنے سے بُرے نیتجے نکلتے ہیں + (۵) شادی کے وقت دولھا و دُلھن کی رضامندی دریافت نہیں کی جاتی۔ حالانکہ منگنی بھی اُن کے بغیر پوچھے ہی قرار پائی ہو۔ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ یہ مضر رسم اُٹھ جائے + (۶) بڑی لڑکیاں چھوٹے لڑکوں سے نہ بیاہی جائیں۔ بلکہ لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر سے کوئی ایک تہائی کم ہو۔ کیونکہ ہندوستان میں بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیاں جلد جوان ہو جاتی ہیں۔ کیوں؟ ان کو نہ لکھنے پڑھنے کی فکر ہے۔ نہ روزی کمانے کا اندیشہ۔ کچھ آب و ہوا کی تاثیر بھی ہے۔ اسی طرح پیر فرتوت کے ساتھ کم سن لڑکی کو منسوب کرنا اس معصوم پر ظلم کرنا ہے + (۷) بعض مقامات ایسے بھی ہیں۔ جہاں بیچاری لڑکیوں کا عالم شباب ڈھل جاتا ہے۔ مگر شادی کا دن دیکھنا انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ اگر یہ ماں باپ کا فرض نہ ہوتا۔ تو وہ بیچاری کیوں کام کی عمر کنوار پن میں ضائع کرتیں۔ اور بعض مجبوراً ساری عمر مجرد رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض خفیہ طور پر بدکرداری کرنے لگتی ہیں جس

ے صاف پایا جاتا ہے۔کہ ان کا اپنا منشاء مجرد رہنے کا نہ تھا۔ (۸) ناتہ
خود غرض کمینوں اور عورتوں کی معرفت کیا جاتا ہے۔ اتنے بڑے اعتبار
کا کام بالکل ایسے شخصوں کے اختیار میں نہیں دینا چاہیئے + (۹) برس ڈیڑھ
برس کی عمر میں ناتہ کیا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ جاہلہ عورتوں میں سگائی
کی ٹھیر جاتی ہے۔ پھر دونو میں سے کسی ایک کے نالائق ہو جانے پر بھی
ناتہ توڑنا داخل عیب سمجھا جاتا ہے۔ یہ رسم موقوف کرنی چاہیئے + (۱۰) نسبت
ناتے کے وقت عموماً دولت و ثروت کو دیکھا جاتا ہے۔ لیاقت و شرافت کی
طرف کچھ توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ دولت کا قیام یقینی نہیں ہے + (۱۱)
شادیوں میں بیفائدہ نمود کے واسطے فضول خرچی نہ کرنی چاہیئے + (۱۲)
جب تک لڑکا تحصیل علم سے فارغ نہ ہو چکے۔ اُس کی شادی نہیں کرنی
چاہیئے۔ ورنہ اس کے معلومات کی ترقی رُک جائیگی + (۱۳) لڑکا اپنی طفلانہ
عقل رکھتا ہے۔ شروع میں اُس کی پوری پوری نگرانی کرنی چاہیئے۔ تاکہ بد
چلن نہ ہو جائے + (۱۴) ایک مرد کے واسطے ایک عورت کافی ہے۔ ایک
کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرنی چاہیئے + (۱۵) بوڑھوں کو نئی شادی
کرنے سے پرہیز چاہیئے + (۱۶) غریب جو اپنا پیٹ نہیں پال سکتے۔ اگر شادی
نہ کریں تو بہتر ہے + (۱۷) غریب جو روپے دیکر بیاہ کرتے ہیں۔ وہ بیوی کو
کو عمر بھر سخت مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ یا بیرحم والدین لالچ کے مارے

اپنی پیاری بیٹی کو سمجھ بوجھ کر مشکلات کا شکار بناتے ہیں ⁘ (۱۸) بہ نسبت مجرد کے عموماً متاہل کا اعتبار اور رسوخ زیادہ ہوتا ہے ⁘ (۱۹) اور بہ نسبت متاہل کے اکثر مجرد زیادہ فیاض اور بہادر ہوتے ہیں ⁘ (۲۰) متاہل ہوکر خانہ داری کی مصیبتوں سے گھبرانا مردانگی میں داخل نہیں ⁘ (۲۱) وہ مرد خوش نصیب ہے - جس کی جورو فرمانبردار اور نیک چلن ہو ⁘ (۲۲) وہ خاوند بد قسمت ہے - جس کی بی بی خوبصورت لیکن بد سیرت ہو ⁘ (۲۳) عورت کا حسن صرف اس کی پاک دامنی اور سلیقہ شعاری ہے ⁘ (۲۴) بعض خاندانی عورتیں اگر چہ مغرور ہوتی ہیں - لیکن حیا و عزت کا بہت پاس کرتی ہیں - خاوند اگر سختی کرے - تو حوصلے سے برداشت کرتی ہیں ⁘ (۲۵) وہ بی بی نیک بخت ہے - جو مصیبت کی حالت میں بھی اپنے خاوند کے ساتھ دل و جان سے پوری ہمدردی کرتی ہے - اور اپنے میاں سے کسی کو بہتر نہیں سمجھتی - اور اسی کی خوشنودی کو اپنے خالق کی رضامندی جانتی ہے ⁘ (۲۶) عورتوں کی تعلیم کو مردوں سے چند قدم پیچھے رکھنا لازم ہے ⁘ (۲۷) لکھی پڑھی عورت کی شادی لکھے پڑھے ہی مرد سے ہونی چاہئے ⁘ (۲۸) عورتوں کو خوش آواز - بشاش اور باحیا ہونا چاہئے ⁘ (۲۹) سیانی عورتیں اپنے گھر والوں کی عمدہ مشیر ہوتی ہیں ⁘ (۳۰) شریف مرد اپنی عورتوں پر کبھی سختی روا نہیں رکھتے ⁘ (۳۱) کوئی عورت یا مرد ذات کا کمینہ یا شریف نہیں ہے -

اُن کے کام اور اُن کے اخلاق اور اُن کی معاشرت کا طریقہ جیسا ہو۔ اُس پر لفظ شرافت یا رذالت کا اطلاق ہونا چاہئے ٭ (۳۲) مردوں پر عورتوں کے جو حقوق ہیں۔ اُن کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہئے ٭ (۳۳) مہذب مرد عورتوں سے نرم سلوک رکھتے ہیں۔ اور ناجائز بدگمانی نہیں کرتے ٭

سیر و سیاحت

سفر کی سہولت۔ سفر کے فائدے۔ سفر سے ہر ایک قسم کی ترقی ہوسکتی ہے (۱) ہمیں اپنی گورنمنٹ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ جس نے سیر و سیاحت کے وسیلے جیسے چاہئیں مہیا کر دئے ہیں۔ انتظام سلطنت سے چور چکار کا خطرہ کم ہو گیا ہے۔ مرد۔ عورت۔ بچہ۔ جوان یا بوڑھا اکیلا بلا مزاحمت سفر کر سکتا ہے جہاں ریل ہے۔ وہاں پیسے دئے ٹکٹ لیا۔ ریل پر چڑھا۔ اور منزل مقصود پر پہنچا ٭ سڑکیں ایسی سیدھی ہیں۔ کہ بعض دفعہ اندھا بھی لٹھیا لئے آسانی سے چلا جاتا ہے۔ محافظت کو پولیس موجود ہے۔ گو اکثر وہ اپنے فرائض منصبی کو پورے طور پر ادا نہیں کرتی۔ راستوں پر سرائیں۔ مسافر خانے بنے ہیں۔ گاؤں آباد ہیں۔ دکانیں کھلی ہیں۔ کنوئیں چلتے ہیں۔ کھیت لہلہاتے ہیں۔ ملک ہند ہے۔ کہ گلزار بن رہا ہے۔ ہمارا سفر کیا ہے؟ گویا گلگشت ہے۔ ہماری خیریت کی خبر دینے کو تار برقی اور محکمۂ ڈاک حاضر ہے ٭

(۲) سفر سے کیا فائدہ ہے؟ زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ پُرانے وقتوں میں سفر کو سقر سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ بعض جگہ ظفر کا وسیلہ بتلایا جاتا تھا۔ بہر حال سفر میں انسان کی معلومات بڑھتی ہے۔ سفر خشکی کا ہو۔ یا تری کا۔ اس میں نشیب و فراز۔ سختی و نرمی دیکھ کر انسان تجربہ کار ہو سکتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گھر کے برابر سفر میں آرام نہیں ملتا۔ تاہم نئے نئے تجربوں سے انسانی عقل اور حوصلہ ترقی کر سکتا ہے۔ جو چیزیں پہلے دیکھنے میں نہ آئی ہوں۔ دیکھتا ہے۔ مختلف مذاہب و خیال اور علوم و فنون کے لوگوں سے تعارف پیدا ہوتا ہے۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے۔ کہ سفر امیر یا صاحب علم یا اہل حرفہ ہی کو مفید پڑے۔ ہاں ممکن ہے۔ کہ ایسے لوگوں کو آسائش کے سامان زیادہ میسّر ہوں۔ ورنہ سیر و سیاحت کسی انسان کے واسطے فائدے سے خالی نہیں۔ ہر ایک شخص حسب لیاقت اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ البتہ آج کل اس کا عمدہ ذریعہ دولت ہے۔ دولتمند کو سفر میں تکلیف کم پیش آتی ہے۔ سفر کی مصیبتیں اب تک بعض ایشیائی سلطنتوں میں موجود ہیں۔ مگر جو ممالک یورپین عَلَم کے نیچے آگئے ہیں۔ گویا امن و راحت کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ تاجر ہو یا سیاح۔ ہر ایک آرام و آزادی سے جہاں چاہتا ہے پھرتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ وطن کی محبت انسان کو ایسی دامنگیر ہوتی ہے کہ پردیس میں خواہ کتنے ہی رہنے والا

ہو جائے - وطن میں جانے کی خواہش رکھتا ہے + بعض لوگ اپنے گھر میں بہت غریب تھے - گمنامی میں بسر کرتے تھے - کوئی رشتہ دار یا غمخوار نہ تھا - وہ سفر کی مشکلیں گوارا کرکے گھر سے نکل گئے - باہر جاکر تجارت کی - یا کہیں نوکر ہو گئے - یا کوئی معاش کا ذریعہ جو وطن میں اُن کو میسر نہ ہو سکتا تھا پیدا کر لیا - کچھ عرصے بعد دولتمند ہو گئے - حکومت کو پہنچے - اعلےٰ منصب پر سرافراز ہوئے - تو اس حالت میں بھی وطن کی محبت میں ان کے جی میں ولولہ پیدا کیا - اور وہ معززانہ حیثیت سے اپنے وطن مالوفہ میں آئے +

(۳) صاحبان انگریز اگر سفر اختیار نہ کرتے - تو دنیا کے ساتویں حصے کے کس طرح شہنشاہ بنتے + کتب مذہبی میں جو تیرتھ جانرا یا حج کو لازمی قرار دیا ہے - اس سے یہ مطلب مد نظر ہے - کہ انسان اسی ذریعہ سے سفر کریگا - اور اپنے معلومات کو ترقی دیگا - کیونکہ اگر سفر کے واسطے مذہبی قیدیں نہ لگائی جاتیں - تو جن کے کاروبار وطن میں اچھی طرح چلتے ہیں یا جن کو معاش کی طرف سے فراغت حاصل ہے - وہ کبھی گھر سے باہر قدم نہ رکھتے - اور ہمیشہ گھر کی آدھی کو پردیس کی ساری پر ترجیح دیتے - پس جو انسان خانہ نشینی میں عمر بسر کرنا چاہتے ہیں - وہ خام رائے اور ناتجربہ کار ہیں - سفر میں مغرور کا غرور ٹوٹتا ہے - وہ اپنے سے بالاتر اشخاص کو دیکھ کر فروتنی اختیار کرتا ہے - اور کہیں غریب یا معیوب لوگوں کی

حالت کو اپنے سے مقابلہ کرکے خدا کا شکر بجا لاتا ہے۔کہ میں ان سے بدرجہا بہتر پیدا کیا گیا ہوں۔ سفر میں خدا کی قدرتوں کا مشاہدہ کرکے اس کو خدا کی شان معلوم ہوتی ہے۔ اور محقق لوگ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات اور برّ و بحر کے حالات و خصوصیات ذاتی کو قلمبند کرتے ہیں۔ اور جغرافیکل اور تواریخی واقعات اور مقامی حالات لکھ کر شائع کرتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے ہمجنسوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ لیکن ہندوستانیوں کی نہ پوچھو۔ یہ تو مکڑی کی طرح اپنے جالے ہی میں گھرا رہنا پسند کرتے ہیں۔ اسی ملک کو سب سے عمدہ سمجھتے ہیں۔ باقی کل دنیا کے باشندوں کو یہ ہمیشہ سے ملیچھ (کمینہ) کہتے رہے زبردست یا فاتح کو راچھس یا دیت کہا کئے۔ اور آپ دیوتا بنتے رہے۔ اسی واسطے اپنی کم ہمتی سے سندھ سے پار جانا مذہبی ممانعت بتائی۔ اور زمین کے گرد سات سمندر ناپیداکنار خیال کرکے جہاز رانی کی ہمت ہار بیٹھے۔ غیر ممالک کے فتح کرنے کا شوق بھی انہیں کبھی نہیں ہوا۔ یا تو گرم ملک ہونے کے باعث ان کی طبیعتیں قدرتاً آرام طلب تھیں۔ یا زرخیز زمین کے باعث ان کے مزاجوں میں لاپروائی آگئی تھی۔ کیونکہ ضروری معاش کی چیزیں سب یہاں میسر ہو جاتی تھیں۔ اسی واسطے بیرونی حملہ آور ان پر ہمیشہ فتحیاب ہوتے رہے۔ لیکن جنہوں نے فتح پاکر سکونت اختیار کی۔ وہ بھی انہیں کی طرح ناکارے ہوگئے۔ اور بیرونی حملہ آوروں سے عموماً

زک اٹھاتے رہے - ہم نہیں جانتے کہ یہ لوگ غیر ممالک کی سیر و سیاحت
سے کیوں لاپروا ہوئے - اور اپنے حال پر قناعت کئے بیٹھے رہے - اس
کا غالباً وہی باعث ہوگا - جس کا اثر اصل باشندوں پر ہوتا ہے - یعنی
بیرونی حملہ آور ہندوستان میں کچھ عرصہ رہ کر ان کے برابر پست حوصلہ
ہو جاتا ہے - خدا کرے ہمارے مزاج اور عادت کا اثر صاحبان انگریز
میں نہ ہو جائے - ورنہ کوئی اور حملہ آور قوم ان پر بھی غالب آ جائیگی
اور اس وقت پھر اس ملک کے لئے وہی ستیاناسی کا زمانہ آ جائیگا -
جس کو چھوڑے اسے بہت عرصہ نہیں ہوا - خوش قسمتی سے صاحبان
انگریز یہاں مسافرانہ سکونت رکھتے ہیں - نوکری پوری کرکے اپنے وطن کو
چلے جاتے ہیں - پھر ان کی جگہ تازہ نوجوان اور وہاں سے حکومت کرنے
آتے ہیں - معلوم ہوتا ہے - کہ یہاں کی دائمی سکونت کو غالباً اسی غرض
سے پسند نہیں کرتے - اور نہ باشندگان کے ساتھ زیادہ اختلاط مناسب
سمجھتے ہیں - لیکن ساتھ ہی یہ امید درنشان ہے کہ ہمارے دیسی بھائی
بھی بغرض اجرت - ملازمت یا تجارت ممالک غیر کا سفر اختیار کرنے لگے ہیں
چنانچہ مصر جنوبی افریقہ - آسٹریلیا اور ممالک افریکہ وغیرہ جزائر میں انڈین
کسی نہ کسی غرض سے موجود پائے جاتے ہیں - تعلیم علوم کے لئے یورپ
اور امریکہ کے ملکوں میں طالب علم جا رہے ہیں - اگر اسی طرح امن

کی حکومت رہی تو ہمارے ملک کے باشندے بھی سیر و سیاحت سے پورے متمع ہونگے - پس یہی ہماری مراد ہے +

ریلوے

ریلوے[1] کی تعریف۔ تار برقی[2] سے ریلوے[3] کا انتظام - ریلوے سے تجارت کی ترقی - ریلوے[4] ملکی اور جنگی خدمات ادا کرتی ہے - ریلوے[5] کے وجود پر اعتراض - اور اُن[6] اعتراضوں کے جواب +

(۱) گورنمنٹ انگریزی کی برکت سے جہاں ہمیں اور کتنی ہی نعمتیں حاصل ہوئیں - اُن میں سے ایک ریلوے بھی ہے - اوّل ہی اوّل لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں یہ عام پسند سواری اس ملک میں بنائی گئی - یہ آہنی سڑک پر کئی کئی گاڑیوں کو ہزاروں من بوجھ سواریوں سمیت کھینچے لئے جاتی ہے - اور پھُرتی وہ ہے کہ گھنٹے بھر میں چالیس میل تک نکل جاتی ہے - اس میں بیٹھ کر سفر کرنے سے وقت بہت کم خرچ ہوتا ہے مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہو جاتا ہے - مسافروں کے بیٹھنے کو ہر موسم کے موافق آرام دینے والی خوبصورت گاڑیاں بنی ہیں - بہ نسبت اور مروجہ سواریوں کے - اس میں گویا کوئی تکلیف نہیں ہوتی - کرایہ اس قدر سستا ہے - کہ پیدل چلتے - تو اس سے کچھ ہی کم خوراک میں

رف ہوتا۔ اور چلتے چلتے ماندے ہو جاتے۔ ریلوے انجن کی خوراک کیا
ہے؟ آگ اور پانی۔ طبعیات میں تم نے پڑھا ہوگا۔ کہ ایک انچ پانی
سترہ سو انچ گاس ہونے کی صورت میں گھیرتا ہے۔ اب اسی پر اس
کے زور اور طاقت کا بھی اندازہ کر سکتے ہو۔ کہ وہ کس طرح اس قدر
بوجھ آسانی کے ساتھ کھینچ لے جاتا ہے۔ اور پل کے پل میں کہیں کا
کہیں جا پہنچتا ہے ٭

(۲) ریلوے کے ساتھ اگر تار برقی نہ ہوتا۔ تو اس کا وجود چنداں
مفید نہ پڑتا۔ گویا تار برقی اس کا یارِ غار ہے۔ یا یوں قیاس کرو۔ کہ ریلوے
ایک گورنمنٹ ہے۔ اور تار برقی اس کا سکرٹری ہے۔ اس کی تشریف آوری
و تشریف بری کی اطلاع آگے پیچھے دئے جاتا ہے۔ کہ اس کی پیشوائی و
مشایعت کا انتظام قرار واقعی ہو جائے۔ ریل کے نوکروں کو دیکھتے ہو۔
کیسے پھرتیلے ہیں۔ اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اگر بیچارے نا واقف
مسافروں سے سخت گیری اور بدمزاجی نہ کریں۔ تو کیوں قابل تعریف نہ
کہلائیں۔ تعریف کیسے ہو۔ ان میں نفسی اغراض کے بندے بھی ہیں۔
اس فقرے کی تفصیل طویل نہ ہوتی تو ساری لکھدی جاتی۔ جن کو تجربہ
ہوگا خود ہی معلوم کرینگے ٭

(۳) جیسے پانی اپنی سطح ہموار کرنی چاہتا ہے۔ ویسے ہی ریلوے نرخ

اجناس کو ہمیشہ مساوات پر لانے کی کوشش کرتی ہے - گو تاجروں کو اجناس
میں در حقیقت وہ منافع حاصل نہیں ہوتا - جو اجرائے ریلوے سے پہلے
ہوتا تھا - لیکن اگر اُس وقت کی باربرداری کی تکلیفیں اور حفاظت اور تضیع
اوقات کا اندازہ کرسکتے ہو - تو کبھی اُس وقت کے منافع کو حال کی تجارت
کے فائدے پر ترجیح نہ دوگے - دیکھتے ہو - کہ ادھر مال چڑھتا ہے - اُدھر اُترتا
ہے - جہاں تکلیف کم ہے - وہاں منافع بھی کم ہے - لیکن جتنے عرصے میں
اس وقت ایک دفعہ خرید و فروخت ہوتی تھی - اس عرصے میں اب کئی دفعہ
ہیر پھیر ہو جاتا ہے - ممکن ہے - کہ منافع کی اوسط اس وقت سے زیادہ
پہیلے - ریلوے کے وجود سے تجارت کے قالب میں تازہ جان آگئی ہے -
دیکھتے نہیں - مال گاڑیاں کیسی لدی ہوئی جاری ہیں - اور پھر بھی مال باقاعدہ
سٹیشنوں پر دھرا ہے - آج کل تاجر کو اسی اصول پر کاربند رہنا مناسب
ہے - کہ مال کم نفع پر بھی فوراً اُٹھاوے - جنس کو قید رکھنا یہ ہمارے ملک
کا بُرا دستور ہے - چنانچہ اسی دِقت کے رفع کرنے کے لئے قدیم سلطنتیں جو
آزادی کے مذاق سے بے بہرہ تھیں - جبراً نرخ مقرر کر دیتی تھیں - اور
تاجروں کے مال کو حکماً فروخت کرادیتی تھیں - ریلوے بیوپاریوں کو خود
تحریص دے رہی ہے - کہ مال لاد کر دوسری جگہ لے جائیں - اور وہاں سے
اور چیز خرید لائیں - بدقسمتی سے اگر کہیں قحط پڑ جائے - تو ریلوے دیکھئے

تے ہزاروں من غلہ اور ملکوں سے لا ڈالتی ہے۔جس سے اکثر وہ
ہیں جو غلہ نہ ملنے سے ہوتیں۔ رُک جاتی ہیں +
(۴) کسی جگہ ذرا جنگ چھڑ جائے۔ یا ملک میں ہی کہیں بد امنی
۔تو کس چالاکی سے جرار فوج مع سامان وہاں پہنچا دیتی ہے۔غور کرنے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک میں امن قائم رکھنے کا آلہ بھی ہے۔ اس سے
ب شاہی بڑھتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے بدخواہوں کے سینے دھڑکتے ہیں
د رسانی میں یہ آپ کمسٹریٹ اور باربرداری بہم پہنچانے میں یہ خود
یس پورٹ یعنی محکمۂ باربرداری کا کام دیتی ہے +
ر وقت پر خدمات ملکی ہوں یا جنگی۔ ادا کرنے کے لئے کمربستہ حاضر ہے۔
راتیں ہوں۔یا مینہ آندھی ہو۔ یہ کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ بے تحاشہ
ڑی چلی جاتی ہے +
(۵) ریلوے ملک سے روپے کھینچنے میں مقناطیسی طاقت رکھتی ہے
ر صدہا جانیں آئے سال اس کی بھینٹ چڑھتی ہیں۔ اور کتنے ہی ناکردہ
ناہ اس میں کچلے جاتے ہیں۔ کبھی سڑک سے انجن اُتر جائے۔ یا کوئی مچل
ٹ پڑے۔ یا اس میں آگ لگجائے۔ تو پھر کیسا غضب برپا ہو۔ لاکھوں
سر پانی پھر جائے۔ اور اگر ٹرین مسافروں یا جانوروں سے لدی ہو تو
ہزاروں جانیں تلف ہوں۔ ہمارے دیسی بھائی کچھ تو پہلے ہی آرام

طلب ہو رہے تھے۔ ریلوے نے انہیں اور بھی سُست کر دیا۔چار
کوس پر جانا ہو۔ تو ریلوے گاڑی کے انتظار میں سٹیشن پر ڈیرہ ڈال
دیتے ہیں۔کب آئے۔ اور یہ پیسے دے کر ٹکٹ لیں۔اور سوار ہوں۔ ایک
میل بھی فی گھنٹہ چلتے۔ تو کبھی کے پہنچ گئے ہوتے۔واہ رے تمہاری ہمت
(۷) ریلوے کے حادثے ہمیشہ نہیں ہوتے۔ پھر بھی اُن کی کمی میں کوشش
ہو رہی ہے۔ یہ حادثہ جس سٹیشن ماسٹر یا گارڈ یا انجن ڈریور کی غفلت یا
شراب کے نشے میں بدمست ہونے کے باعث یا کانٹے والے کی لاپروائی
کے سبب ہوتا ہے۔ اسی کو ثبوتِ جرم میں سزا دی جاتی ہے۔ لیکن انسانی
طاقت کبھی قدرتی حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔کیا اتفاقی موتیں اور آتش
زدگیاں لوگوں کے گھروں میں نہیں ہو جاتیں ؟ گاؤں کے گاؤں جل کر
خاک سیاہ اور شہر کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں +

ہم تو جانتے ہیں۔ جہاں جہاں ریلوے گاڑی کا مبارک قدم جاتا ہے۔وہاں
شائستگی پھیل جاتی ہے۔ مختلف قواعد و مذاہب کو دیکھ کر ہر ایک اپنے
مذہب کو سنبھالنے لگتا ہے۔ طرح طرح کے آدمیوں سے میل جول ہوتا
ہے۔کتنی طرح کی عجیب عجیب چیزیں دیکھنے سے معلومات کا دائرہ زیادہ
وسیع ہوتا ہے۔ اسی کے سبب علمی حدود روز افزوں ترقی کرتی چلی ہیں
دور تہذیب کا دور دورہ ہوتا جاتا ہے۔ لباس۔ خوراک۔ طرز و روش

اُن اعتراضوں کے جواب۔

معاشرت و گفتگو اس طرح تبدیلیاں کیۓ جاتی ہیں۔جس طرح خود انسان
کی زندگی۔دور نہ جاؤ۔اپنے ہی چشم دیدہ واقعات کو پیش نظر رکھ کر تصدیق
کر لو۔اور ماسوائے اس کے اس نے لوگوں کو چھکڑے۔گاڑیوں کی چرخ چوں
اور یکے کے ہچکولوں سے بچایا۔اگر قدرت کے مضبوط انتظام سے بدن کا
جکڑ بند نہ ہوا ہوتا تو دیسی گاڑیوں اور یکّے دھکّوں سے انسان کے قسم
کی ہڈّی پسلیاں جدا جدا ہو جاتیں۔غرض جس کثرت کے ساتھ لوگ اب
سفر کرتے ہیں۔پہلے کبھی نہ کرتے تھے۔یہ صرف ریل کی برکت ہے ٭
آرام اور لطف جو اس سواری میں ملتا ہے۔وہ ٹم ٹم اور فٹن میں بھی
میسّر نہیں ہوتا۔اس واسطے تھوڑے فاصلے پر جانا ہو۔تو بھی یہی جی
چاہتا ہے۔کہ ریل گاڑی پر ہی چڑھ جائیں۔جس نے کبھی اس کی سواری
نہ کی ہو۔وہ تو اچنبھا سمجھ کر ضرور ہی سوار ہوتا ہے۔سٹیشن پر رات دن
میلہ سا رہتا ہے۔طرح طرح کے آدمیوں سے ملاقات و گفتگو کا موقع ملتا ہے
طرح طرح کے لباس۔قسم قسم کے جانور اور نئی نئی چیزیں دیکھنے میں
آتی ہیں۔اکثر ضروری چیزیں موجود۔قیمت دو اور لو۔بھلا یہ لطف اور
مزے چھوڑ کر جوتیوں کی چھنکار کون سہے۔اور ان کی دھول سر پر
کون ڈالے۔بشرطیکہ پیسے بھی پاس ہوں۔غرض یہ سواری عام پسند ہے
اور لوگ خواہش و رغبت سے اس پر سوار ہوتے ہیں۔جو وقت دراز

سفر ریلوے کی طفیل بچتا ہے۔ وہ لوگ اپنے کاروبار میں صرف کرتے ہیں
جس سے گونہ مفلسی اور تہیدستی کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ موٹی سمجھ والے
اس بات کو کیا سمجھیں۔ فی الحقیقت ریلوے کا وجود ہمارے ملک کی
خوش قسمتی اور خوش حالی کی عمدہ علامت ہے۔ اسی سے اس کی قدر
روز افزون ترقی کرتی جاتی ہے۔ لارڈ کرزن صاحب بالقابہ وایسرائے وگورنر
جنرل ہند کو توقع ہے کہ اُن کے عہد میں ریلوے انڈیا میں ۲۵ ہزار
میل تک چلیگی۔ جو اب ۲۲ ہزار میل میں چلتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی
ترقی میں ہی ملک ہندار کی بہبودی تصور فرماتے ہیں جو قرین صحت ہے +

چھاپہ

(۱) موالید ثلاثہ سے بلحاظ جانداری انسان بھی حیوانات کی ذیل میں
داخل ہے۔ لیکن اس کو سب سے زیادہ امتیاز۔ اَوروں پر شرف کیوں حاصل
ہے ؟ کیا اس نے یہ درجہ اپنے لئے آپ تجویز کر لیا ہے ؟ اور اپنے منہ سے
آپ میاں مٹھو بنتا ہے ؟ نہیں نہیں یہ شرف اس کو قدرت سے حاصل
ہے۔ کیوں ؟ عقل و نطق کے باعث اس کو اَوروں پر فضیلت ہے۔ تم
جانوروں کو دیکھتے ہو۔ کہ انہوں نے شروع سے اب تک اپنے اصول معاشرت
میں کسی قسم کی ترقی نہیں کی۔ یعنی چرند۔ پرند۔ درند۔ حشرات الارض ننگ

دھر ٹانگ پھرتے ہیں۔اور کھانے۔پینے۔سونے۔رہنے۔سہنے کے نیچری آئین رکھتے ہیں۔یہ تجدید یا ترقی معاشرت کی خوبی صرف انسان کو حاصل ہے۔ کیوں اس میں ترقی کا مادّہ یعنی عقل موجود ہے ۞

(۲) مگر عقل جب تک ترقی اور راستی کی راہ سے منحرف ہے۔ اس وقت تک بالکل فضول اور زیاں کار ہے۔اور یہ سامان کی ترقی یا تجدید پر مطلق غور نہیں کرتا۔جب تک اس کو کوئی تحریک نہ ہو۔اور وہ تحریک اپنے سے بہتر اشخاص کی ترغیب ہے۔جو ان سے تعلیم علوم یا تلقین کے باعث حاصل ہو۔یا ان کے واقعات زندگی کے مطالعہ یا سوانح عمری کے سُننے سے اسے ناموری کی خواہش پیدا ہو۔پھر یہ ایسے کار نمایاں دکھاتا ہے۔کہ اس کا وجود قدر کے لایق سمجھا جاتا ہے۔جیسے کہا ہے۔کہ عقلی ترقی کے لئے کسی تحریک اور تحریک کے لئے تعلیم یا عالموں کی تلقین کی ضرورت۔یا کسی سوانح عمری کے پڑھنے سُننے سے ترغیب ناموری پیدا ہو جائے۔پس جب یہاں تک نوبت پہنچے تو قدر دانی سے اس کا حوصلہ بڑھایا جائے۔مگر جو شخص صرف ذاتی ناموری یا شخصی شہرت چاہتا ہے۔اور اوروں کی شہرت پر حاسدانہ حملہ کرتا ہے۔ایسا شخص قدر دانی کے قابل نہیں۔قدر دانی زبان یا زر یا قلم کی مدد سے کی جاتی ہے حق یہ ہے کہ قدر دانی کے لئے بھی عقل

کی ضرورت ہے۔جاہلوں کی ناجائز خوشامد سے ہمارے عالم سوائے غرور اور خود ستائی کے اَور کچھ نہ سیکھے۔اور کسی کام کے لائق نہ رہے تجدید تو کیا سوائے کتابی اور لفظی مباحثوں اور فضول جھگڑوں کے اَور کچھ نہ کر سکے۔ اور یہی ان کے زعم میں تحصیل علم کی علت غائی تھی۔پس ہم ایسے عالموں کو بھی عالم کامل نہیں کہ سکتے۔ مگر پھر بھی جاہلوں سے گونہ بہتر ہیں۔کیوں؟

(۳) انسان کی زندگی جو بڑے کام کی چیز ہے۔قدرت ہم کو بتا رہی ہے۔کہ جہالت کی صورت میں بے سود ہے۔ اس بکبخت جہالت کے دور کرنے میں اہل الرائے اور ریفارمروں نے ہمیشہ کوششیں کی ہیں۔مگر وہ سمجھتے تھے۔کہ ان کی ہستی خود محل فنا میں ہے۔اس لئے انہوں نے اپنے تجربات اور خیالات جو ملک یا قوم کے مفید تھے۔قلمبند کئے کہ دیا سلائی کی طرح جہاں انہیں رگڑیں۔تاریکئے جہالت رفع کردیں وہ کیا ہیں؟ وہ علوم و فنون کی کتابیں ہیں۔اگر انسانی عقل کو آئینہ زنگ آلود سمجھو۔تو اکثر علمی کتابیں اس کا مصقل ہیں۔جو اس کو مانجھ کر صاف کر دیتی ہیں۔اگر علم سینہ بہ سینہ رہتا۔تو کبھی کا مفقود ہو گیا ہوتا۔بزرگوں کی محنتوں کا ذخیرہ پورا پورا قائم نہ رہ سکتا۔یعنی عدم ترویج۔ناقدردانی۔باہمی مناقشوں۔تعصب مذہبی یا اَور اَور باعثوں سے

ان کی کتابیں تلف ہو جاتیں - خدا کا شکر ہے - کہ سب کچھ قلمبند ہو کر رہا - اور دنیا بہت کچھ آگے نکل آئی - گو قوموں کی نادانی سے بہت سا قیمتی ذخیرۂ کتب معرض تلف میں آگیا +

(۴۲) لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ پندرھویں صدی مسیح میں فن پریس یا چھاپے کا کام جان گٹنبرگ ساکن جرمنی نے نکالا جس سے جو کتابیں تلف ہونے سے بچ رہی تھیں - ان میں تازہ جان ڈالی - اور تصنیف تالیف اور ترجموں کی اشاعت کا پورا موقع دیا - اور ہم کو بالخصوص فخر کرنا چاہیئے - کہ یہی انیسویں صدی مسیح جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں - پریس کی تواریخ میں مبارک صدی ہے - جس میں اس کے متعلق بہت سے ایجاد اور اصلاحیں عمل میں آئی ہیں - پریس سے پہلے کتابیں کمیاب اور گراں قیمت تھیں - کاتب سے کتاب لکھوانے میں حال کی نسبت بعض صورتوں میں چالیس گنا زیادہ خرچ کرنا پڑتا تھا - پھر بھی ایسا صاف اور کتاب ایسی صحیح نہ ہوتی تھی - جیسی کہ اب ہوتی ہے - اکثر مصنفوں کی تصنیف گمنامی کی حالت میں رہتی تھی - یا مصنف کی ایک کتاب کھوئے جلنے سے ضائع ہو جاتی تھی اب ایک دفعہ شائع ہو جائے - تو پھر یہ امید نہیں کہ بالکل تلف ہو جائے البتہ مفید ہونے کی صورت میں فروخت ہو کر کمیاب ہو سکتی ہے - گویا پریس کتابوں کے حق میں اب

حیات ہے۔جس نے ایک دفعہ پی لیا۔ دیر پا ہو گئی +

(۵) غریب لوگ اتنی مہنگی کتابیں بہم نہ پہنچا سکتے۔اس لئے تحصیل علم سے بے بہرہ رہ جاتے تھے۔گویا حصول علم امیروں ہی کی میراث ہو گیا تھا اب پریس کی برکت سے امیر و غریب تحصیل علم میں برابر ہو رہے ہیں۔اس کی بدولت ہر روز دنیا کی تازہ بتازہ اور گرما گرم خبریں اخباروں کے ذریعے ہماری نظر سے گزرتی ہیں۔اوروں کے تازے تجربے ہمارے سامنے آموجود ہوتے ہیں۔ گھر بیٹھے دنیا کا حال دیکھ رہے ہیں۔اب ہر ایک شخص کو حکومت انگریزی کی طرف سے آزادی ملنے کے باعث جائز خیالات کے اظہار کا موقع حاصل ہے۔ایک ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی بھی اپنی قوم یا ملک یا گورنمنٹ بلکہ کل عالم پر آزادی اور سچائی سے مناسب رائے دے سکتا ہے۔مگر لارڈ ایلجن بالقابہ وایسرائے و گورنر جنرل کی گورنمنٹ نے ۱۸۹۷ء میں زبان اور قلم کو برٹش گورنمنٹ کے خلاف چلنے سے روک دیا ہے۔گویا نکتہ چینی کا سد باب ہو گیا۔ فرمائیے ظالم حکام کے طریق عمل پر اب پریس کس طرح رائے زنی کر سکے۔ بیشک تہذیب کی روشنی پھیلانے کو پریس آفتاب جہانتاب کا کام دیتا ہے۔اس نے جدھر رُخ کیا۔جہالت کی تاریکی دور کر دی۔جس طرح مسہل بدن کے ہر رگ و پے سے کثافت نکال دیتا ہے۔اسی طرح پریس کی روشنی ملک کے ہر ایک گوشے سے جہالت کے

اندھیرے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال دیتی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ انگریزی گورنمنٹ کے قدوم میمنت لزوم کے ساتھ یہ تہذیب کا سورج ہمارے ملک کے افق سے طالع ہو کر ذرا بلند ہوا ہے۔ اگر یہی صورت رہی تو یقین ہے کہ ایک دن ہمارے سمت الراس پہ آ کر کل ملک کو منور کر دیگا۔ ملک کو چاہیئے۔ کہ دل سے اس کی قدر کرے۔ گورنمنٹ کو نرم سلوک مناسب ہے*

معاشرت کا بیان

(۱) انسان کی زندگی کا مدار زیادہ تر ہوا۔ پانی۔ اگ پر منحصر ہے۔ جن کو نیچر نے اس کے واسطے مفت پیدا کر دیا ہے۔ رہا کھانا۔ لباس۔ مکان اور چند اور مکلفانہ حاجتیں۔ جن کے بغیر انسان چند روز زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن انہیں کے پورا کرنے کے لئے کیسے کیسے ناکردنی کام کر بیٹھتا ہے اگر قدیم زمانے کی پوچھو۔ تو شائستگی سے پہلے بن مانسوں کی طرح لوگ جنگلوں۔ پہاڑوں۔ غاروں اور بیابانوں میں رہا کرتے تھے۔ بناس پتی کو کھاتے۔ ننگے رہتے۔ یا درختوں کی چھال اور پتوں سے اپنا بدن ڈھانکتے تھے۔ اگر کوئی آج کی حالت کو اس زمانے سے مقابلہ کرے۔ تو شاید اس کو یقین بھی نہ آئے۔ کہ انسان بھی ایسے وحشی تھے۔ مگر جنہوں نے اب بھی ہندوستان کے بعض جنگلی آدمیوں کو دیکھا ہے۔ وہ مان لینگے۔ کیوں؟ ان کو اؤ۔

جیوانوں کی طرح پابند رکھا جاتا ہے۔ وہ بولنے کی جگہ نمائیں بائیں کرتے ہیں۔ چھوڑ دو۔ تو چاروں ہاتھ پاؤں سے ایسے ڈورتے ہیں۔ کہ مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔ وہ آدمیوں میں رہنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ہماری گورنمنٹ نے بہت سے جنگلی آدمیوں کو جبراً انسان بنایا ہے۔ان جنگلی آدمیوں کی حالت کو پڑھکر یا دیکھکر ہمیں بڑی دور کی سوجھی ہے۔ جیسے مسٹر ڈاردن کو سوجھی تھی کہ انسان بندروں سے ترقی کرتے کرتے بے دُم کا بن گیا ہے۔ ویسے ہی میرا خیال ہے۔ کہ ابتدا میں انسان بھی غالباً اور حیوانوں ہی کی طرح پیدا کیا گیا ہوگا۔ اس لئے کہ اب تک جہاں انسان مشکل سے پہنچ سکتا ہے۔ وہاں بھی جنگلی آدمیوں کو موجود پاتا ہے۔ قطب شمالی اور گرینلینڈ کے برفستان میں آدمی بستے ہیں۔ جہاں سوائے سمندری مچھلیوں اور رین ڈیر کے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ وہ برف یا غار میں گھر بناکر رہتے ہیں۔ ایک شکار مارتا ہے سب ملکر کھاتے ہیں۔ زندگی کی ضرورتیں جو ہمارے پیش آتی ہیں۔ اُن کے نہیں آتیں۔ جو بہادری وہ شکار کھیلنے میں دکھاتے ہیں۔ وہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اور قطبی جزائر بھی انسان کے وجود سے خالی نہ ہوں۔ شاید یہ انسان بھی انہی سے شائستگی پاکر یہاں تک پہنچا ہو۔ اور ابھی کس کو اور بھی شائستگی کی ضرورت ہے۔ مگر جس طرح تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے۔ ضروریات زندگی بھی اس کے قدم بہ قدم بڑھتی جاتی

ہیں۔ ان کے پورا کرنے کو انسان زراعت۔ تجارت۔ ملازمت۔ اجرت۔ حرفت۔ دستکاری۔ گدائی وغیرہ کرتا ہے۔ ان کے انصرام کے لئے انسان کا مدنی الطبع ہونا ضرور تھا۔ کہ ایک دوسرے کی امداد سے رنج و راحت کے سامان بہم پورے اُترتیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک وکیل کا وجود لازم بلکہ الزم تھا۔ جو ہر ایک پیشہ ور میں فیما بین ضامن ہوتا۔ اور چیزوں کے نرخ مقرر کرتا۔ اور حجتوں کو کاٹتا۔ اور حاجت روائی کرتا۔ بعض ملکوں میں کوڑیاں چمڑے۔ کپڑے کے ٹکڑے یا تانبے کے ڈھیلے۔ اور چاندی کے قرص رائج تھے اور بعض میں اب بھی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں روپے کا رواج مدت سے چلا آتا ہے۔ خصوصاً صاحبان انگریز نے اور بھی اس کو شائستہ بنایا ہے اور اس کے چند اجزا مناسب اور ضروری کر دئیے ہیں۔ وہ کیا ہیں اٹھنی۔ چونی۔ دونی وغیرہ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو جو انتظام اور انسان کی کاریگریاں۔ بہادریاں اور شائستگیاں دیکھتے ہو۔ ایک بھی نہ ہوتیں۔ اب ہر ایک پیشہ کا ذکر مختصراً ذیل میں کیا جاتا ہے ٭

زراعت

اس پیشے کو ہمارے ملک میں ہمیشہ سے شریف خیال کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ قدرت نے ہندوستان کی زمین کو اسی غرض کے مناسب پیدا کیا معلوم

ہوتا ہے۔یہاں سلطنت کی آمدنی کا مدار ورت سے کشتکاری پر منحصر رہا ہے۔اب بھی جس قدر اس کی پیداوار میں ترقی ہوتی جائیگی۔ ملک میں دولت اور حکومت میں طاقت بڑھتی جائیگی۔سرکار نے اسی واسطے آبپاشی کے لئے کروڑوں روپے خرچ کرکے نہریں کھدوا دی ہیں اور ابھی اور کھودی جائینگی مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے قدیمی اصول زراعت میں کچھ بھی ترقی نہیں کرتے اور بزرگوں کی تقلید کو نہیں چھوڑتے۔لیکن وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہمارا ملک فن فلاحت میں کیمیائی جوہر دکھائیگا۔کیونکہ ہمارے ملک سے طالب علم اس فن کی تحصیل کے لئے یورپ جانے لگے ہیں۔اور یہاں بھی زراعتی سکول کھلنے شروع ہوگئے ہیں۔سرکار نے رعایا کی آسائش کو مدِنظر رکھ کر زمین کا خراج ایسے اندازے سے مقرر کیا ہے کہ عموماً بسہولت ادا ہوسکے۔زمیندار کفایت شعار ہوں۔اور ان کے کھیت آسمانی یا زمینی آفتوں سے بھی محفوظ رہیں۔تو سرکاری خراج دیکر بھی بہت کچھ پس انداز کر سکتے ہیں ÷

اگر مالگذاری بھی گراں ہوتی۔تو ہم اب تک زمینیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہوتے۔میرے ایک مہرباں کا مقولہ ہے کہ زمیندار کی حالت درست کرنی ہو۔ تو ان سے زر لگان سخت لینا چاہئے۔مگر میرا اس رائے سے کلی اتفاق نہیں کیوں؟ یہ بڑی محنت کا کام ہے۔جاڑے کے موسم میں جب لوگ رات کو بند کمروں یا کوٹھڑیوں کے اندر لحاف۔توشک میں آرام سے پڑے سویا

کرتے ہیں۔ یہ بیچارے مصیبت کے مارے ننگے بدن ہاتھ میں پھاوڑا لئے کھیتوں میں پانی دیا کرتے ہیں۔ گرمیوں میں جب لوگ تہ خانوں یا ٹھنڈے کمروں اور درختوں کی چھاؤں میں آرام کرتے ہیں۔ تو یہ اس وقت دھوپ میں ہل جوتتے ہیں۔ کھلیان بناتے ہیں۔ بیلوں سے روندتے ہیں۔ برسات میں لوگ اپنے گھروں میں آنند کے تار بجاتے ہیں۔ اور یہ موسلا دھار مینہ کو سر پر لیتے ہیں۔ اور پھاوڑا ہاتھ میں لئے کھیتوں میں پانی جمع کرنے کو بند بناتے پھرتے ہیں یا زیادہ پانی ہو جاتا ہے تو نکالنے کو انہیں کاٹتے پھرتے ہیں۔ مینہ ہو یا آندھی ہو۔ درانتی ہاتھ میں ہے اور بیلوں کے لئے چارہ کاٹ رہے ہیں۔ ان مصیبتوں سے جب فصل پکی۔ غلّہ نکلا۔ تو ایک طرف ساہوکار عزرائیل کی طرح سر پر کھڑا ہے برس دن کی کمائی وہ لے جاتا ہے۔ دوسری طرف سرکاری سپاہی موت کے فرشتے کی صورت میں آموجود ہوا ہے۔ مالگذاری کے لئے تحصیل میں گھسیٹے لئے جاتا ہے بڑی مشکل کے بعد ان سے جان بچتی ہے۔ اب اگر کچھ منّا اناج بھی بال بچوں کے لئے بچ رہا۔ تو یہ بچارے اسی میں ایسے خوش ہیں کہ جو ان کے ہے۔ وہ راجہ کے نہیں۔ ان غریبوں پر سختی نہیں کرنی چاہئے۔ افسوس کہ یہ جاہل ایسے کوتاہ اندیش ہوتے ہیں کہ جو کچھ اس مشقت سے کماتے ہیں۔ وہ قوالوں۔ مطربوں۔ ملانوں وغیرہ میں بیدریغ اڑاتے ہیں۔ شادی

یا بوڑھا ماتم ہو۔ کوڑیوں کی طرح روپے لٹاتے ہیں۔ ہزاروں کے قرضدار ہو جاتے ہیں۔ آخر ساہوکار کا سود در سود ان کی زمینیں بھی لے لیتا ہے۔ اور وہ مجبوراً ایسے کام کرتے ہیں۔ جو ایسے جاہلوں کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ ارتکاب فعل یا ترک فعل میں مجرم ٹھیرتے ہیں۔ جیلخانے جاتے ہیں۔ اور اپنے ناشایق اعمال کی سزا پاتے ہیں۔ اس لئے گورنمنٹ کوشش کر رہی ہے۔ کہ یہ لوگ پڑھیں اور اپنے اور پرائے حقوق کو بخوبی سمجھیں۔ اب انہیں سلف ہلپ۔ یعنی اپنی آپ مدد کرنے کے اصول سمجھائے جارہے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ سرکار نے کیوں اس پیشے پر اس قدر ٹیکس لگا رکھا ہے؟ اور کس لئے آمدکرایہ اس سے مستثنےٰ؟ حالانکہ وہ بھی جایداد غیر منقولہ ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے جیسا کہ یہ پیشہ بارآور ہے۔ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک دانے سے بیشمار دانے ہو جاتے ہیں۔ البتہ کسی قدر سرمایہ اور محنت اور باموقع بارشوں کا ہونا ضرور ہے + اب سیاست مدن کے لئے ضرور ہے۔ کہ گورنمنٹ موجودہ سلطنت کے انتظام اور اپنے قیام کے لئے زمینداروں سے حسب حیثیت محصول وصول کرے۔ اور غیر منقولہ جائداد سے مستقل آمدنی قرار نہیں دی جاسکتی۔ اور نہ خرچ کے لحاظ سے اس کی آمدنی اس قدر بارآور ہو سکتی ہے۔ پس ایسی عارضی آمدنی پر ٹیکس لگانا درست نہیں۔ اسی واسطے زمیندار رعایا اور لوگ برایا ہیں۔

اگر غور کیا جائے۔تو ہماری معاشرت کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔کہ گورنمنٹ کے ٹیکس کے بار سے سبکدوش ہو۔خواہ وہ ٹیکس ہم سے وصول ہو کر ہمارے ہی فائدے میں خرچ ہوتا ہو۔تاہم ہماری گرہ سے ضرور جاتا رہتا ہے۔یہ سچ ہے۔کہ اسی پر طاقت شاہی کے انتظام کا مدار ہے۔اگر زمیندار کفایت شعاری کے ساتھ عقلمند بھی ہو تو ہل چلانے۔غلہ روندنے آبپاشی اور چارۂ مویشی بہم پہنچانے میں طرح طرح کی حکمتوں کو استعمال کرے جس سے وہ جلد دولتمند ہو جائے۔جیسی اس کی خشک سالی دشمن ہے۔ویسی ہی ارزانی۔لیکن اگر دور اندیش ہے تو ہر ایک پہلو پر نظر رکھیگا۔اور ساہوکاروں اور پٹواریوں کی دست برد سے بچا رہیگا۔اور کوشش کریگا۔کہ عدالت میں جانے کا موقع نہ آئے۔مگر جب تک اس کو تعلیم عقلی نہ دی جائے۔ان باتوں کا حاصل ہونا مشکل ہے یہ ہر ایک گورنمنٹ کا فرض ہونا چاہیئے۔کہ ان کی مرفہ الحالی میں دل سے کوشش کرے۔اور ان کے حال زار پر رحم کی نظر ڈالے۔اگر ان بیچاروں پر گورنمنٹ رحم کرنا چاہتی ہے۔تو جن اصول پر جبراً ٹیکا لگانے کا ایکٹ پاس کیا ہے۔ان ہی اصول پر کاشتکاروں کی تعلیم بالجبر کا قانون بھی جاری کر دے۔کیوں؟ یہ عقل کے دشمن اپنے نفع و نقصان سے واقف نہیں۔اور جب پچاس فی صدی پڑھ جائیں

تو پھر اس ایکٹ کو اختیاری کر دینا چاہئے۔ اور یہ ضرور نہیں۔ کہ اس کا نفاذ کل ملک پر کیا جائے۔ بلکہ جہاں کوئی میونسپل۔ لوکل یا ڈسٹرکٹ بورڈ خود درخواست کرے۔ اس جگہ کے متعلق کیا جائے۔ اور جب پھر وہ بورڈ بوجوہات ثابت کر دے۔ کہ اب اس کے جاری رہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تو اس کا التزام موقوف کر دینا چاہئے۔ زمینداروں کو ساہوکاروں کے سود درسود سے بچانے کے لیئے ہر تحصیل میں ایک سرکاری بنک کھولا جائے۔ جہاں سے ان کو واجبی ضرورتیں رفع کرنے کے واسطے روپیہ ہلکی شرح سود پر آسانی سے مل سکے۔ یہ ممکن نہ ہو۔ تو اپنی کفالت پر دیسی شخصوں کو ترغیب دے کر بنک کھلوائے عدالت کی حاضری سے بچنے کے لئے مفصلات میں لائق اور معزز شخصوں کو عام طور پر جوڈیشل اختیار عطا کرے۔ پنچائتی حکومت کے اصول کو عام رواج دے۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ ہم اپنے ذاتی امور و خانگی اصلاح میں بھی گورنمنٹ سے استمداد کرتے ہیں۔ کیوں؟ عادی ہو گئے ہیں۔ پس اب گورنمنٹ کو بھی مناسب ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری واجبی بلا واجبی معروضات پر بخوبی غور کیا کرے۔ گو یہاں درخواست بے محل ہو۔ مگر ہم دل سے چاہتے ہیں کہ ہم کو اب سے زیادہ عزت اور اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ہمارے لئے صنعت و حرفت کے سکول عام

کئے جائیں۔ ہم کو سچے انصاف اور سچی آزادی کا مزا چکھایا جائے۔ سیڈیشن ایکٹ (قانون بغاوت) نے تو زبان اور قلم دونو کو بند کر دیا۔ اس لئے کہ ہم صدق دل سے اپنی مہربان اور منصف گورنمنٹ پر بھروسا کرتے ہیں۔ اور اس کی دائمی حکومت کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ کیوں؟ برٹش گورنمنٹ کے مبارک سایہ سے ہمارے ملک کو امن اور آسائش نصیب ہے۔ خدا کرے یہ ہم پر قایم رہے۔ آمین ✣

تجارت

اصول معاشرت میں تجارت بھی ایک شریف پیشہ ہے۔ اس کی صورتیں مختلف ہیں اور اس کے نفع و نقصان بدیہی ہیں۔ محتاج بیان نہیں۔ اجناس کی تھوک فروشی۔ خوردہ فروشی۔ کریانہ۔ بزازی اور غلہ وغیرہ کا خریدنا بیچنا اور ساہوکاری۔ صرافی بھی تجارت ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر بیچنے یا کہیں سے لا کر یا منگا کر کسی چیز کے فروخت کرنے کا نام بالخصوص تجارت ہے۔ اور عموماً اسی قسم کے سلسلۂ خرید و فروخت پر خواہ وہ ریلوے کے ذریعہ سے خشکی میں ہو خواہ جہاز کے ذریعے تری میں۔ اس لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ غرض کسی قسم کی بیع و شرا ہو۔ داخل تجارت ہے۔ اگر سلطنت کے کاروبار

پر خیال کیا جائے - تو وہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے - ہندوؤں نے
اس پیشے کو اس واسطے متوسط کہا ہے - کہ وہ خود الو العزم نہ تھے - کیونکہ
نہ وہ کہیں گئے نہ آئے - یہیں بیٹھے بیٹھے باتیں بناتے رہے - لیکن جب
ہم ان نظیروں پر جو ہمارے سامنے موجود ہیں - غور کرتے ہیں - تو
ہم اس کو سب سے افضل پیشہ خیال کرتے ہیں - ہمارے حکام وقت
اسی کی بدولت نہ صرف دولت میں سب سے بڑھے - بلکہ منصب شاہنشاہی
پر ممتاز ہوئے - انسان جو آپس میں داد و ستد جاری نہ کرتے اور اشیا
کا مبادلہ اجناس یا روپیہ کے ذریعے سے نہ ہوتا - تو دنیا کی یہ صورت
جو دیکھ رہے ہو - ہرگز نہ ہوتی - ہماری ضروریات زندگی اسی شریف
پیشے کی بدولت پوری ہوتی ہیں - اسی میں جس قدر زیادہ سامان موجود ہوگا
اسی قدر ملک میں دولت بڑھیگی - چنانچہ گذشتہ سلطنتوں میں جس قدر وقت
زر اور زرِ بار برداری اور مال کی حفاظت میں خرچ ہوتا - اب وہ امن
و آزادی کے سبب (جو ہمیں گورنمنٹ انگریزی کی برکت سے حاصل ہے)
قریب القیاس بھی نہیں معلوم ہوتا - تجارتی اخبار ہمارے سامنے صلاح
کار مشیر ہیں - جو اپنے شہر یا ملک کے اجناس کی شرح نرخ بیان کر رہے
ہیں - سرکار انگریزی کے عہد میں تجارت کا بڑا حامی پہیہ ہے جس
کے ذریعہ بہت سے بوجھ گاڑی کے ذریعے کھینچا جا سکتا ہے اس لئے

اکثر گاؤں گاؤں کو سیدھی سڑکیں اور پک ڈنڈیاں بنائی گئی ہیں۔ خطرناک راستوں میں پولیس کی چوکیاں بٹھائی گئی ہیں کہ عام مسافر یا تاجر بے اندیشہ سفر کر سکیں۔ ملک میں کثرت سے ڈاکخانے کھول دئے ہیں۔ کہ ہر ایک شخص پیسہ دو پیسہ خرچ کرکے سارے ملک میں جہاں چاہے چٹھی بھیجدے۔ روپیہ بھیجنا ہو۔ تو منی آرڈر یا نوٹ یا ٹکٹ یا ہنڈی کے ذریعے سے بھیج دے۔ جمع رکھنا ہو۔ تو ڈاک خانوں کے سیونگز بنک میں جمع کرا دے۔ ایک تو مال محفوظ رہیگا۔ دوسرے کچھ سود چاہو۔ تو ملیگا۔ خبر یا روپیہ بھیجنے کی بہت جلدی ضرورت ہو۔ تو تار برقی موجود ہے۔ بعض جگہ ٹیلیفون لگائے گئے ہیں۔ کہ دور بیٹھے بیٹھے زبانی باتیں کر لی جائیں۔ جنگی ضرورتوں کے واسطے سرکار نے ہلیوگراف یعنی عکسی شیشہ بنایا ہے۔ جسکی جھلک سے اپنی فوج میں راز کی باتیں بتائی جائیں۔ خواہ وہ کئی کوس کے فاصلے پر ہو۔ یورپ کے بعض ملکوں میں نامہ بر کبوتروں سے بھی چٹھی رسانی کا کام لیا جانے لگا ہے ٭ عجب نہیں کہ کبھی ہند میں بھی ان سے کام لیا جائے ٭ مال اُٹھانے کو ایک عمدہ حمّال ریلوے گاڑیاں ہیں۔ اور سمندر میں اگنبوٹ یا جہاز ہیں۔ دیکھو اکثر سوداگر بجائے خود فرمان فرما ہو جاتے ہیں۔ بڑھتی دولت میں نوکر۔ چاکر۔ گماشتے۔ منیب اور خدمت گار دست بستہ حاضر ہیں۔ مقررہ و متعلقہ احکام بجا لانے

میں مستعد ہیں۔ بعض غریب آدمی عمدہ تدبیر سے دیکھتے دیکھتے دولتمند ہو گئے ہیں۔ اور کتنے ہی روپے والے سوء تدبیری سے دوالیئے بن گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ احتیاط اور دور اندیشی سے تجارت کی جائے۔ اور مال کو زیادہ منافع کی امید پر روک نہ رکھا جائے۔ تو اس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ ذریعہ دولت کمانے کا نہیں۔ بعض دفعہ سوداگروں کو آگ۔ پانی یا چوروں سے ضرر پہنچتے ہیں۔ تمہارا اختیار ہے۔ انہیں انسانی غفلت کا نتیجہ سمجھ لو۔ یا امر اتفاقی کہ لو۔ یا قسمت و نصیب؟ بیوپاری کیسا آدمی ہو؟ محاسب ہو۔ خوش خلق ہو۔ کفایت شعار اور زباندان ہو۔ سچ کہے۔ اور زبان کو نہ بدلے۔ انجان کو دھوکا نہ دے۔ ناشایستہ لوگ ان اصولوں کے پابند کم دیکھے جاتے ہیں۔ مگر تجربہ کار دانشمند جانتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک میں کس کثرت کے ساتھ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ میں سچے دل سے چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے کل کارو بار سچائی سے ہوں۔ اور ہمارا کوئی قول و فعل راستی سے خالی نہ ہو۔ آمین *

ملازمت

ملازمت کا پیشہ بھی برا نہیں۔ لیکن جب دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس میں انسان کو اپنی آزادی و خود مختاری ترک کرنی پڑتی ہے۔ تو اس

سے کوئی پیشہ بدتر نہیں معلوم ہوتا۔ اسی واسطے ہندوؤں نے اس کو
سب سے رذیل پیشہ مانا ہے۔ لیکن انگریزی سلطنت میں ملازم کی قدر و
منزلت پہلے سے کہیں اچھی ہو گئی ہے۔ قاعدے کی پابندی اور فرائض
کی بجا آوری گو اب سخت ہے۔ لیکن جو ماتحت اپنی سیدھی راہ چلا جائے
اور فرائض منصبی کو بخوبی بجا لاتا رہے۔ تو اس پر کوئی تشدد نہیں کر سکتا
بلکہ گنجائش ہو تو جلدی جلدی ترقی حاصل کرتا رہیگا۔ ملازم کو اگر کوئی
افسر بیوجہ سزا دے بیٹھے۔ تو وہ بالادست حاکم کے حضور میں اپیل کر
سکتا ہے۔ علیحدگی و برخاستگی ماتحت کی بلا اُس کا تحریری جواب لے اور
وہ بھی کافی مہلت دے کر۔ واقعی یہ بھی کیا عمدہ حکومت ہے۔ جس کے
عہد میں ہر ایک کو داد خواہی کا موقع دیا جاتا ہے۔ دیکھو ملازموں کی
تنخواہ اور مدارج کی حدیں مقرر ہیں۔ اور میعاد مقررہ تک سرکاری ملازمت
کرے۔ تو نوکری چاکری معاف ہو جاتی ہے۔ اور بقیہ عمر عزت و آبرو
سے بسر کرنے کے واسطے گھر بیٹھے پنشن ملا کرتی ہے۔ اکثر ملازم خوش
پوش۔ خوش خوراک اور صفائی پسند ہوتے ہیں۔ آجکل ہمارے ملک
میں اس قدر شوق اس پیشے میں داخل ہونے کا پیدا ہو گیا ہے۔
کہ شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا۔ مگر یہ شوق اچھا نہیں۔ کیوں؟ ملازموں
کی تعداد اگرچہ جس قدر اب ہے۔ پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ تاہم

کل ملک کے شوق کو کیونکر پورا کیا جا سکے - جتنی کوشش لوگ اس کے
حاصل کرنے کے واسطے کرتے ہیں- اور اس کی تلاش میں مارے
مارے پھرتے ہیں- اور پیشے کے لئے کرتے تو وجہ معیشت
بہ آسانی پیدا کر سکتے *

اے نوکری کے امیدوارو! سنو! تم نے پُرانے زمانے کا فقرہ
سنا ہوگا کہ چوری - یاری- اور چاکری بلا وسیلے نہیں- اب بھی یہی
حال ہے اگر کوئی اور ذریعہ نہیں- صرف سند- لیاقت اور نیک چلنی
ہی کی سفارش ہو- تو جو نوکری ملتی ہے -کر لو- پھر تمہاری کار
گزاری لیاقت اور ایمانداری خود ترقی کا وسیلہ ہو جائیگی- لیکن جو
تم اس امید پر بیٹھے رہو- کہ پہلے ہی قدم اپنی لیاقت کے موافق
روزگار پاؤ- تو یہ اس سوداگر کی مثل ہوگی- جو اپنی جنس اس
امید پر روک رکھے- کہ جب مہنگی ہوگی- تو بیچونگا- اس سے ہمیشہ
کامیابی نہیں ہوتی- اکثر مال بے قدر ہو جاتا ہے - اور نفع کے بدلے
نقصان اُٹھانا پڑتا ہے - ممکن ہے- کہ تم بھی اسی طرح کامیاب
نہ ہو سکو- اور پھر تمہیں عمر بھر انتظار میں فاقہ کشی کرنی پڑے-
بعض نوجوان پرائمری درجے تک ہی لیاقت پیدا کرکے قلمدان بغل
میں دبا اور کان میں قلم رکھ منشیوں کے ذیل میں داخل ہونا

چاہتے ہیں۔ جب ناکام رہتے ہیں۔ تو تعلیم علوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اس لیے طرح بڑھتے شوق کو پسند نہیں کرتے۔ بیشک سرکاری نوکری کو عزت کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ لیکن جو سب نوکری پیشہ ہی ہو جائیں۔ تو دنیا کے باقی کار و بار کون کرے ؟

پس پڑھنا اپنی سمجھ کے درست کرنے اور معلومات کی ترقی کے واسطے چاہیئے۔ صرف سرکاری نوکری ہی اس کا ماحصل نہ جاننا چاہیئے اور یہ بھی نہیں۔ کہ پڑھو تو تم۔ اور احسان سرکار پر رکھو۔ کہ پڑھتے ہی حکام کی گردن پر سوار ہو جاؤ۔ بلکہ پڑھ کر عمر بھر خلوص ارادت سے اپنی گورنمنٹ کے شکر گذار ہو۔ جس کی مہربانی و فیض رسانی سے تم اس قابل ہوئے۔ تم بیشک پڑھ کر اپنے گھر کے کام میں لگ جاؤ۔ باپ دادا کا پیشہ کرو۔ اور اچھی طرح کرو۔ اگر کوئی گھر سے نکال دے یا برادری والے تمہیں شامل نہ کریں۔ تو ہمارا ذمہ۔ تم تو اَوروں سے اچھا کام کروگے۔ علم کے زور سے انہیں کاموں میں نئے نئے ایجاد اور طرح طرح کی اصلاحیں لگالوگے۔ اور قوم میں جلدی مقتدر ہو جاؤگے۔ نوکری کی آمد تو محدود ہوتی ہے۔ اور خرچ زیادہ ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ جو ظاہری حیثیت دیکھتے ہیں۔ تو دل میں خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ بڑے دولتمند ہونگے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں ؟ نوکر

کو بعض حالتوں میں ظاہری نمود کا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔پہلے ذکر ہو چکا ہے۔کہ نوکری اگر چاہو۔تو بغیر ذریعے کے نہیں ملیگی۔خواہ کوئی رشتہ دار یا دوست اہلکار ہو یا حاکم مددگار ہو۔یا علمی ڈپلوما ہی سفارشی ہو۔اور پھر خواہ کتنا ہی صاحب رتبہ ہو جاؤ۔آخر بندگی بیچارگی ہے۔ اپنے سے بالا دست حکام کی خوشامد نہ کرو۔تو پھر رہو گے کس طرح؟اگر بد قسمتی سے کسی الزام میں اگر موقوف ہوگئے۔یا تخفیف میں آ کر برخاست ہوئے۔تو بڑی مصیبت پیش آئیگی۔کیوں؟جب نوکری جاتی رہی اور عادتیں ہیں زیادہ خرچ کرنے کی۔اور پاس بھی کچھ ہے نہیں۔کہ بیکاری میں کام آئے۔اور کوئی ہنر بھی نہیں جانتے۔اور آبائی کام سے نا واقفیت۔عیالداری کی کثرت۔قحط سالی یا بیماری کی بلا سر پر۔تو کہو اس سے زیادہ اور کیا مصیبت ہوگی۔خدایا یہ دن دشمن کو بھی نہ دکھائے۔بہتر ہے کہ اول ہی سے کسی پیشہ میں مصروف ہو جاؤ۔کہ آزادی و خود مختاری بھی حاصل رہے اور گزارہ بھی ہوئے جائے۔اور نوکری میں تو آزادی دوسرے کے ہاتھ بک جاتی ہے۔یہاں تک کہ ملازم اپنے عزیزوں کے دکھ سکھ میں بھی شامل نہیں ہو سکتا۔پس ہم تو یہی رائے دینگے۔کہ لیاقت اور آدمیت پیدا کرنے کے واسطے علم حاصل کرو۔اور تحصیل علم و ہنر کے بعد اپنے آبائی

یا کسی اَور دل پسند کام میں لگ جاؤ۔اور اگر کوئی ہنر جیسے طبابت یا قانون یا انجینیرنگ وغیرہ جانتے ہو۔تو انہیں پیشوں میں نام پیدا کرو۔اور اپنے ملک و قوم کے خیر خواہ بنے رہو۔اور اس کی بہتری کی فکر کرو۔اپنے آمد و خرچ کا اندازہ رکھو۔اور آمد سے خرچ کو کبھی نہ بڑھنے دو۔بلکہ کفایت شعاری سے بُرے وقت کے واسطے کچھ پس انداز کرو۔ہماری نصیحت مانوگے۔تو تمام عمر عزّت و آرام سے رہوگے ورنہ بہت پچھتاؤگے۔سخت تکلیف اُٹھاؤگے ؞

حرفت و دستکاری

صنعت و حرفت یا دستکاری بھی حسن معاشرت کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔لُہار۔سُنار۔بڑھئی۔جولاہا۔درزی۔رنگ ساز۔دھنیا۔رنگریز۔معمار۔موچی۔دھوبی وغیرہ اس میں کس جان کاہی سے مصروف ہیں۔مگر پھر بھی کتنے آزاد اور خود مختار ہیں۔جس وقت جی چاہا کام پر بیٹھ گئے۔جبتک جی لگا رہا۔کرتے رہے۔ذرا جی گھبرایا۔اور چھوڑ دیا۔ان مزدوروں کو ان میں شامل نہ کر لینا جو روز ملنے پر کسی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ایسے شخصوں کی آزادی اتنی دیر تک کے لئے رہن یا بیع ہو جاتی ہے۔ان کو ملازموں کی ذیل میں داخل کرنا

مناسب ہے۔

ہمارے دیسی بھائیوں نے حرفت و دستکاری میں بھی کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ بزرگوں کی تقلید پر مرے جاتے ہیں اور لکیر کے فقیر ہو رہے ہیں گویا وہ سمجھے ہوئے ہیں۔ جہاں تک کہ ہماری معلومات ہے وہی اس کام کی آخری حد ہے۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ جو کام انسانی طاقت سے بنتا ہے۔ وہ کبھی نقص سے پاک نہیں ہوتا بلکہ جو چیزیں اب سے چند سال پہلے ہمارے نہایت دل پسند تھیں ان میں سے بہتیری چیزیں ایسی ہیں۔ جن کے دیکھنے کو بھی اب جی نہیں چاہتا۔ خاص کر جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ولایت کی بنی ہوئی چیزیں ہماری ساختہ اشیا سے صفائی۔ پختگی۔ جلا۔ سُبکی میں بدرجہا بہتر ہیں۔ اور قیمت میں سستی۔ اسی واسطے ہماری بنائی ہوئی چیزیں روز بروز بے قدر ہوتی جاتی ہیں۔ اور ہماری فاقہ مستی ترقی کرتی جاتی ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ ہم کس شیخی پر اپنے زعم میں افلاطون بنے بیٹھے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ابھی علمی طاقتوں سے کام لینا شروع نہیں ہوا۔ یا ہنوز عملی تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ اسی واسطے دستکاریوں میں مخترعات کا دروازہ عموماً بند پڑا ہے۔ گورنمنٹ کی یہ مہربانی ہے۔ کہ متواتر نمایش گاہوں میں منگا کر یہاں کے کاری گروں

ساختہ اشیاء کی قدر کرتی ہے۔ صنعت و حرفت کے مدرسے جاری کرتی جاتی ہے بعض جگہ خاص میلوں میں ان کی بکری ہوتی ہے۔ اسی طرح روزافزوں کوشش چلی گئی۔ تو غالباً ایک زمانہ ایسا آجائیگا کہ ہم بھی یورپ کے دست نگر نہ رہینگے۔ مگر ہماری موجودہ حالت قابل افسوس ہے۔ کیوں ؟ ہمارے ملک کی روئی جو ایک روپے کی تین سیر کے نرخ پر یورپ جاتی ہے۔ اور وہاں سے اسی کے قسم قسم کے کپڑے بن کر یہاں آتے ہیں اور گران قیمت سے مثلاً ایک چھٹانک یا آدھ پاؤ کے وزن سے فی روپیہ ہمارے ہاتھ فروخت ہوتے ہیں۔ ہم یہاں بنانا چاہیں۔ تو کلوں کے بغیر کس طرح بنا سکیں۔ اور جو بنے وہ بد صورت اور گران قیمت پڑے۔ کلیں ہم بنا نہیں سکتے۔ ولایت سے ہزاروں لاکھوں روپے میں آتی ہیں۔ ان کے رکھنے۔ چلانے کے لئے کافی مکان اور واقفیت چاہئے۔ بگڑ جائیں۔ تو انہیں درست کرلینے کی قابلیت بھی ضروری ہے۔ سرمایہ کافی ہو۔ اس کے بعد پھر ہم کو خود کلیں تیار کرنے کی عقل آئیگی ۔۔ غرض ہمارے پہننے کو سوتی۔ اونی کپڑے سونے کو کوچ و بچھونے۔ بیٹھنے کو مونڈھے اور کرسیاں۔ آگ جلانے کو دیا سلائی کی ڈبیاں۔ حقہ کشی کی جگہ چرٹ۔ ہاتھ میں رکھنے کو خوب صورت چھڑیاں۔ پاؤں کو بوٹ دستی رومال دھوپ سے بچنے کو ہلکے خوش رنگ اور نفیس چھاتے۔ لکھنے پڑھنے کو قلم دوات۔ سیاہی۔ کتابیں۔ چاقو۔ قینچی وغیرہ۔ آنکھوں کی عینکیں۔ جیب گھڑیاں

اور کلاک۔ کھانے کو خوش رنگ و لذیذ مٹھائیاں بسکٹ - پینے کو اُلٹام-برانڈی سوڈا واٹر۔ بچوں کے کھیلنے کے کھلونے - ریل چلانے کے انجن اور کیل کانٹے وغیرہ وغیرہ - یہ سب چیزیں اب تک ولایت ہی سے آتی ہیں اور ہم خرید کر اپنی معاشرت کو بآسانی پورا کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ملک کی دولت کھینچی چلی جا رہی ہے - اس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ ہم بجائے خود غور کرکے دیکھیں۔ تو ہم مفلس ہوتے جاتے ہیں پس ہم باہم صلاح و مشورت سے شراکتی کارخانے نہ کھولینگے۔ تو ملک کی جاتی دولت کو کیونکر تھام سکینگے۔ جیسے فلالین کے پہننے سے بدن کے اندر کی گرمی اندر ہی تھمی رہتی ہے۔ اور بیرونی گرمی داخل نہیں ہو سکتی - اسی طرح اپنے ملکی کارخانوں سے اندرونی دولت اندر ہی رہیگی - اور بیرونی اشیا خود بخود آنے سے بند ہو جائیگی - جیسے سیاہ رنگ اندر کی گرمی کو قائم رکھ کر خارجی گرمی کو بھی جذب کر لیتا ہے - اسی طرح ملکی کارخانے پہلے اپنی ضرورتیں آپ حاصل کرکے اور ملکوں کی فرمائشوں کو پورا کرنے کو حاصل کر سکینگے۔ پس بہتر ہے - کہ ہم آپس میں اتفاق سے ملک کی ضرورتوں کے موافق کلبیں اور کارخانے جاری کریں۔ مگر یہ کام بہت مشکل ہے - کیوں؟ ہم کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں - اور دنیا کے کارخانے کا مدار اعتبار پر منحصر ہے۔ بعض خود غرض لالچی دغا دیکر اپنا روسیاہ کرتے ہیں۔ مشہور ہے ایک مچھلی سارا جل گندہ کر دیتی ہے - وہ ایمانداروں کو بھی بے اعتبار

بنا دیتے ہیں - یورپ میں عموماً بڑے بڑے کارخانے شراکت سے چلتے ہیں -
تین سو برس سے کچھ کم عرصہ ہؤا - کہ انگلستان سے ایک مشترک سرمائے والی
جماعت یا کمپنی ہمارے ملک میں تجارت کو آئی تھی - جس نے کروڑوں روپے
کمائے - اور آخر کار کل ہند پر حاکمانہ طور پر قابض ہو گئی - یہ عام لوگ
بھی مانتے ہیں - کہ جماعت میں کرامت ہوتی ہے - مگر عمل نہیں کرتے -
خوشی کی بات ہے کہ اب کچھ عمل ہونے لگا ہے - ایک کارخانہ کاغذ بنانے
کا لکھنؤ میں قائم ہوا ہے - اسی طرح دھاری وال میں اونی کپڑے طیار
کرنے کا کارخانہ کھلا ہے - سجان پور میں قند سازی کے کارخانے ہیں -
لودھیانہ - گجرات - وزیر آباد میں دیسی کپڑا بننے لگا ہے - لاہور میں بہت
کارخانے ہیں - ایک بڑا کارخانہ کپڑا بننے کا رائے میلا رام مرحوم کے فرزند
ارجمند نے لاکھوں روپے لگا کر جاری کیا ہے - روئی بیلنے - گٹھڑی باندھنے
تیل پیلنے - چاول نکالنے - آٹا پیسنے کے کارخانے چناب کنال پر کھل گئے
ہیں - کاہن پور میں چمڑے کا کام ہوتا ہے - میرٹھ اور میانی میں عمدہ
صابون بنتا ہے - سہارن پور اور آگرے میں بوٹ طیار ہوتے ہیں - بمبئی
میں چند کارخانے کورے کپڑے کے قائم ہوئے ہیں - کہیں سوت کاتا اور
رنگا جاتا ہے - اور بھی مختلف قسم کے کام شروع ہوئے ہیں - مگر اتنے
بڑے ملک میں یہ گنتی کے کارخانے کچھ بہت نہیں - طرفہ یہ ہے - کہ ان

کارخانوں میں سے بھی اکثر کے مینجر انگریز ہیں۔ دیسیوں میں یہ مادّہ ابھی بہت کم ہے۔ پس جب تک ہم پوری خواہش اور توجہ کے ساتھ یہ کام آپ نہ سیکھینگے اور کام کرنے کا حوصلہ نہ کرینگے اُس وقت تک کامیابی کی امید نہیں۔ اور جب تک سچی تعلیم کی اشاعت عام نہ ہوگی۔ ہمیں اپنی کامیابی پر پورا بھروسا نہیں کرنا چاہئے ؛

گریٹ برٹن کے باشندوں نے جو صنعت و حرفت میں روز بروز ترقی کی ہے اور اس کے وسیلے سے ملک کو دولت سے مالا مال کر لیا ہے۔ اس کی ایک کامل وجہ یہ بھی ہے۔ کہ بلحاظ آبادی کے اس ملک کی وسعت ہمارے ملک کی نسبت بہت کم تھی۔ اور زمین کی پیداوار اور ملکی ضرورتوں کو کافی نہ تھی اور سوائے اس کے زمینیں خراب تھیں۔ مجبوراً روپے کمانے کے واسطے جس سے کہ معاشرت میں سہولت ہو۔ انہیں کوئی اور سبیل تلاش کرنی پڑی۔ یہ نہیں۔ کہ صرف صنعت و حرفت میں ہی نمایاں ترقی دکھلائی بلکہ زمینوں کی حیثیت کو بھی ایسا قیمتی کر دیا۔ کہ سو ایکڑ زمین کا مالک ہمارے متوسط درجے کی دیسی ریاست کے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ اب ان کے مقابلے میں ہم اپنے تئیں دیکھیں۔ اور گریبان میں منہ ڈالیں کہ ہندوستان کو جنت نشان۔ کان طلا اور سونے کی چڑیا سمجھکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ مانا کہ اس میں زندگی کی اکثر ضروری چیزیں تھوڑی

نت سے مل جاتی ہیں۔ اور زمین بھی اچھی ہے۔ مگر ہمیں زمانہ کی
ضرورتوں کے لحاظ سے علوم جدیدہ سے ماہر ہوکر فن فلاحت کے قواعد
پر عمل کرنا مناسب ہے۔ بلکہ جو فکر ہم آج کر رہے ہیں۔ اگر شروع
سے کرتے۔ تو کیوں غیر اقوام کے دست نگر ہوتے۔ اور اب بھی
اپنی حالت کے سنوارنے کی یہ تدبیر ہے۔ کہ جا بجا میوزیم یعنی
نمائش گاہ کھولیں اور اپنے دیسی بھائیوں کو دیسی صنعت کی ترقی
پر متوجہ کریں۔ ممکن ہے کہ ہمارا وہ اندیشہ جاتا رہے۔ جو اس با امن
سلطنت کے باعث آبادی کے بڑھنے اور معاش کے کم ہو جانے کے
خیال سے پیدا ہوا ہے۔ کیوں؟ ہمارے کھانے کا عمدہ غلہ یعنی گیہوں
بھی کثرت سے ولایت جانے لگا ہے۔ اور ضرورت کے وقت بارشیں
کم ہونے یا کثرت سے ہونے کے لحاظ سے نہ صرف کھانے کا غلہ
پہلے سے سخت گراں قیمت ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ معاشرت کی اور سب
چیزیں بھی روز روز مہنگی ہوتی جاتی ہیں۔ اور تہذیب کے باعث
ضروریات زندگی بڑھتی جاتی ہیں۔ اسواسطے ہمیں مآل اندیشی
سے ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ملکی صنعت و حرفت میں
بڑی سرگرمی کے ساتھ ترقی کرنی چاہیئے۔ کیوں؟ جس قوم یا ملک
کی حالت قابلیت کے لحاظ سے خواہ ثروت یا حکومت کے اعتبار

بے غایت درجے تک بگڑ جاتی ہے - تو اس کو اصلاح کی تدبیریں بھی
سوجھنے لگتی ہیں - پس اے بھائیو! میں خیال کرتا ہوں - کہ شاید اب
وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم متفق ہو کر اپنی بہتری کی تدبیریں سوچیں -
اور خوب کوشش سے فرداً فرداً اپنے ملک کے سنوارنے میں مصروف
ہو جائیں - قوم کے ہر فرد بشر کی سرگرمی اور کوشش اس قوم کو شائستہ
اور مرفہ الحال کرتی ہے - اور وہ ملک خوش حال گنا جاتا ہے - جس میں
ایسی قوم ہو - لیکن سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں میں
نفسا نفسی پڑی ہوئی ہے - شاید کہ نیشنل کانگریس (قومی مجلس) جس
کے سالانہ جلسے نیک نیتی سے ملک کے کسی بڑے مقام پر ہوتے ہیں
اپنے ملک کو افلاس کے شکار ہونے سے محفوظ رکھے - خدا کرے ایسا
ہی ہو ۔

گدائی

کسی غیر شخص کی کمائی میں بغیر کسی حق کے حصہ دار ہو جانا سراسر
بے انصافی ہے - لوگوں کو یہ ترغیب دینا کہ ہم کو برائے خدا دینا ثواب
ہے - نیک کام ہے - عاقبت میں بھلا ہوتا ہے - ایک دو تو آگے دس
بیس یا ستر وہاں اور دس یہاں - غرض جس سے خوف یا رجا کا دام
بچھا کر لوگوں کو لوٹتے ہیں - اس بد ذلیل اور بدتر پیشہ کو گدائی کہتے ہیں

پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے۔کہ دنیا کس کو چاہئے۔ جو داخل خیرات ہو۔ وہ یہ ہے۔یتیم بچہ۔بیوہ۔ضعیف۔بوڑھا مرد جس کا کوئی خبر گیر نہ ہو۔حواس باختہ۔مجذوم۔لولا۔لنگڑا۔اندھا۔غرض ان میں بھی جو اپنی شکم سیری کا بندوبست آپ نہ کرسکتا ہو۔مصیبت زدہ۔بیمار۔غریب۔مسافر۔یا وہ شخص جس کا گھر یا اُس کا اثاثہ برباد ہوچکا ہو یا آگ سے جل گیا ہو۔پانی میں ڈوب چکا ہو۔چوروں نے لوٹ لیا ہو۔مگر بدچلنی سے مقروض نہ ہُوا ہو۔بیشک ایسے شخص ہمدردی کے قابل ہیں لیکن کسی مخصوص فرقے یا گروہ کو خیرات کا مستحق قرار دے کر خیرات دینا خیرات نہیں۔ان مکانوں کی تعمیر یا مرمت میں امداد دینا جو مفید عام نہ ہوں خیرات نہیں۔کسی خوشامد گو یا قوّال وغیرہ کو بخشش کرنا خیرات نہیں۔جوانوں یا ان شخصوں کو جو اپنی محنت و مزدوری سے اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں۔خیرات دینا داخل ثواب نہیں۔بلکہ اگر وہ اس ند کو بُرے کاموں پر لگائینگے۔تو تم کو بدی کا حصے دار ہونا پڑیگا۔کیوں؟ بدی کے محرک تم ہوئے ہو۔چور کو جو دیدہ و دانستہ چوری کے اوزار دیتا ہے۔گو خود اس میں شامل نہ ہو۔تاہم وہ مجرم سرقہ ہے۔بالفرض اگر وہ تمہاری بخشش کو بُرے کام پہ نہیں لگاتے۔پھر بھی تمہاری فیاضی ان کو ناکارہ بنا رہی ہے۔اس میں تم انسان کی ذات کا بُرا کر رہے ہو۔بلکہ پروردگار سے برسر مقابلہ ہوتے ہو

جس نے اس میں عقلی اور بدنی زور خود کمانے کے لئے دیا۔ اُس نے تندرست کیا۔ اعضائے جسمانی درست بنائے۔ تم سمجھ بوجھ کر خدا کی قدرت کو فضول جانتے ہو۔ کیونکہ اس کے منشاء کے برخلاف کام کرتے ہو۔ پس ہمیں دو شخصوں پر بڑا افسوس آتا ہے۔ ایک وہ جو زمانے کے ادنےٰ تغیر سے خیرات خوری شروع کر دے۔ دوسرا وہ جو غیر مستحق کو خیرات دے جیسے موذی جانور کو زندہ چھوڑنا اس واسطے بُرا ہے کہ وہ مخلوق کو ضرر پہنچائیگا۔ ویسے ہی جھوٹے نمود اور اپنی تعریف سُننے یا رسم پرستی یا خوف برادری کے واسطے ناکردنی کرنے اور کشادہ دل بننے والا انسان موجودہ نسل کا بُرا کرتا ہے۔ اور آیندہ امت کے واسطے بُری نظیر چھوڑتا ہے۔ اگر کچھ بھی عقل رکھتے ہو۔ تو اپنے جی میں سوچو! کہ اگر خود بھیکمنگے ہوگے یا بھیکمنگوں کی مدد کروگے۔ یا اَوروں کو ایسے کاموں سے نہ روکوگے۔ تو تم سے زیادہ گنہگار کون ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ماں باپ۔ بھائی اور استاد جو بہر صورت تم پر استحقاق رکھتے ہیں۔ ان سے بھی اس قدر کشادہ دلی نہ کرو۔ کہ بیکار نشینی کو باوجود تندرستی و طاقت بدنی کے آرام سمجھنے لگ جائیں۔ چہ جائے کہ غیروں کے ساتھ ایسی مروّت کرو۔ جب معذوری کی حالت میں ہر ایک سے ہمدردی واجب ہے۔ تو یاد رکھو کہ اپنی ذات کے بعد سب پہلے قریبی رشتہ دار ہیں۔ جن کی دستگیری

کے لئے تمہیں ہر طرح آمادگی دکھلانی چاہئے۔اور پھر لے علے قدر مراتب اور رشتہ دار ہیں۔پھر پڑوسی اگر ان سے بچ رہے تو پھر ہرایک انسان بلا تفریق قوم یا مذہب ہے۔جو مستحق ہو۔

زمیندارو متوجہ ہو کر سنو!

دیکھتے ہو کہ زمانے کی حالت ہردم دگرگوں ہو رہی ہے۔زمانے کی رفتار کے ساتھ تم کو بھی اپنے پیشے میں ترقی کرنی چاہئے۔مگر اب تک تم برابر تقلید کے بندے بنے رہے ہو۔خیال تو کرو پے درپے کاشت سے تمہاری زمینیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔لالچ کے مارے اتنی زمین کی کاشت شروع کر دیتے ہو۔جس کی خبرگیری اور پوری خدمت تم سے نہیں ہو سکتی۔ اسواسطے کل کام میں کمزوری آ جاتی ہے۔جس سے پیداوار بھی خاطرخواہ نہیں ہو سکتی۔اگر کل زمین کے دو حصّے کر لو۔نصف زمین میں مویشی کے چارے کے لئے گھاس رکھ لو۔اور نصف میں کھیتی باڑی کرو۔اور پھر اس پر محنت اور نگرانی عمدہ رکھو۔تو کیوں پیداوار میں ترقی نہ ہو۔سنو! جس حصّے میں گھاس ہوگی۔وہ زمین آیندہ فصل کے لئے تازہ دم ہو جائیگی۔مویشی کے چارے کو گھاس کافی ہوگی۔فصل اس نقصان سے بچیگی۔زمین میں فصل کی زیادہ استعداد ہوگی۔جس سے پیداوار بہ افراط ہوگی۔اسی طرح یہ دونو حصّے نوبت بہ نوبت

ایک دوسرے کو مدد پہنچاتے رہینگے۔ کھاد (پانس) ڈالنے میں بھی تم نے قدیم دستور کو ترک نہیں کیا۔ یورپین کاشتکار کھاد میں مردہ حیوانات کی ہڈیوں کا چُورہ ملا لیتے ہیں۔ اور پھر تیزاب سے گلاکر استعمال کرتے ہیں۔ تمہاری طرح اس کثرت سے پانس ضائع نہیں کرتے۔ تمہارے کشاورزی کے اوزار قدیمی وزنی اور بھدّے ہیں۔ تم جو ولایتی ہلوں کا استعمال پسند نہیں کرتے۔ تو آپ ہی اپنی طبیعت سے کوئی ایسا ہل ایجاد کرو۔ کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام دے اور گہرا کھودے کبھی تم نے اس بات پر غور بھی کی ہے۔ کہ کیوں تمہارے ہاتھ سے جدی زمینیں نکل کر ساہوکاروں کے قبضے میں بیع یا رہن کے ذریعے جا رہی ہیں۔ سنو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ تم ان پڑھ اور فضول خرچ اور کوتہ اندیش ہو۔ اسواسطے مقروض ہو جاتے ہو۔ اور ساہوکار اس بہانے سے کہ سرکار کی طرف سے جدید تمسک کی میعاد تھوڑی ہے۔ نالش کے دباؤ سے سود در سود بڑھاتے ہیں۔ اور تمہارا خون نچوڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ دولتمند اور تم مفلس ہوتے جاتے ہو۔ ادائے قرض یا سمجھنے میں ذرا جو عذر کرو تو جھٹ نالش داغ دیں۔ پھر عدالت میں جانے کے سبب اپنے کام کا ہرج۔ گواہوں کا خرچ۔ کمیشن کی فیس۔ عدالت کے رسوم۔ وکیل کا محنتانہ۔ اصل و سود پر اور بڑھ جائے۔ ساہوکار سے گھر میں فیصلہ کر لو۔ تو اس قدر مزید بوجھ نہ بڑھنے پائے۔ پر یہ دور اندیشی کا کام ہے۔ مالگذاری بھی تم سیدھے ہاتھ سے نہیں دیتے۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہ یہ معاف نہیں ہو سکتی۔ اور نہ

تحصیل کے چپڑاسی بے وصول کیئے ٹلنے والے ہیں۔ ہاں مٹھی گرم کردو۔ تو ذرا سہارا ملے۔ جانتے ہو۔کہ گاڈی کا بٹواری اگر ہماری آپس میں پھوٹ نہ ڈالے۔ اور ہمیں لڑاکر برباد نہ کرے تو آپ کہاں سے کھائے۔ پھر بھی تم ایسے بے سمجھ ہو۔کہ اس کے دم میں آ جاتے ہو۔ تمہاری باہمی عداوت میں اس کی تو ضرور چاندی ہے۔مگر تمہارا ستیاناس ہوتا ہے۔ جیسے تمہارے ہرے کھیتوں کے چوہا۔ ٹڈی دل۔ تیلا۔ لاکھ وغیرہ دشمن ہیں۔ ویسے ہی تمہارے ساتھ پولیس۔پٹواری بندوبست کا محکمہ اور مالی حاکموں کا دورہ سلوک کرتا ہے۔سنو سنو۔ جبتک تم لائق نہ ہوگے۔تم سے ایسا ہی سلوک ہوتا رہیگا۔ دیکھو اب ہندوستان کی آبادی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔کیوں؟ سلطنت کی طرف سے سب طرح امن ہے جو خوشحالی کی جڑ ہے۔ جس سے انسان کی نسل میں ترقی ہوتی ہے۔لیکن تم کبھی غور نہیں کرتے کہ زمینی پیداوار ملک کے باشندوں کو ہمیشہ کس طرح کافی ہوسکیگی۔ جس صورت میں کہ یورپ کے گیہوں کی مانگ بے طرح شروع کردی ہے سولہ سترہ کروڑ روپیہ سالانہ کے جلتے ہیں۔ اور امید نہیں۔کہ اسی پر بس کریگے بلکہ یہی صورت رہی۔ تو ولایت میں غلے کی مانگ اور بڑھ جائیگی۔شکر ہے کہ یہی ذریعہ ملک میں دولت یا معاوضہ میں رضامند لانے کا ہے۔اس کی مانگ کے لئے مفید ہے۔ ورنہ ضرورت سے زیادہ پیدا ہوا غلہ سڑجائے۔اگر استعمال میں آئے تو موجب بیماریوں کا ہو۔ بقول لارڈ کرزن صاحب ارزانی ملک کے لئے مفید

نہیں۔ صرف غربا کو کسی قدر ہے۔ زمینداروں کی مخالف ہے۔ اسی طرح اور پیشہ وروں کے ہاں پیداوار بڑھانے میں سرگرم کوشش نہ رہی۔ تو ملک کے بھوکا مرنے میں کیا شک ہے۔ افسوس ہے کہ بارشیں بھی یا تو کم یا زیادہ یا بے موقع ہوتی ہیں۔ یا ضرورت پر بالکل نہیں ہوتیں۔ سنو۔ بھائی تمہاری ناواجب کوشش سے زمین زیر کاشت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن شائستہ تدبیر نہ کرنیکے سبب پیداوار میں افزونی نہیں ہوتی۔ بیج ڈالتے ہو۔ تو اکثر ناقص۔ سڑا ہُوا۔ کیڑوں کا کھایا ہُوا۔ مناسب تو یہ ہے۔ کہ ہر سال اپنی آمد و خرچ کا اندازہ کرکے عمدہ قسم کا تخم علیحدہ رکھ دو۔ اور کسی خاص ضرورت پر بھی اس کو خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ اور جس مطلب کے واسطے رکھا ہے۔ اس کو اسی پر لگاؤ۔ اور عمدہ اصول پر محنت سے کام کرو۔ پھر کیونکر اعلےٰ درجے کی پیداوار نہ ہوگی +

اس میں ذرہ بھی شک نہیں۔ کہ تمہاری زمینوں کی پیداوار کا مدار آبپاشی پر ہے۔ جو تم سے کافی طور پر نہیں ہو سکتی۔ اسی واسطے تم ہر موسم میں بارش کے منتظر رہتے ہو۔ خدا کرے موقع پر برسے۔ جو بے محل برسایا ضرورت سے زیادہ برسا۔ تو کھیتوں کا اللہ حافظ ہے۔ بالکل نہ برسا۔ تو قحط کا سامنا ہے پھر آپ بھی مرے۔ اور صدہا اور مخلوق کو بھی لے مرے۔ لیکن اگر اپنے کھیتوں کے گرداگرد کھادیں بنا کر ان پر درخت لگاؤ۔ جو ابروں سے پانی کھینچنے میں مقناطیسی کشش کا اثر رکھتے ہیں۔ یا دوسری طرح سمجھو کہ زمین کے اندر سے

رطوب بخارات جذب کرکے آسمان کی طرف خلا میں پھینکنے میں فوارے کا کام
دیتے ہیں۔ جن سے بادل بنتے ہیں۔ اور نیز یہ درخت حیوانات کی سڑی
ہوئی ہوا چوس کر پھولتے پھیلتے ہیں۔ اس سے علاوہ مالی فواید کے دو اور
بڑے فائدے ہونگے۔ ایک تو بارش بضرورت ہوتی رہیگی۔ دوسرے بیماریوں
سے جو ہوا میں کاربانک ایسڈ گاس کے ملنے کے سبب پیدا ہوتی ہیں۔
آرام رہیگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ تمہاری اندرونی حالت بھی ٹھیک نہیں۔ شادی
اور ماتم کے موقع پر تم فضول خرچیوں سے باز نہیں آتے۔ محنت سے کماتے
ہو۔ فضول خرچیوں میں گنواتے ہو۔ جب تک تم تحصیل علم کی طرف سے
بے پروا رہوگے۔ اور ملک و قوم کی ترقی کے لئے اپنے اوپر بہت سی مشکلیں
نہ جھیلوگے۔ یہ قباحتیں ہرگز رفع نہ ہونگی۔ اپنے لڑکوں کو علم پڑھاؤ۔
لائق بناؤ۔ ولایت بھیجو۔ کہ وہاں سے علم فلاحت کی عملی تعلیم حاصل کرائیں
اور یہاں آکر اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں۔ اپنے پیشے کو ترقی دیں۔ مگر میں خیال
کرتا ہوں۔ کہ تم کو حصول علم کا شوق بہت مشکل سے ہوگا۔ کیوں؟ تم میں
سے جو چار حرف سیکھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دہقانی پیشے کو حقارت سے دیکھنے
لگتے ہیں۔ اور اس شریف پیشے کی وقعت ان کی نظروں سے جاتی رہتی ہے
تم کہوگے کیوں نہ جائے؟ تحصیل کا مذکوری ہے۔ تو کسان پر حکومت کرسکتا
ہے۔ پولیس کا کنسٹبل ہے تو اسے دھمکا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا ہی بنایا ہوا

پٹواری یا چوکیدار بھی چاہے۔تو بے عزت کرسکتا ہے۔ہم کہتے ہیں اس ساری بے عزتی کا سبب صرف تمہاری جہالت ہے۔کیوں ؟ جو اپنی عزت آپ نہیں کرتا اس کی عزت کون کرے۔ اگر تم اپنی عزت کا خیال کرو۔تو سب تمہاری عزت کرنے لگ جائیں مگر یہ بات لیاقت حاصل کرنے سے میسر ہو سکتی ہے۔اب لوکل سلف گورنمنٹ کے ممبروں کے ذمے یہ سب سے ضروری کام ہے۔کہ وہ اشاعت تعلیم عامہ میں دل و جان سے کوشش کریں۔اور اپنی قوم و ملک کو تعلیم علوم سے فائدہ پہنچائیں۔ صرف نفسی اغراض کے بندے نہ بن جائیں۔ورنہ ہمیں بہ افسوس یہ کہنا پڑیگا۔کہ ہنوز ست بچنی کام ہوتا ہے۔اور چند گنوار کرسیاں توڑنے کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں۔اور جو کام ان کے سپرد ہوا ہے۔وہ اس کے لایق نہیں ہیں۔انہیں خبر بھی نہیں۔کہ ہمارے کیا فرائض ہیں۔بلکہ اکثر ان میں سے غریبوں پر ناجائز رعب بٹھلاتے ہیں۔اور پبلک فنڈ کا مال خورد برد کر جاتے ہیں۔ذرہ کوئی کام ان کے سپرد ہو جائے۔ تو قابلیت کی قلعی فوراً کھل جائے۔سچ ہے۔کہ جیسی ناؤ۔ویسے چڑھوئیے جیسے ووٹر(رائے دینے والے منتخب کرنے والے) ہیں ویسے ہی ان کے ممبر ہیں۔جس نے خوشامد کی۔اس کے واسطے ووٹ دے دیا) قابلیت اور شرافت کا مطلق خیال نہیں اسی واسطے اکثر نالایق ممبر منتخب ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ سرکار کا اس میں کچھ قصور نہیں۔ہمیں خود لایق ممبروں کے منتخب کرنے

کی قابلیت پیدا کرنی چاہئے۔کہ کس سے ہم اپنی وکالت کا کام لے سکتے ہیں
کون ہمارے فائدے میں کوشش کر سکتا ہے۔یہ مشکل ہے اور اس کے
لئے بھی علمی لیاقت درکار ہے۔پس ہر پہلو سے یہی معلوم ہوگا۔کہ تحصیل
علم زمینداروں اور اور شخصوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔لارڈ کرزن
وایسرائے و گورنر جنرل انڈیا کے خیال کے مطابق تو انڈیا کی زمین لوکل
سلف گورنمنٹ کے لئے نامناسب ہے۔وجہ بغض ؟ جہالت +

امن اور جنگ

جو لوگ زمانۂ جنگ کے نقصانوں کو سمجھتے ہیں۔وہ اس کو کبھی پسند
نہیں کرتے۔کیونکہ لڑائی کے وقت ملک کی ہر ایک چیز گراں ہو جاتی ہے اور
تجارت میں نقصان پہنچتا ہے۔اور ہر پیشے میں ہرج واقع ہوتا ہے۔
ہزاروں آدمی کٹ مرتے ہیں۔ملک میں بیوہ اور یتیموں کی تعداد بڑھ جاتی
ہے۔اور روپیہ گھٹ جاتا ہے۔اور صدہا مویشی مثلاً گھوڑے۔اونٹ۔ہاتھی
گدھے اور خچر کم ہو جاتے ہیں۔اور بہت سی مویشی بھوک پیاس سے مر
جاتی ہے۔غرض یہ ایک عام رنج و غم اور تکلیف کا زمانہ ہوتا ہے۔اور
پھر یہ بھی معلوم نہیں۔کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے اور ماسوائے اس
کے اندرونی مخالف جو رعب سلطنت سے دبے رہتے ہیں۔ملک پر

جنگ کی مصیبت نازل ہونے سے سر اُٹھاتے ہیں۔اور جا بجا بغاوت
برپا کر دیتے ہیں۔جو لوگ زمانۂ جنگ کے موید ہیں۔وہ کہتے ہیں۔کہ ہمیشہ
امن سے رعایا اور فوج بزدل ہو جاتی ہے۔گاہ گاہ کسی نہ کسی حد پر
لڑائی چھڑ جانی بھی مناسب ہے۔اور بعض یہ کہتے ہیں۔کہ بدن میں
خون گندہ یا غلیظ ہو جائے۔تو اس کو نکالنا ہی بہتر ہوتا ہے۔اسی طرح
جب ملک میں غلیظ مادے جمع ہو جائیں۔تو اس کے نکالنے کے واسطے لڑائی
کا ہونا بھی ضروری ہے۔اور لڑائی میں یہ بڑا فائدہ ہے۔کہ عموماً ہر ایک
چیز کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔الغرض جب موقع جنگ پیش آئے۔تو
پہلے اپنے دل میں سوچ لینا چاہیئے کہ میں اپنے مخالف سے زور بازو۔
دولت اور فن جنگ میں غالب ہوں یا نہیں۔جب دشمن قوی تر ہو تو اس
کی شرائط صلح کو ادب سے مان لینا چاہیئے۔تاکہ ناحق خدا کے بندے نہ
مارے جائیں۔اور جہاں تک ہو سکے۔رعایا کے آرام میں خلل نہ ڈالنا
چاہیئے۔کیوں؟ امن سے ملک کی حالت روز بروز بہتر اور حکومت میں
طاقت اور دولت میں ترقی ہوتی ہے۔رعایا آسودہ ہو کر بے کھٹکے اپنے
کار و بار میں مصروف رہتی ہے۔تجارت۔زراعت۔صنعت و حرفت میں
روزانہ ترقیاں نمودار ہوتی ہیں۔اس واسطے عام رعایا کا بھی یہ فرض
ہے۔کہ اپنے حاکم وقت کو دائمی امن و صلح کی حکمت عملی کے برتاؤ کا مشورہ

دے۔ اور خود بھی مفسدانہ خیال دل سے دور کرے۔ اور جہاں تک ہوسکے کسی سے ناحق لڑائی کی صورت پیدا نہ کرے۔ اور اگر کسی سے مخالفانہ سلوک دیکھے تو اپنی لبرل اور امن پسند پالیسی کو ترک نہ کرے۔ بلکہ بردباری اور تحمل سے کام لے +

صاحبان انگریز کے قبضہ کرنے سے پہلے ملک ہند کی حالت نہایت افسوس کے قابل تھی۔ جا بجا بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ رعایا بے قصور لوٹی ماری جاتی تھی۔ اور حکام وقت اور مخالفوں کے ہاتھ سے لوگوں کا برا حال تھا۔ سکھّا شاہی عہد کے واقعات تو سب کو معلوم ہیں۔ کہ فوج کا کوچ جب اپنے ملک میں ہی ہوتا تھا۔ تو ایسا سلوک کیا جاتا۔ کہ ہماری گورنمنٹ دشمن کی رعایا سے بھی نہیں کرتی۔ رعایا پر تعدی کرنا ایک رسم ہوگئی تھی۔ سرکاری عہدے دار تو جدا رہے۔ ان کے خدمتگار ہی غریب زمینداروں کے برباد کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے۔ پھر دادخواہی کے لئے کوئی باضابطہ عدالت نہ تھی اور اخیر چغتائی عہد میں تو فوجی آدمیوں کی زبان پر یہ مثل جاری تھی (کہ نمک از سرکار و آرد از بازار) اس پر قیاس کر لو۔ کہ ملک ہند میں کہانتک ابتری پھیلی ہوئی تھی +

پس اے جوانو۔ گورنمنٹ انگریزی کی حکومت کو جو امن و انصاف پر مبنی ہے۔ دل سے عزیز رکھو۔ اور خیر خواہ بنے رہو۔ وہ بھی حتے المقدور

تمہارے امن میں خلل انداز نہ ہوگی - تمہاری خوشحالی کے لئے دائمی کوشش جاری رکھیگی - تمہارے حقوق کو بخوبی ادا کریگی کیوں ؟ وہ جانتی ہے جہاں ضرورت ہوئی - تم نے اس کو بلا عذر مدد دی ہے - جنگ چین - کریمیا - جبش - کابل - مصر - برہما - سکم - اگرور - چترال - تیرہ وغیرہ میں تم نے اس کا عمدہ ساتھ دیا - اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے - چنانچہ اہل یورپ نے بھی تمہاری وفاداری اور شجاعت کی داد دی ہے - تم ایسے وفادار اور فرمانبردار ہو - کہ تاج انگلینڈ کی حفاظت کے واسطے تم نے چھوت چھات کے قاعدے کی بھی پروا نہیں کی - اور جب تم کو تمہارے ہم مذہبوں سے اڑایا گیا - تو اس امتحان میں بھی تم پورے اُترے - تم نے نمک کا حق اچھی طرح سے ادا کیا - گورنمنٹ کو تمہارا شکرگذار ہونا چاہئے جس کی خدمات ادا کرنے میں تم نے تن من اور دھن کا بھی کچھ خیال نہیں کیا - اور تم کو اپنی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے - جس نے تم کو امن اور آزادی دی ہے - اور تمہاری بہبودی میں ہر دم ساعی ہے - اور جب تک کوئی اس کے حقوق پر دست اندازی نہ کرے - جنگ سے پہلو تہی کرتی ہے +

مگر جب قدرت سے اسباب جنگ مہیا ہو جاتے ہیں - تو انسانی عقل اور طاقت سے رُک نہیں سکتے - سنو - اگر زمانۂ امن کی قدر نہ کرو گے - اور اس سے فائدہ نہ اُٹھاؤ گے - تو تم کو اپنی عقل پر آٹھ آٹھ آنسو رونا پڑیگا - پھر

اس وقت تمہاری طرف کوئی فرد بشر ہمدردی کی نگاہ سے نہ دیکھیگا۔ اور تم بہت جلد غم و الم کی آگ میں جل کر مر جاؤگے۔ اور پیچھے بُری نظیر کے واسطے اپنا نام چھوڑ جاؤگے۔ اور اگر دشمن خواہ مخواہ تم پر یورش کرتا ہے۔ اور وہ تمہارے حقوق کا خیال نہیں کرتا۔ تو تم تسلّی رکھو۔ کہ مغرور ہمیشہ گردن کے بل گرتا ہے۔ اور کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ تم اس مضمون کو اپنے خانگی کار و بار کے بھی متعلق سمجھو۔ نہ کسی سے لڑو۔ نہ جھگڑو۔ نہ مقدمے کرو۔ اور جہانتک ہو سکے۔ سرکاری عدالتوں سے ڈرو۔ اپنے معاملے اپنی برادریوں ہی میں پیش کرکے فیصل کرو۔ اور ان کے فیصلے پر چلو۔ نہ مانو گے۔ تو خراب ہوگے۔ روپے خرچ کروگے۔ عزت گنواؤگے۔ کام سے جاؤگے۔ عوام کی نظروں سے گروگے۔ ناکامی کی صورت میں تباہ اور بے وقر ہو جاؤگے۔ فتحمندی کی حالت میں مالی نقصان کے سواء ہٹ دھرمی اور ضدی کہلاؤگے۔ غرض دونو حالتوں میں نتیجہ پشیمانی ہوگا۔ ہماری نصیحت مانو۔ تو گھر میں ہار مان لینا عدالت سے فتح لے کر آنے سے بہتر ہے۔ مگر تمہاری مسلّم جہالت تمہیں اس طریق پر کیوں چلنے دے؟

وقت کی پابندی

ہم[1] لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے۔ یورپ[2] نے وقت کی قدر سے ترقی پائی۔

اب ہم بھی وقت کی باقاعدہ تقسیم پر مستعدی دکھانی چاہتے ہیں ٭

(۱) ہمیں اپنی حالت پر آپ افسوس آتا ہے - کہ ہمارا کوئی کام باقاعدہ نہیں۔ تقسیم اوقات کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے - کیوں ؟ اس سے ہماری وحشیانہ آزادی دور ہوتی ہے - جس کے ہم صدیوں سے عادی چلے آتے ہیں - دماغ اپنی خود سری اور آرام طلبی چھوڑنا نہیں چاہتا - زبان گپیں مارے بغیر نہیں رہ سکتی - پہروں گذر جائیں نہانے - دھونے - کھانے اور سونے کا کچھ خیال نہیں - کوئی وقت کسی کام کے لئے مقرر نہیں - پڑھنا شروع کیا - تو کتاب کے کیڑے ہو گئے دنیا و مافیہا کی خبر تک نہیں - یہ بھی معلوم نہیں کہ اس ایک کام کے بننے سے کئی کام بگڑے جاتے ہیں - لکھنے بیٹھے - تو اسی میں غرق ہو گئے - یا تو مہینوں شہر سے باہر ہی نہیں نکلے - ہوا خوری تک کی فرصت نہیں - اور اگر سیر و شکار کو نکلے ہیں - تو کالے کوسوں چلے گئے - بیمار ہوئے بغیر گھر کی طرف پھرتے ہی نہیں - بیٹھ گئے ہیں - تو پہاڑ کی طرح ایک جگہ جم گئے چہل قدمی کرنے لگے - تو سارے دن ٹہل ہی رہے ہیں - محنت شاقہ میں لگے ہیں - تو سر کی سدھ نہ پاؤں کی بدھ - سوتے ہیں - تو مردوں سے شرط باندھ کر - ہم ہر وقت عدیم الفرصت - ہم ہر وقت مصروف کار ہیں - پر لطف یہ ہے کہ ہمارا کوئی کام بخوبی انجام نہیں پاتا - کتنے ہی کام ادھورے رہ جاتے ہیں - ادھر دو کام سنورے - ادھر چار بگڑے - یہ ساری خرابیاں

کیوں ہیں؟ صرف وقت کی تقسیم کام کی حیثیت کے مواقف نہ کرنے یا بالکل
نہ کرنے سے - جو کام آگے آیا - بلا تمیز ضرورت اسی میں مصروف ہوگئے -
پیسے کا کام کیا - روپے کا بگاڑا - یہ عزیز وقت جس کے ایک لمحے کی قیمت
ساری دنیا بھی نہیں ہو سکتی - ہم کس ناقدری اور ناشکری سے ضائع
کر دیتے ہیں - ہائے رے ہم! مفت خوروں کو روپے لٹاتے ہیں - عیاشی
میں برباد کرتے ہیں - پر تقسیم اوقات اور اس کی پابندی کے واسطے جو
نہایت ضروری ہے - اپنے پاس جیب گھڑی - مکان میں گھنٹہ نہیں
رکھتے - جھاڑ - فانوس - جاجم - بوتلیں اور تصویریں نہ ہوں - تو تمہاری شان
گھٹے - زیور نہ پہنے ہوں - تو ہمیں رئیس کون جانے - پر گھڑی خریدنے
میں روپیہ خرچ کرنے کو ہمارا دل دکھتا ہے - کیوں؟ وہ وقت کی تقسیم پر
عامل کریگی - اور ہمیں ناکردنی کاموں سے روکیگی - اور بیکار بیٹھنے اور آوارہ
پھرنے سے باز رکھیگی - وہ برابر ٹن ٹن بجائیگی - اور جاتی عمر کی منادی سنائیگی
باوجودیکہ وقت بڑی قیمتی چیز ہے - ہر ایک چیز کی تلافی ہو سکتی ہے مگر وقت
کی نہیں ہو سکتی - جوان بوڑھا ہونا نہیں چاہتا - اور بوڑھا موت سے
جان بچاتا ہے - مگر تعجب ہے کہ اس قیمتی چیز کے جلد گذرنے کی بھی
عام خواہش پائی جاتی ہے - ماں باپ چاہتے ہیں کہ ہمارا ننھا سا
بچہ جلدی جوان ہو جائے - ملازم چاہتے ہیں - کہ مہینہ جلدی گزرے

کہ تنخواہ ملے۔ بیمار کہتا ہے۔ کہ مجھے ایک ایک گھڑی سال کے برابر ہے
کہیں یہ رات جلدی گزرے۔ یہ دن جلدی ختم ہو۔ زمیندار چاہتے ہیں۔
کہ جلدی فصل کٹنے کا وقت آجائے۔ طالب علم چاہتے ہیں۔ کہ ہماری
طالب علمی کا زمانہ جلد ختم ہو جائے۔ نادانو! گذرا ہوا وقت واپس نہیں
آتا۔ اور آنے والے کی پوری امید نہیں۔ اس واسطے موجودہ وقت کو
غنیمت جانو۔ اس کی قدر کرو۔ کہ ضائع نہ ہو جائے۔ ورنہ افسوس کے
سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) یورپ کی ترقی کا عالم دیکھ رہے ہو۔ طلسمات کی طرح نئی
چیزیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔
اسی طرح یہ صنعت و حرفت کے جوہر سے دنیا کا روپیہ کھینچے لئے جاتا ہے
بھلا علوم جدیدہ میں یہ ہمت۔ یہ برکت۔ یہ کرامت کس نے ڈالی؟ برّ اعظم امریکہ
اور یورپ میں حشمت و دولت کی جھڑی کیوں لگ رہی ہے؟ ہمارے ملک
کے مزدور دن بھر میں تین چار آنے کماتے ہیں۔ اور یورپ میں کیوں اسی
قدر روپے گھنٹوں کی اُجرت ہے؟ اس لئے کہ وہ لوگ اپنے وقت کو قیمتی
سمجھتے ہیں۔ اور اس کا کوئی حصہ بیکار نہیں جانے دیتے۔ اور ہر ایک
کام کے واسطے اس کی ضرورت کے موافق وقت مقرر کیا ہے۔ اور وہ
کام اسی وقت مقررہ پر کرتے ہیں۔ ہم اگر جی میں ٹھان بھی لیں۔ کہ

فلانے وقت فلاں کام کرینگے۔ تو کچھ عرصے بعد خود ہی اس ٹائم ٹیبل (تقسیم اوقات) سے دل اُکھڑ جائیگا۔ ہمارے ارادے کو توڑ دے گا۔ پھر وہی عام لوگوں کی طرح بے قاعدہ رہنا پسند کرینگے۔ واہ رے ہمارا ارادہ اور واہ رے ہماری ثابت قدمی! بھلا ہم ترقی کریں تو کیونکر؟ اور جہالت سے نکلیں تو کس طرح؟ ہم تو اپنے پیارے اور موزون خطاب نیم وحشی (ہاف سویلائزڈ) سے طبیعت مانوس کر چکے ہیں۔ اس لئے بیوفائی کرکے اپنے جاہل بھائیوں میں کیا مُنہ دکھائیں۔ ہمیں اپنی اس سمجھ پر رونا آتا ہے۔ خدا ہمیں ہدایت کرے۔

(۳) اے عزیزو سنو! جب تک ہم اپنے ضروری و غیر ضروری کاموں کو جانچ کر ان کے لئے جداگانہ وقت نہ مقرر کریں۔ اور پھر اسی مقررہ وقت پر ان کا پورا کرنا اپنے اوپر لازم نہ کرلیں۔ ہمیں شائستگی کا مُنہ دیکھنا ہرگز نصیب نہ ہوگا۔ اور ملک سے عام افلاس کا دور ہونا بھی دشوار۔ اگر تہذیب کو بلند جگہ خیال کریں۔ تو تقسیم اوقات اس کی سیڑھی ہے۔ بلند مقام پر جو بغیر سیڑھی اچھل کر چڑھنے کی کوشش کریگا۔ ناحق اپنی ٹانگیں توڑیگا۔ یا سر کے بل گر کر اپنی جان کھوئیگا۔ لیکن یاد رکھو کہ اس ضروری اور کارآمد بات کے سمجھنے کے لئے بھی اچھی سمجھ درکار ہے۔ عام سمجھ کا آدمی اسے سمجھنے کا ملکہ نہیں رکھتا۔ اے پُرانے خیال

والو۔ تم نئی روشنی والوں کو اس واسطے اچھا نہیں سمجھتے۔ کہ وہ قومی یا
ملکی ریفارمر ہیں۔ اور ملک سے جہالت کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
تمہاری طرح اپنے عزیز وقت کو کھیل کود یا فضول کاموں میں نہیں لگاتے۔
تم سمجھتے ہو کہ وہ مغرور ہیں۔ کہ ہم سے چنداں اختلاط نہیں رکھتے۔ اور خاموشی
سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ گویا یورپین کے چیلے ہو گئے ہیں۔ اب وہ اپنے
دست و زبان کو ہم سے جُدا سمجھتے ہیں۔ اور اپنے تئیں اس کالی مٹی کا
خمیر ہی نہیں جانتے۔ مگر تم تھوڑی سمجھ والے ہو۔ ان کی دانشمندانہ حرکات و
سکنات تمہاری مزاج کے کس طرح موافق ہوں۔ ان کی جیب گھڑی دیکھ کر
تمہارا جی کُڑھتا ہے۔ وہ کبھی اپنے انضباط اوقات کے خیال سے کہ دیتے
ہیں۔ اچھا رخصت۔ تو بس تم پر تو غضب ہی ٹوٹ پڑتا ہے۔ کہ یہ کیسے
خشک مزاج ہیں۔ ایشیائی آداب سے بے بہرہ ہیں۔ چلو اپنی طرح اوروں
کو بھی گمراہ نہ کرو۔ اے جوانو! تم ان کی ایک نہ سنو۔ اور مضبوط ہو کر ان
سے کہ دو۔ کہ اب بھی تقسیم اوقات کے فائدوں کو سمجھ گئے ہیں۔ اور ہم
نے اپنے وقت قیمتی خیال کرکے اسے عمدہ کاموں میں خرچ کرنے پر کمر ہمت
کھینچ کر باندھ لی ہے۔ ہم اس بات کی پروا نہیں کرتے۔ نہ ہماری جیب
میں ہر وقت گھڑی یا گھر کی دیوار میں گھنٹا لگا ہوا دیکھ کر کوئی ہمیں
نام رکھیگا۔ ہم تو اپنے ٹائم ٹیبل پر عمل کرینگے۔ تا ہم ہر طرح ترقی کر سکیں

خواہ جاہل ہم سے راہ و رسم چھوڑ دیں +

شغل

انسان[1] بے شغل نہیں رہ سکتا۔ فضول[2] شغل مت رکھو۔ سونے[3] کا شغل خواب ہے۔ کونسا[4] شغل اچھا ہے۔ سستی چھوڑو۔ کسی عمدہ شغل میں لگو +

(۱) انسان کی طبیعت کبھی بیکار نہیں رہ سکتی۔ سوتا ہو یا جاگتا۔ کسی نہ کسی شغل میں لگا رہتا ہے۔ کام کا بندہ ہے تو کام میں لگا ہے۔ بیکار ہے تو خالی ادھیڑ بن ہی میں مصروف ہے +

خیالی پلاؤ ہی پکا رہا ہے۔ خیالات کا تسلسل کبھی ٹوٹتا ہی نہیں۔ چونکہ بیکار جی گھبراتا ہے۔ اور بیکاری ایک ایسا مرض ہے۔ کہ انسان کی ہستی بگاڑ دیتا ہے۔ اس واسطے انسان سے بیکار تو رہا نہیں جاتا۔ کسی نہ کسی دھندے میں لگا رہتا ہے۔ لکھنا۔ پڑھنا یا خود مطالعہ کرنا کسی پیشے یا ہنر میں مصروف ہو جانا کام ہیں +

(۳) جن سے اور کام نہیں ہو سکتا۔ یا کرنے کی عادت نہیں ہوتی اس خیال سے کہ ہماری روٹیاں اوروں کے ذمے ہیں۔ شطرنج۔ تاش۔ چوسر وغیرہ کھیلوں میں مصروف ہیں۔ اس میں ہار جیت نہ بھی ہو۔ تو بھی وہ اپنی گراں مایہ عمر تلف کرتے ہیں۔ یعنی ایک ایسے دھندے

میں مشغول ہیں۔ جس کا نتیجہ خاک بھی نہیں۔ ان سے پوچھو۔ تو ضرور یہی جواب دیں گے۔ کہ آخر دل بہلانے کے لیئے کچھ شغل تو چاہیئے۔ کوئی اور کام ہو۔ تو ہم یہ کیوں کریں؟ گویا دنیا میں ان کے لیئے کوئی کام کرنے کو باقی ہی نہیں رہا۔ سب اور لوگوں نے لے لیئے۔ ان کے لیئے یہ فضول تضیع اوقات کا کام رہ گیا ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ کام چور ہیں۔ مفت خور ہیں۔ مفت خوری نے ان کو ناکارہ کر دیا ہے۔ خبردار! ان کی صحبت سے بچنا۔ ورنہ تم بھی کسی کام کے نہ رہو گے۔ ان کمبختوں کا کیا ہے۔ ان کھیلوں سے فارغ ہونگے۔ تو یا تو کسی کمپنی کے تھیئٹر (تماشا) دیکھنے چلے جائینگے۔ یا کوئی نشہ پینے کھانے میں مصروف ہو جائینگے۔ خدا نہ کرے۔ کہ تمہیں ان کی ہوا لگ جائے۔ اور کہیں ان کی دیکھا دیکھی تم بھی ایسے ہی کام نہ کرنے لگو۔ ایک طفیلی کا حال تو سنا ہوگا۔ جس کو چوبیس گھنٹے میں دم بھر کی فرصت نہ تھی۔ اور کرتا ایک کام بھی نہ تھا۔ صرف اپنے ذاتی بکھیڑے میں لگا رہتا تھا۔ اسی طرح بعض امیر بہت سا وقت تو اپنے تن بدن کی آرائش اور بناؤ سنگھار میں خرچ کرتے ہیں۔ اس سے فراغت پائی تو شطرنج بچھائی۔ یا زٹل ہانکنے کی ٹھہرائی۔ خوشامدی ٹٹو پاس بیٹھے ہیں۔ وہ گپ زنی کو مغز کی طراوت ثابت کر رہے ہیں۔ امیروں کو اوباشوں کی ذیل میں لے آنا تو ان کے بائیں

ہاتھ کا داؤں ہے۔ تم جانتے ہوگے کہ ہل جوتنا شغل ہے۔ اور پڑھنا پڑھانا شغل ہے۔ اور وہاں ان کے مقابلہ میں شطرنج۔ چوسر اور تاش کھیلنا شغل ہے۔ اسی طرح کتاب پڑھنا۔ اخبار دیکھنا۔ مسائل ریاضی حل کرنا۔ قومی فائدے کے واسطے مضمون لکھنا شغل ہے۔ اُنہیں اس کے عوض تماشا دیکھنا۔ نشا پینا شغل ہے۔ اب ادھر ایک مالی یا طالب علم اپنے کام سے فارغ ہوا۔ اور اِدھر بد نصیب آوارہ۔ کام ہیں دونو لگے رہے۔ لیکن جیسی خوش اس مالی یا طالب علم کو کام کرلینے کے بعد ہوئی ہوگی۔ کیا ویسی ہی خوشی اس نامراد بے نتیجہ کام کرنے والے کو بھی ہوئی ہوگی۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ البتہ تھک یہ بھی جائیگا۔ اور اس کا حال بالکل اس طبیب کا سا ہوگا جو خواب میں ایک مریض کے علاج کو گیا اور وہاں سے اشرفیوں کے توڑے کندھوں پر لادکر لایا۔ جب صبح کو اُٹھا تو اشرفیوں کے توڑے تو گھر میں نہ پائے۔ مگر کندھوں میں ان کے اُٹھا لانے کا درد باقی تھا۔ یعنی بلا نتیجہ ... و تکان۔ محنت برباد گناہ لازم اسی کو کہتے ہیں ؞

(۳) جیسے جاگنے میں انسان سے بیکار نہیں بیٹھا جاتا۔ ویسے ہی سوتے میں طرح طرح کے خیال یا خواب اس کو گھیرے رہتے ہیں۔ کبھی بادشاہ بن جاتا ہے۔ کبھی بھوک اور پیاس میں سرگردان پھرتا ہے۔ کبھی سانپ کے کاٹنے سے۔ کبھی طوفان اور بارش میں گھر جانے سے۔ کبھی بارود اور

آگ کے شعلوں سے جل کر۔ پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے۔ بہت غفلت کی نیند میں ہوتا ہے۔ تو اس کو وہ خیالات یاد نہیں رہتے۔ دیکھنا کبھی پریشان خواب سے نہ گھبرا جانا اور نہ خواب خوش سے پھول بیٹھنا۔ یہ صرف تمہارا اپنا وہم ہے۔ کیوں؟ انسان کو اکثر وہی خیالات خواب کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ جو اس کے حافظے میں پہلے سے دھرے ہوں۔ یعنی جو باتیں یا چیزیں آنکھوں سے دیکھی یا کانوں سے سُنی ہوں یا اپنے کام یا پیشے کے متعلق ہوں۔ وہی خواب میں دیکھتا ہے۔ یا جس کا اس کو دل سے خیال ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو۔ محبت کا ہو یا دشمنی کا۔ یا کسی بدنی بیماری سے یا خلط کے کم و بیش ہو جانے سے اسی ڈھنگ کے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ بدن میں اگر خون زیادہ ہے تو سُرخ خواب آگ وغیرہ کے دیکھیگا۔ پیاس لگی ہوئی ہے۔ تو پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ مگر پی نہیں سکتا۔ اندھا مادر زاد کبھی نہیں کہتا کہ مجھے ایسا خواب آیا ہے۔ جو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بیشک سُننے سونگھنے۔ چکھنے۔ ٹٹولنے کے متعلق اس کو ضرور خواب آتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی قیاس کر لو۔ زمیندار جس نے کبھی دفتر یا سکول نہ دیکھا ہو۔ اس کو خواب میں کبھی نہیں دکھائی دیگا۔ کہ وہ انگریزی دفتر کا کلرک ہے یا کہیں سکول ماسٹر بنا بیٹھا ہے۔ ہاں ہل۔ بیل۔ کھیت۔ پیداوار۔ بارش وغیرہ کا خواب ضرور دیکھیگا۔ تم نے سُنا ہوگا۔ کہ بلّی کو خواب میں چھیچھڑے

ہی نظر آتے ہیں۔ برخلاف اس کے بعضے خواب بالکل سچ بھی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حسن اتفاق ہے۔ ایسے بہت کم آدمی ہونگے۔ جو خواب نہ دیکھا کرتے ہیں۔ البتہ بلغمی مزاج کو اپنے خواب بہت کم یاد رہتے ہیں ٭

(۴) یہ تو معلوم ہوگیا کہ انسان کسی حالت میں بے شغل نہیں رہ سکتا۔ اب رہا کہ شغل ہو۔ تو کیسا ہو؟ شغل دو قسم کے ہیں۔ بار آور اور بے بار۔ پڑھنا بار آور ہے۔ اور چوسر کھیلنا بے بار ہے۔ دکانداری بار آور ہے۔ تو زٹل ہانکنا بے بار ہے۔ اسی طرح تم قیاس کرلو۔ لیکن جب انسان ایک دفعہ سمجھ لے۔ کہ یہ شغل فضول ہے۔ اور پھر اسی کو کرنے لگے۔ تو پھر انسان نہیں حیوان ہے ٭

(۵) بے شغلی۔ آوارہ گردی۔ کاہلی۔ سستی۔ آرام طلبی خواہ کچھ کہو۔ سب کا ایک ہی مطلب ہے۔ امیر ہے۔ تو اس پر آرام طلبی کا اطلاق ہوگا۔ غریب ہے۔ تو غافل اور سست کہا جائیگا۔ یہ بہت بُری چیز ہے۔ اس کی بدولت لاکھوں کے گھر اُجڑے۔ ہزاروں کے خاک میں ملے۔ بیسیوں سلطنتیں غارت ہوئیں۔ سینکڑوں دولتمند غریب ہو گئے۔ اور طالب علم تحصیل علم سے ناکام رہے۔ جیسے سانپ کی موت آتی ہے۔ تو وہ راستے پر آبیٹھتا ہے۔ کیڑے کی موت آتی ہے۔ تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ اسی طرح جس بادشاہت یا جس خاندان کو نیست و نابود ہونا ہوتا ہے۔ یا اہل ثروت

کو کنگلا ہو جانا یا طالب علم کو بے بہرہ رہنا اس میں آرام طلبی یا عیاشی یا غفلت کا پیشہ خیمہ پہلے آجاتا ہے +

وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں۔ جو اس بربادی بخش بلا سے اپنے تئیں بچائیں۔ اور کسی عمدہ شغل میں مشغول رہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ تم اس شغل میں مشغول ہوگے۔ جو تمہارے لئے آئندہ زندگی میں خوشی دے۔ اور دنیا کے لوگ بھی اس شغل کے باعث تم کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور ہمیشہ کوشش کروگے۔ کہ کبھی بے شغل نہ رہنے پاؤ۔ کیوں؟ تمہاری جسمانی ساخت اور ترتیب اعضا ہی بتا رہی ہے۔ کہ بیکار رکھنے کے لئے نہیں ہے۔ اگر ان سے کوئی مفید کام نہ لوگے۔ تو یہ سمجھا جائیگا۔ کہ تم نے خالق کی مرضی کے برخلاف کیا۔ جس کی جواب دہی تمہارے ذمے ہوگی +

دولت

(۱) جائداد منقولہ و غیر منقولہ۔ نقد و جنس سب دولت کی ذیل میں ہیں۔ گو روپیہ خود کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں ہے۔ اور نہ ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر گزارہ ہونا ناممکن ہو۔ مگر پھر بھی عموماً دنیا دار کا کوئی کام نہیں۔ جو اس کے سوا بآسانی ہو سکے۔ خصوصاً مہذب ملکوں میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ جہاں ضروریات زندگی بکثرت ہوتی ہیں۔ وہاں

اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔کیوں؟ یہ منصف ہے۔آپ ہی چیزوں کا نرخ مقرر کر لیتا ہے۔ایک دوسرے میں ضامن ہو جاتا ہے۔انسان کو بڑی مصیبتوں سے بچاتا ہے۔مفلسی کا دشمن ہے۔غرض تمدنی تعلقات کے ساتھ مختلف صورتوں سے بہتیری جگہ اس کی ضرورت ہے۔کوئی سر نہیں جس میں اس کا سودا نہ ہو۔کوئی دل نہیں جس میں اس کی تمنا نہ ہو۔دماغوں میں یہی خیال بھرے ہیں۔کہ مال دار ہو جائیں۔جی کے ارمان نکالیں۔کام وہ کریں جو دوسروں سے نہ ہو سکا ہو۔شب و روز اسی دھندے میں لگے ہیں۔اور بعض بے محنت زر پانے کے زیادہ مشتاق پائے جاتے ہیں +

(۲) بعض ناجائز طریق سے اس کو حاصل کرتے ہیں۔راشی اور مرتشی بنتے ہیں۔چور۔اچکے۔رہزن۔بدکار۔ریاکار۔دغاباز۔ٹھگ وغیرہ سب اسی گرو کے چیلے ہیں۔انسان کے عیوب کو یہ چھپائے۔محنت سے یہ بچائے عزت دار یہ بنائے۔مصیبت سے یہ نکالے۔ہلاکت میں یہ ڈالے۔یہی انسان کو بخیل۔کنجوس اور ممسک کے مذموم خطاب دے اور بمقابلہ اس کے سخاوت۔شرافت اور فیاضی کے خلعت بخشے۔اس کے لئے انسان موت کے منہ میں جاتا ہے۔توپ۔بندوق۔نیزہ۔برچھی کا سامنا کرتا ہے۔باہم چھری کٹاری ہوتا ہے۔سمندر کی لہروں میں کود پڑتا ہے۔آگ میں جل مرتا ہے۔اوروں کے ہاتھ

میں اپنی آزادی اور عزت دے دیتا ہے۔خوشامدی بنتا ہے۔ در در بھیک مانگتا ہے۔ اور پیاری زندگی کو اس کی ہوس میں تلخ کرتا ہے۔ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بگڑ جاتی ہے۔ بھائی۔ دوست یا رشتہ دار زن و مرد سب اسی کے بندے ہیں۔ اس کو لو شاہ سے گدا تک سب کو لگی ہے۔اس کے حاصل کرنے میں مشکلیں۔ اور اس کی حفاظت میں تکلیفیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ دکاندار۔سوداگر۔پیشہ ور وغیرہ اس کے حاصل کرنے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ اور خریداروں کو طرح طرح کے ہتھکھنڈے دکھلاتے ہیں۔ گنہگار بنتے ہیں۔ جیسے کہ اول دفعہ سچ بولنا جائز نہیں جانتے۔ ویسے ہی مشتری بھی ان کی بات نہیں مانتے۔ اس پر عذر بدتر از گناہ۔ کہ سچ بولنے میں کساد بازاری ہوتی ہے۔پس جو دولت ایسے فن و فریب سے حاصل کی جائے۔ اگر وہ مشکلات میں نہ ڈالے۔ تو تعجب ہے۔ بعض لالچی اس کو اپنی اولاد سے بھی عزیز رکھتے ہیں۔ اولاد کیا بلا ہے۔ اس کے آگے اپنی جان کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے بعض جھوٹے مقدمے کرتے ہیں۔ اور جھوٹی شہادت دیتے ہیں۔ اور بعض حکام کی خوشامد اور چاپلوسی کرکے کمیشن پیشہ ہو جاتے ہیں۔ اور ناجائز طریق سے اس کو حاصل کرتے ہیں۔ دین و ایمان کو طلب زر کے تابع کر دیتے ہیں۔ غرض انسان اس کے واسطے ایسے کام تک کر بیٹھتا ہے

جو آئین فطرت کے بالکل برخلاف ہیں۔ اگر یہی دولت نیک نیتی اور ایمانداری سے پیدا کی جائے۔ تو یہی عزت و مکنت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہی ضروریات کے پورا کرنے اور کل آسائشوں کے سرانجام کا وسیلہ ہے۔ اس سے جنگل میں منگل پہاڑوں میں دنگل ہو جاتا ہے۔ سمندر پر اس سے ریل باندھ لو۔ ہوائی گھوڑے اس سے اڑا لو۔ پردیس میں وطن سے زیادہ خیر خواہ بنالو۔ نہریں ندیاں کھدوالو۔ علم و ہنر کی عام اشاعت کر لو۔ رسوم مذہب اور آئین اپنی مرضی کے موافق بنا لو۔ الغرض اگر یہ قومی یا ملکی مفاد میں خرچ کی جائے۔ یعنی اس سے اصل نیکی یا خیرات کرنے کی تمنا ہو۔ تو نیکیوں کی فہرست میں نام ہو۔ دنیا اور عاقبت میں سرخروئی ملے۔ اگر بُرے کاموں میں صرف ہو۔ تو بدمعاشوں میں اول نمبر بنا دے۔ کیونکہ خام عقل انسان کی طبیعت بُرے کاموں کی طرف جلد جُھک جاتی ہے۔ کیوں؟ اس میں کچھ نہ کچھ ظاہری لطف ہوتا ہے۔ نصیحتیں اور ہدایتیں برسوں سُنتے رہو۔ لیکن جہاں چند روز بھی بدمعاشوں سے سابقہ پڑا۔ پھر ساری نصیحتیں اور اخلاقی تعلیمیں بھول جائینگی۔ جیسے گدھا گرمیوں میں اور اونٹ جاڑے میں بدمست ہوتا ہے۔ ویسے ہی انسان کے واسطے کسی خاص موسم یا وقت کی ضرورت نہیں۔ جب صحبت ناشائستہ ملے۔ اور خیالات پلٹا کھائیں۔ نیک چلن سے پکا بدمعاش

ہو جاتا ہے۔ بعض اس موقعہ پر اپنے مقسوم کو یاد کرتے ہیں۔ اور نصیبے کو بدنام کرتے ہیں۔ لیکن یہ امر قرین قیاس اور قابل تسلیم نہیں۔ جس طرح تم اپنے گھر کو اپنی مرضی کے موافق بنوا سکتے ہو۔ یا کھانا پینا اپنی طبیعت کی خواہش سے کھاتے پیتے ہو۔ یا اپنے بدنی لباس کو من مانے طرز پر رکھتے ہو۔ پس یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ نیکی یا بدی تم سے تمہاری خواہش بغیر ہو جائے بیشک جو خود مختاری تم کو خدا کی طرف سے حاصل ہے۔ وہ بمنزلہ اس خود مختاری کے ہے۔ جو گورنمنٹ انگریزی نے دیسی ریاستوں کو دے رکھی ہے۔ مگر کبھی تم کو حزم و احتیاط ترک کرکے بندۂ توکل نہ بننا چاہیئے۔ بلکہ توکل مع کوشش ہو۔ اور ہمیشہ قوت ممیّزہ سے نیک و بد کی تمیز کر لیا کرو۔ کیونکہ دولت نیکی و بدی کے حاصل کرنے کے واسطے ایک زبردست آلہ ہے +

(۳) یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس کا سہارا ناپائدار ہے۔ اور اس کی بہت محبت گناہ میں پھنساتی ہے۔ جیسے آزاد پرندہ کبھی کسی درخت پر اور کبھی کسی منڈیر پر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح دولت کبھی کسی کے پاس ہوتی ہے۔ کبھی کسی کے۔ اس لئے اس کو چلتی پھرتی چھاؤں کہا کرتے ہیں۔ کبھی اس طرف۔ کبھی اُس طرف۔ تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی دولتمند غریب ہو گئے ہونگے۔ اور کتنے ہی غریب امیر۔ یہ چستی اور محنت سے پیدا کی جاتی

ہے۔ اور کفایت شعاری اور ہوشیاری سے ٹھیرتی ہے۔ اس صورت میں یہ دل اور دماغ کو طاقت دیتی ہے۔ گورنمنٹ انگریزی نے کتنے ہی ذریعے ایسے پیدا کر دیئے ہیں جس سے یہ دیر پا اور اس کی ترقی بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مستقل ہو۔ مگر فضول خرچی سے یہ اس طرح جھٹ پٹ اُڑ جاتی ہے۔ جیسے پارہ آگ سے۔ باروت شتابی سے ؞

(۴) ایک دانا نے کہا ہے۔ جس کی آمد اُنیس اور خرچ بیس ہو۔ اس کی عقل پر رونا چاہئے۔ جو لوگ اپنی آمد اور خرچ کا حساب رکھتے ہیں اور خرچ ہمیشہ آمدنی سے کم رکھتے ہیں۔ اور کچھ مشکل وقت کے واسطے پس انداز کرتے ہیں۔ وہ عاقبت اندیش ہیں۔ ان کی زندگی مزے سے کٹتی ہے۔ لیکن جن کے اخراجات ضروری اتنے زیادہ ہیں۔ کہ آمدنی کفایت نہیں کرتی۔ وہ مجبور ہیں قرض دار ہو جاتے ہیں۔ اور فکر و اندیشے میں گھل گھل کر مر جاتے ہیں۔ جن کی حالت نیک چلنی۔ کفایت شعاری اور محنت کشی پر بھی اچھی نہ رہ سکے۔ وہ بیشک قابل رحم ہیں۔ ان کی دستگیری کرنی مناسب ہے۔ اے عزیزو! دانشمند اس سے دل نہیں لگاتے۔ وہ اس کو صرف حاجت روائی کا آلہ خیال کرتے ہیں۔ نیک نیتی سے کماتے ہیں اور نیک راہ میں لگاتے ہیں۔ خیال کرو۔ سخت محنتوں سے کمانا اور اس کی آرزو میں مشکلات جھیلنا اور پھر بیاہ شادیوں میں

اڑا دینا- یا بوڑھی موت کی ضیافتوں میں برباد کرنا- یا تفریحاً ناچ-رنگ کی
محفلیں جمانا- قمار بازی کرنا- لچوں- گنڈوں- اوباشوں اور خوشامدیوں کو
کھلانا- سراسر کوتاہ اندیشی نہیں- تو اور کیا ہے-جن کے خیال ہیں
روپیہ عیش و عشرت کا آلہ ہے- اور دنیا چند روزہ ہے- معلوم نہیں کب
مر جائیں- اس سے اگر فائدہ نہ اُٹھائیں- مزے نہ اُڑائیں تو امانت دار
یا محافظ ہی ٹھہریں- پھر یہ روپیہ اَوروں کے قبضے میں چلا جائیگا- ایسے
ناعاقبت اندیش اپنے سرمائے کو تھوڑے دنوں میں برباد کر دیتے ہیں-
آخر بڑی تکلیف اور خرابی سے باقی زندگی بسر کرتے ہیں- اور اپنے لئے
بدنامی کا یادگار چھوڑ جاتے ہیں- لیکن اکثر ایسے آدمی وہ ہوتے ہیں-
جن کو مفت کا مال مل جائے- یا بلا تکلیف زیادہ روپے ہاتھ لگے ہوں
یا ناجائز آمدنی ہو- جو لوگ مصیبتوں سے کماتے ہیں- وہ بیدردی سے
کم ضائع کرتے ہیں- ایسے لوگوں سے ملک کو بھی فائدہ پہنچتا ہے- اور
ان کی زندگی بھی اچھی طرح سے گزرتی ہے +

(۵) فی الحقیقت زیادہ دولت ترقی کی سد راہ ہے- آدمی کو مغرور-
ناکارہ اور سست بنانے کے واسطے دولت کے برابر اور کوئی خراب چیز
نہیں ہے- جنہوں نے بڑے بڑے مدارج علمی طے کئے جن کی بہادری
کا شہرہ ہوا- جن کی حکمت کی دنیا قائل ہے- جن کے نام کا وظیفہ

اڑا دینا۔ یا بوڑھی موت کی ضیافتوں میں برباد کرنا۔ یا تفریحاً ناچ۔ رنگ کی محفلیں جمانا۔ قمار بازی کرنا۔ لچّوں۔ گنڈوں۔ اوباشوں اور خوشامدیوں کو کھلانا۔ سراسر کوتاہ اندیشی نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ جن کے خیال میں روپیہ عیش و عشرت کا آلہ ہے۔ اور دنیا چند روزہ ہے۔ معلوم نہیں کب مرجائیں۔ اس سے اگر فائدہ نہ اُٹھائیں۔ مزے نہ اُڑائیں تو امانت دار یا محافظ ہی ٹھیریں۔ پھر یہ روپیہ اَوروں کے قبضے میں چلا جائیگا۔ ایسے ناعاقبت اندیش اپنے سرمائے کو تھوڑے دنوں میں برباد کردیتے ہیں۔ آخر بڑی تکلیف اور خرابی سے باقی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے بدنامی کا یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسے آدمی وہ ہوتے ہیں۔ جن کو مفت کا مال مل جائے۔ یا بلا تکلیف زیادہ روپے ہاتھ لگے ہوں یا ناجائز آمدنی ہو۔ جو لوگ مصیبتوں سے کماتے ہیں۔ وہ بیدردی سے کم ضائع کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ملک کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کی زندگی بھی اچھی طرح سے گزرتی ہے +

(۵) فی الحقیقت زیادہ دولت ترقی کی سدِّ راہ ہے۔ آدمی کو مغرور ناکارہ اور سُست بنانے کے واسطے دولت کے برابر اور کوئی خراب چیز نہیں ہے۔ جنھوں نے بڑے بڑے مدارج علمی طے کئے جن کی بہادری کا شہرہ ہُوا۔ جن کی حکمت کی دنیا قائل ہے۔ جن کے نام کا وظیفہ

پڑھا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب عموماً غریب اور مفلس آدمی تھے +

جسمانی ورزش

ریاضت[۱] کی ضرورت۔ عادت[۲]۔ کونسی ریاضت مفید ہے +

(۱) تندرستی و توانائی قائم رکھنے کے لئے ریاضت بدنی بھی انسان کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ تم نے قصہ سنڈ فورڈ مرٹن میں وہ عجیب معالجہ پڑھا ہوگا۔ جو ڈاکٹر رموزینی نے اس اٹلی کے امیر کا کیا تھا۔ جسے کھانے اور سونے کے سوا اَور کچھ کام نہ تھا۔ اس سے وہ اس قدر موٹا ہوگیا تھا۔ کہ کئی آدمی تھام تھوم کر اُٹھاتے تھے۔ اس واسطے زندگی وبال ہو گئی تھی۔ اس کا کھانا کم کیا گیا۔ اور اس سے جسمانی ورزش دھوکا دے کر کروائی گئی۔ جس سے وہ کام کا آدمی بن گیا تھا۔ تم اپنے ملک کے امیروں کو دیکھتے ہوگے۔ جو اپنے ہاتھ سے کام کرنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ بستر پر لیٹے ہی رہیں رفع حاجت کو حاجتی اور طشت چوکی بھی پلنگ سے لگی ہو۔ کہ ذرا کھسکے اور فارغ ہوگئے۔ امیری کیا ہے دائم المریضی ہے۔ ان کا مُنہ تو دیکھو۔ جیسے کپا ہوتا ہے۔ اور تندیل اتنے ہیں۔ کہ ہل بھی نہیں سکتے۔ پاؤں پھول کر فیل پائے ہوگئے ہیں۔ پگڑی باندھنی ہو۔ تو خدمتگار باندھیں۔ کُرتا پہننا ہو تو خدمتگار پہنائیں۔

نہانے کو خدمتگار۔ کھلانے کو خدمتگار۔ سلانے کو خدمتگار۔ کپڑوں کا پہننا ان کے لئے ایک بڑا کام ہے۔ ہر وقت لذیذ کھانوں کی چاشنی میں مرے جاتے ہیں۔ شرابیں پیتے اور رنگ رلیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک روزانہ فرائض یہی ہیں۔ گو وہ اپنے جی میں اسی آن بان کو رئیسانہ ٹھاٹھ سمجھتے ہیں۔ اور عام خیال کے آدمی بھی کہتے ہیں۔ کہ بڑے آنند منا رہے ہیں۔ مگر عقلمند جانتے ہیں۔ کہ ان کی زندگی حیوانوں سے بدتر ہے۔ کبھی ان سے پوچھو تو سہی۔ وہ ضرور اپنے دُکھڑے روئینگے۔ کبھی سر درد۔ کبھی نزلہ بخار۔ کبھی پیچش۔ کبھی ہاضمے کی شکایت ہے۔ اکثر معجون۔ عرقیات اور چورن کا استعمال کر رہے ہیں۔ مگر قاطع امراض دوائی سے بے خبر ہیں۔ جس پر ہینگ لگے۔ نہ پھٹکری۔ وہ کیا ہے؟ جسمانی ریاضت۔ غریب جو اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتے ہیں۔ محنتیں کرتے ہیں۔ وہ تندرست اور پُھرتیلے بھی ہوتے ہیں۔ مگر بیچارے امیر تن آسانی کی مرضوں میں چکنا چور ہو رہے ہیں +

(۲) اب ذرا انگریزوں کو بھی دیکھنا۔ ادنےٰ سے اعلےٰ تک ہر ایک دو چار کوس کھُلی ہوا میں روز چل پھر لیتا ہے۔ ان کے جسم کیسے توانا اور سڈول ہیں۔ چہروں پر بشاشت ہے۔ امارت کی پوچھو۔ تو ہم سب پر حکمراں ہیں۔ کبھی یہ خیال نہ کرنا۔ کہ ہمارے دیسی امرا جو فربہ بدن ہیں۔ طاقت میں بھی زیادہ ہونگے۔ نہیں بلکہ جو ریاضت بدنی کرنے والا ہے۔

خواہ دُبلا پتلا ہو - وہ آسانی سے انہیں پچھاڑ سکتا ہے - موٹے میاں کو تو ہلنا جلنا ہی مشکل ہے - چار قدم چلیں تو ہانپنے لگ جائیں - لیکن یہ تو بڑی موٹی بات ہے - کہ جو بات عادت میں داخل ہو جائے - وہ دوبھر نہیں معلوم ہوتی - غریب محنتی لوگ کتنا بوجھ اُٹھا کر دور تک لے جاتے ہیں - تمہارے سر پر رکھ دیں - تو ہلایا بھی نہ جائے - زمیندار کیسی مشقت کرتے ہیں - تم اگر دو دن کرو - تو بیمار ہو جاؤ - مزدور کیسی محنت کرتے ہیں - کہ سر کا پسینا پاؤں تک بہتا ہے - لوہار کتنا بھاری ہتوڑا آسانی سے اُٹھاتے ہیں - جوڈیشل افسر ہر روز کی مشق سے کس طرح مقدمات کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں - دفاتر کے منشی اور کلرک کس مصروفیت سے تمام دن لکھتے چلے جاتے ہیں - مدرس کس مغز کھپائی سے طالب علموں کو تعلیم دیتے ہیں - دکاندار ہر ایک خریدار سے کن لطائف الحیل سے سلوک کرتا ہے - الغرض جہانتک دیکھتے جاؤ گے تمہاری حیرانی بڑھتی جائیگی - لیکن اگر غور کرو گے - تو صاف معلوم ہو جائیگا - کہ یہ سب باتیں عادت میں داخل ہیں +

بہرام گور ایک دفعہ محل سرائے میں بیٹھے شیخی بگھار رہے تھے - کہ میں ایسا بہادر ہوں - کہ ایک ہی تیر سے گورخر کو مار ڈالتا ہوں - اور کباب کرکے کھا بھی اکیلا ہی جاتا ہوں - دنیا میں اور کسی کو یہ طاقت نہیں - ایک باندی سامنے کھڑی تھی - بول اُٹھی کہ جہاں پناہ! یہ کوئی انوکھی بات نہیں -

عادت سے تعلق ہے۔کوئی اَور بھی ایسی عادت ڈالنا چاہے۔تو ڈال سکتا ہے۔ یہ سُنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہو گئے۔بُرا بھلا کہا۔کہ کیوں اس نے ایشیائی درباریوں کے قاعدے کے موافق ہاں میں ہاں نہ ملائی۔بیچاری کی کیا بساط تھی۔خاموش ہو رہی۔لیکن انہیں دنوں میں ایک گائے نے بچہ دیا تھا۔اس نے اپنی عادت کر لی۔کہ ہر روز ایک دفعہ اس کو گود میں اُٹھا کر سیڑھیوں کے رستے بادشاہی محل پر چڑھا لاتی اور اُتار لے جاتی۔جوں جوں بچھڑا بدن پکڑتا گیا۔اس کے ڈنر بھی طاقتور ہوتے گئے۔جب وہ پورا بیل ہوگیا تو موقع پاکر محل پر بادشاہ کے سامنے جا کھڑا کیا۔اور کہا کہ یہ میرا ہی کام ہے۔میں جب مانوں۔کوئی دوسرا بھی ایسا کر دکھائے۔بادشاہ نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا کہ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔عادت سے تعلق ہے۔اس وقت اس باندی نے ہنس کر عرض کی تعجب کی بات ہے۔کہ بادشاہ گورخر تو عادت کے بغیر شکار کرکے کھاتا ہے۔اور بیل عادت سے اُٹھایا جاتا ہے۔غرض سارے کام عادت سے تعلق رکھتے ہیں۔اور عادت کا تبدیل ہونا بھی ناممکن نہیں ہے۔جاہل۔عالم اور بُرے بھلے اور سُست۔چست یا اس کے برعکس ہوتے آئے ہیں+

(۳) جو بُری یا بھلی عادت بچپن میں پڑ جائے۔وہ بڑے ہونے پر مضبوط ہو سکتی ہے۔اس لئے گورنمنٹ نے اپنے مدارس کے طلبار کو ترقی

علوم کے ساتھ ریاضت جسمانی کی بھی ہدایت کر رکھی ہے۔ بعض جگہ
اس کے علیحدہ استاد بھی مقرر ہیں۔ لڑکوں کو ترغیب و تحریص کے لئے
انعام دئے جاتے ہیں۔ اس باقاعدہ ورزش کے سوا ہمارے ملک کے بچوں
میں طبعی کھیل بھی مروّج ہیں۔ جن میں اکثر وہ خود بخود مصروف رہتے
ہیں۔ ان میں بعض کھیل ایسے ہیں۔ کہ کسی خاص عضو کو تقویت
دیتے ہیں۔ اور بعض سارے بدن کو۔ لیکن بعض کھیل ایسے ہیں۔ کہ بچّہ
کھیلے تو مضایقہ نہیں۔ جوان کو کھیلتے شرم آتی ہے۔ پس سب سے عمدہ
بدن کو سڈول کرنے کی ورزش یہ ہے۔ کہ ایک دو میل کُھلی ہوا میں پیادہ
پا ہوا خوری کی جائے۔ یہ ہر ایک کے مفید مطلب ہے۔ ٹانگیں کُھلتی ہیں۔
بدن کے فضلے تحلیل ہوتے ہیں۔ سچّی بھوک لگتی ہے۔ کھایا پیا ہضم ہوتا
ہے۔ صحت عموماً اچھی رہتی ہے۔ حوصلہ بڑھتا ہے۔ تازہ ہوا کھانے سے لہو
صاف ہوتا ہے۔ جب تندرستی کے لئے ریاضت بدنی کی بڑی ضرورت ہے۔
تو اس سے غفلت کرنی مناسب نہیں۔ جہاں اور دنیا کے کاموں کے واسطے
وقت نکالتے ہیں۔ اس کے لئے بھی نکالنا چاہئے۔ سرکار اپنی فوج سے
امن کی حالت میں بھی قواعد کراتی ہے۔ اس سے بھی یہی غرض ہے۔ کہ
سپاہی بیٹھے بیٹھے سُست۔ ناکارہ اور موٹے نہ ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ دیکھ
لو۔ کہیں لڑائی شروع ہو جائے۔ تو کس بہادری سے لڑنے مرنے کو مستعد ہو جاتے

ہیں۔ میدان جنگ میں بھیجے جانے کی خود درخواستیں دیتے ہیں۔ زور آزمائی کو جی چاہتا ہے۔ بز دلی کے خیال نزدیک نہیں آنے پاتے۔ اصلی جنگ کا موقع نہیں ملتا۔ تو سال میں ایک وقعہ باہم مصنوعی جنگ ہی کرائی جاتی ہے۔ کہ عادت نہ جاتی رہے۔ بہادروں کو انعام۔اکرام ملتے ہیں۔ پس اے ہونہارو!

اگر بیماری اور سُستی کو سمجھتے ہو۔کہ یہ افلاس اور بُز دلی کی جڑ ہیں۔ تو بڑی سرگرمی سے ہر روز ریاضت جسمانی کے فرض کو ضروری سمجھ کر پورا کرو۔ کہ ملک کی حالت سنورے۔ تمہاری اولاد میں بھی رستم جیسے طاقتور پہلوان پیدا ہوں۔ اور ساتھ ہی تمہارے قوائے دماغی بھی طاقتور ہوں۔ کہ صنعت و حرفت میں نمایاں ترقی کر سکو۔ اور ضرورت کے وقت جنگی خدمات بھی تم سے لی جا سکیں۔ اور تمہارا وہ حوصلہ ہے۔کہ گورنمنٹ کی والنٹیر (بلا تنخواہ) فوج میں داخل ہونے کو اپنا فخر سمجھو۔ جیسا کہ آنریری مجسٹریٹ ہونے پر یا کسی لوکل یا ڈسٹرکٹ یا میونسپل بورڈ میں ممبری کی چوکی ملنے پر سمجھتے ہو۔ اس سے یہ ایک بڑا فائدہ ہوگا۔کہ تم نہ صرف اپنے جان و مال اور عزت کی حفاظت بڑی دلیری سے کر سکوگے۔ بلکہ تم سے اپنے ملک کی حفاظت کی بھی توقع کی جاسکیگی ॰

صفائی

صاف ہوا۔ پانی۔ غذا۔ مکان۔ بدن و پوشاک کی ضرورت۔ نتیجہ +

(۱) ڈاکٹری تحقیقات میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ انسان کو حصول صحت کے لئے صاف غذا۔ ہوا۔ پانی۔ پوشاک۔ مکان کی ضرورت ہے۔ لیکن سب سے اشد ضرورت انسان کو ہوا کی ہے۔ جس کے بغیر انسان ایک گھڑی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سے کم پانی کی۔ اور اس سے کم غذا کی۔ اور پھر پوشاک و مکان کی۔ جس طرح مچھلیاں اور دیگر آبی جانور پانی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ اور اس میں تیرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح انسان ہوا میں رہتا سہتا ہے۔ جس طرح مچھلیوں کو کبھی کبھی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ پانی میں سے اُچھل کر اور ہوا کھا کر جھٹ اس میں غوطہ لگاتی ہیں۔ اسی طرح انسان اور دیگر حیوانات کو پانی پینے کی خواہش ہوتی ہے۔ دل پر پھیپھڑے لگے ہیں۔ جس میں باریک باریک سوراخ ہوتے ہیں۔ گویا دل کو جو بدن کا بادشاہ ہے۔ یہ خدمتگار ہمیشہ پنکھا جھل رہے ہیں۔ حلق کے رستے تازی ہوا ان کے پاس پہنچتی ہے۔ اور چھن کر دل پر نثار ہوتی ہے۔ اس سے تندرستی کو مدد ملتی ہے۔ لیکن جہاں دل کو کثیف ہوا ملی۔ وہیں دل رنجیدہ ہوا۔ یعنی تندرستی میں فرق آیا۔ ہاں جو سوختہ اور زہریلی ہوا

ہمارے سانس کی راہ باہر نکلتی ہے۔ وہ درختوں کے پتوں کی خوراک ہوتی ہے۔ اسی واسطے آبادی میں درختوں کا ہونا صحت کا باعث ہے۔ اور جو تازہ ہوا ہم کھینچ کر اندر بھیجتے ہیں۔ وہ آکسیجن یا مفید صحت ہے۔ جہاں اس میں گندی اور خراب چیزیں زیادہ مل گئیں۔ اور ہمارے کھانے میں آئیں صحت میں فرق آگیا۔ دُھواں۔ آگ کی روشنی۔ کثیف چیزیں اور میلا ہوا کو خراب کر دیتا ہے۔ اور نیز ان جگہوں کی ہوا جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی خراب ہو جاتی ہے۔ ہم ہمیشہ کاروبار میں رہتے ہیں۔ اور لوگوں کے جمگھٹ میں پھرتے ہیں۔ جہاں اکثر خراب اور مستعمل ہوا ہم کو میسّر ہوتی ہے۔ تازہ ہوا کافی نہیں ملتی۔ بہتر ہے کہ ہم دو وقت صبح اور شام آبادی سے دور تازی ہوا کھانے کے لئے پھرا کریں۔ تاکہ میل دو میل کا چکر لگ جائے۔ جس سے کھانا بھی ہضم ہو۔ اور پھر بھوک اچھی لگے ×

(۲) اسی طرح جو پانی ہمارے پینے میں آتا ہے۔ یا جو نہلانے دھونے اور کھانا پکانے میں خرچ ہوتا ہے۔ وہ صاف ہونا چاہئے۔ اور بد بو اور کثافت سے پاک عموماً تازہ ہو۔ لیکن جو چیزیں ہوا کو خراب کرتی ہیں۔ اکثر وہی پانی کی لطافت کو بھی بگاڑ دیتی ہیں۔ جو ہڑوں اور تالابوں کا پانی جہاں نہاتے ہیں کلیاں کرتے ہیں۔ کپڑے دھوتے ہیں۔ مویشی کو پلاتے ہیں۔ نہیں پینا چاہئے اور جس میں شہر کی گندی نالیاں پڑتی ہیں۔ اسے استعمال نہ کرنا چاہئے۔

مگر یہ کھیتوں کے لئے مفید ہے۔ ان کنوؤں کا پانی پیو۔ اور استعمال کرو۔
جن کا پانی میٹھا ہے۔ جن کے چبوترے اونچے ہوں۔ کسی درخت کے پتے اور
جانوروں کی بیٹ ان میں نہ پڑتی ہو۔ ان میں آفتاب کی روشنی بھی پہنچتی
ہو۔ پاس کہیں کوئی گڑھا نہ ہو۔ جہاں اکثر گندہ پانی جمع رہے۔ اور رس رس
کر کنوئیں میں جائے۔ اور جن پر چاندنی رات کو عورتیں آٹے کی چوکیں روشن
کرکے نہ رکھتی ہوں۔ جو ان میں گر پڑتی ہیں۔ اور ان سے پانی میں بو آنے
لگتی ہے۔ اور کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو صحت کو بگاڑتے ہیں۔ گوبر وغیرہ
میں لتھڑے ہوئے برتن ان میں نہ ڈالے جاتے ہوں۔ نہانے دھونے کا پانی
ان میں نہ گرتا ہو۔ اور جو وبائی امراض کا اندیشہ ہو۔ تو آب مقطر کا استعمال
کرنا چاہئے۔ یا جوش دیا ہوا پانی پینا چاہئے۔ یا پانی میں تھوڑی پھٹکری
یا نرملی یا ہیرا کسیس ڈال کر رکھ دیں۔ اور نتھار کر استعمال کریں۔ خالص
اور عمدہ پانی کی بڑی شناخت یہ ہے کہ رنگ نہ بدل گیا ہو۔ بو نہ آنے
لگی ہو۔ ذائقہ نہ بدلا ہو +

(۳) کون کہتا ہے کہ تم ہر روز گوشت۔ پلاؤ۔ حلوا وغیرہ مکلف کھانے
کھاؤ۔ دال کھاؤ۔ ساگ کھاؤ۔ روٹی گیہوں کی ہو یا جوار کی۔ غرض اچھی پکی
ہوئی چیز ہو۔ بسی ہوئی نہ ہو۔ کچی نہ رہ گئی ہو۔ کسی قسم کی قابل کراہت
نہ ہو۔ کھانے کی جگہ صاف ہو۔ برتن صاف ہوں +۔ سنو۔ طبیب کہتے ہیں

کہ ایک دفعہ پیٹ بھر کر کھانے سے دو دفعہ تھوڑا تھوڑا کھانا اچھا ہے۔ بھوک نہ ہو تو نہ کھاؤ۔ تھوڑی ہی خواہش باقی ہو۔ تو کھانے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ بھوک کے موافق کھاؤگے۔ تو تمہارے معدے میں جو دل سے گرمی پہنچ رہی ہے۔ اس کو جلد ہضم کر لیگی۔ اور جو زیادہ کھا جاؤگے۔ تو وہ گرمی دب جائیگی۔ کھانا جہاں دیر میں ہضم ہو یا اچھی طرح ہضم نہ ہوا۔ اور تندرستی میں فرق آیا۔ زکام۔ کھانسی۔ درد شکم۔ درد سر اور بخار جو صحت کے دشمن ہیں۔ اور اسی تاک میں لگے ہیں کہ تم کب بے احتیاطی یا غلطی کرو۔ اور بدن پر ان کی حکومت ہو جائے۔ آ موجود ہوتے ہیں۔ اور تمہیں ایسا پچھاڑتے ہیں۔ کہ مہینوں بستر سے نہیں اُٹھنے دیتے۔ اور اندر ہی اندر تمہارا لہو پئے جاتے ہیں +

(۴) رہنے کا مکان کشادہ ہو۔ ہوا بے رکاؤ ہمیشہ اس میں آتی جاتی رہے۔ کھڑکیاں چو طرفہ لگی ہوں۔ مسطح زمین سے بلند ہو۔ اندر سے صاف اور ستھرا ہو۔ میل نہ رہنے پائے۔ کھانا پکانے کی جگہ جدا ہو۔ رہنے سہنے کا کمرہ الگ ہو۔ کم سے کم ایک آدمی کے واسطے ۸۴۴ مربع فٹ جگہ آ جائے۔ دود بلونا ہو۔ تو اسی جگہ جہاں کھانا پکتا ہے۔ ورنہ مکھیاں مکان میں بھری رہینگی۔ جو صحت میں خلل ڈالتی ہیں۔ غسل خانہ جو سکنی مکان کا ضروری چیز ہے علٰحدہ ہونا چاہیئے۔ رفع حاجت کے واسطے کوئی جگہ ہو۔ جس کی

بد بو مکان میں نہ آنے پائے۔ مویشی کے واسطے اپنے رہنے کے مکان میں
جگہ نہ بناؤ۔ ان کے گوبر اور پیشاب سے بھی تمہارے مکان میں کثیف
ہوا بھر جائیگی۔ اور صحت میں خلل ڈالیگی۔ برتن کا دھووَن مکان کے
صحن میں نہ ڈالو کہ سیل ہو جائیگی۔ اور مکان کو کثیف کریگی۔ بھلا تم کہوگے
کہ کیا ہمارے بزرگ ایسے مکانوں میں نہیں رہ گئے۔ وہ نادان تھے۔ جو ہم
ان کی تقلید نہ کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ زمانہ دن بدن ترقی کرتا
جاتا ہے۔ کیا عجیب ہے۔ جو معلومات تمہاری ہے ان کی نہ ہو۔ جب ہم
یقیناً جانتے ہیں۔ کہ وہ خطا پر تھے۔ تو پھر عقلمندی کس کا نام ہے۔ کہ
با وجود اس علم کے پھر بھی ہم برابر لکیر پر فقیر چلے آئیں۔ یہی تو خرابی ہے
اور اسی غیر واجب تقلید نے ہم کو سرسبز نہیں ہونے دیا۔ جب ہمارے بزرگ
یکے۔ بہلوں اور چھکڑوں میں سفر کرتے تھے۔ تو کیا ہمیں بھی اب چاہیئے۔ کہ
ہم ریل پر سوار نہ ہوں۔ اور ان کے مقلد بنیں؟ اور اپنے آرام زر اور
وقت کے بچاؤ کا جو اس سواری سے ہوتا ہے۔ خیال نہ کریں۔ اصل بات
یہ ہے کہ عقل و تمیز کی ترقی کے ساتھ ساتھ احتیاط بڑھتی جاتی ہے جس
سے طبائع نازک ہوتی جاتی ہیں۔ اور ادنےٰ تغیر سے بھی مزاج پر صدمہ پہنچ
جاتا ہے۔ اور ہلاکت تک نوبت آجاتی ہے۔ پہلے زمانے میں یہ بات نہ تھی۔
دیکھئے! شہر بمبئی جو انڈیا کا لندن تھا۔ سنہ ۱۸۹۶ء جسے اب ۳ یا ۴ سال ہوئے

بیماری (طاعون) کا مسکن ہو رہا ہے۔ ہزاروں بندگان خدا اس کا شکار ہوئے۔ وجہ پیدایش مرض یہ بیان ہوا کہ بعض محلوں میں سیل رہتی ہے۔ گندی رطوبت گلیوں میں دھستی اور ہوا کو خراب کرتی ہے۔ اسی سے یہ مرض پیدا ہوا۔ باوجود ازحد صفائی کے اب اُن کی جگہ کروڑوں روپیہ کی لاگت سے نیا شہر بنانے کا حکم ہُوا۔ گزشتہ زمانہ کی نسبت اب مکان زیادہ صحت بخش اصول پر بنائے جاتے ہیں۔ مگر طبائع زیادہ نزاکت پسند ہوجانے سے پھر بھی امراض ملک کے دامنگیر رہتے ہیں +

(۵) جبکہ کل دینی اور دنیوی امور کا مدار صحت بدن پر منحصر ہے۔ تو ہمیں ضرور اُن تدبیروں پر عملدرآمد کرنا چاہئے۔ جن سے صحت کا رہنا ممکن ہو۔ اگرچہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ہمیشہ ہماری تدبیریں راست آئیں۔ مگر ہم میں جو عقل ہے۔ کہ اس سے اپنے نفع و نقصان کو سوچیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ میٹھی چیز کون سی ہے۔ کڑوی اور بد ذائقہ کونسی۔ اگر ہم دیدہ و دانستہ زہر کھالیں تو گویا ہمیں زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ پس جو چیزیں ہماری صحت کے لئے مضر ہیں۔ ان سے ہم کو حتے المقدور پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور جن سے صحت کو ترقی یا تقویت ملتی ہے۔ ان سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ اور جو چیزیں مفید صحت ہیں۔ ان میں سے اپنے بدن اور کپڑوں کی صفائی بھی ہے۔ جس طرح کسی شہر کی صفائی نالیوں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اسی

طرح اس بدن میں جو ایک شہر کی مانند ہے۔ سات لاکھ موریاں یا سوراخ ہیں۔ جن سے ہر وقت کثیف اور زہریلے اجزا بدن سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہمارے کپڑوں میں ملتے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر باتفاق رائے بیان کرتے ہیں۔ کہ ۲۴ گھنٹے میں کئی گیلن پانی ان سوراخوں سے پسینے اور بخاروں کے ذریعے سے نکلتا ہے۔ جس میں آدھے تولے کے قریب زہر ہوتی ہے۔ جو بدن اور کپڑوں سے چمٹ جاتی ہے۔ اس کے دور کرنے کے واسطے بدن کو ہر روز بہت سے صاف پانی سے خوب مل مل کر دھونا چاہیئے۔ اور نہا کر پھر وہی کپڑے پہن لینا نہانے کے فائدے کو کم کر دیتا ہے۔ ہر روز صاف کپڑے بدل لینا بھی کسی قدر نہانے کا فائدہ دیتے ہیں۔ اگر ہر روز کپڑے بدلنا تمہاری مقدور سے باہر ہو۔ تو چوتھے حد آٹھویں روز ضرور اگلے کپڑے بدل ڈالا کرو۔ مگر گرمیوں اور خراب موسم میں کپڑوں میں بو نہ پیدا ہونے دو۔ روز دوسرے دن صاف کر لیا کرو۔ لیکن یاد رکھو۔ رات کے سونے کی پوشاک الگ ہو۔ اب تو یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن جس وقت انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ اگر اس وقت کی تکلیف اور خرچ کا اندازہ کرے تو یہ احتیاطیں چنداں گراں نہ گزریں۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ کُل مندر اور مسجدیں وغیرہ مصفا رکھے جاتے ہیں۔ اُن میں عبادت کی جاتی ہے۔ تو پاک صاف ہو کر۔ پس اگر وہ عبادت درست ہے

تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا بھی صفائی کو پسند کرتا ہے۔ اسی بنا پر صفائی کو نصف عبادت کہا جاتا ہے۔ دنیا کے لوگ بھی صفائی پسند کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اصل میں آدمی وہی ہے۔ جو اپنا لباس صاف اور ستھرا رکھے۔ تم دیکھتے نہیں۔ کہ سفید پوش کی لوگ خواہ مخواہ تعظیم کرتے ہیں۔ واقف ہو یا نہ ہو۔ یہ کچھ ضرور نہیں۔ کہ کپڑے مکلف ہی ہوں۔ بلکہ جیسے ہوں صاف اور ستھرے ہوں۔ خواہ دیسی ہوں یا ولایتی۔ با وضع ہوں۔ ہاتھ اور منہ کے سوا سارے بدن کو ڈھانک لیں۔ گرمی اور سردی سے بچائیں۔ گاؤں کے لوگوں کی پوشاک صحت کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اور اس سے خرچ کی کفایت بھی نہیں ہوتی۔ شہر کی شریفانہ پوشش کی تقلید مناسب ہے کثیف بدن اور میلی پوشاک والے میں سے بو آتی ہے۔ اس سے لوگ کراہت کرتے ہیں۔ اور وہ خود خواہ تندرست ہی ہو۔ مگر بیماروں کیطرح پژمردہ خاطر رہتا ہے۔ اور اسے اپنے جی میں شرمندگی سی معلوم ہوتی ہے۔ کیوں؟ خراب لباس کے سبب اس کی چنداں عزت نہیں ہوتی۔ لیکن جہانتک ہماری معلومات ہے۔ ہم دعوے سے کہ سکتے ہیں۔ کہ ابھی ہمارے ملک میں قواعد حفظ صحت پر بہت کم عمل ہوتا ہے۔ اسی سے ہمارا ملک مختلف جسمانی مرضوں کا تختۂ مشق بن رہا ہے۔ کیوں؟ ملک میں اکثر جگہ بالخصوص دیہات میں گندگی کے ڈھیر جا بجا پڑے ہوتے ہیں۔ اور آبادیوں کے پاس بڑے بڑے

گڑھے جن میں سڑا ہوا پانی بھرا رہتا ہے - جس سے ہوا خراب ہوتی ہے - جبتک عوام الناس کو صحت کا پورا خیال نہ ہوگا - بیماریوں کا دورہ رُک نہیں سکتا - اور نہ موت میں کمی ہوگی +

(۶) اے عزیزو! میں امید کرتا ہوں - کہ تم حتے الوسع صفائی اور ستھرائی میں نہ صرف خود کوشش کروگے - بلکہ اُن لوگوں کو بھی ہدایت کروگے - جو تم سے متعلق ہیں - یا تمہارے پڑوس میں رہتے ہیں - اگر پوری تعمیل کروگے - تو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا - کہ وبائی بیماریاں جو آئے سال ہماری گردن پر سوار ہو جاتی ہیں - یا تو بالکل نہیں آئینگی - یا بہت کم آئینگی - اس سے عمدہ نتیجہ یہ نکلیگا - کہ صحت میں ترقی ہوگی - لوگ اپنے کاموں کو دلجمعی سے کریں گے - بیکاری جو بیماری سے ہوتی ہے - اس سے بچینگے - موت کی تعداد کم ہو جائیگی پھر ملک سے افلاس اس طرح غائب ہوگا - جیسے گدھے کے سر سے سینگ - خوشحالی نصیب ہوگی - آبادی میں ترقی ہو جائیگی - بس اور کیا چاہیئے +

جسمانی اعضا

کسی مصنوعی کل یا انجن کو پہلے غور سے دیکھ لو - کہ وہ کس طرح بنا ہے - اور اس کے پُرزے اور پیچ کس عمدگی سے ملائے ہیں - پھر حیوانوں پر

برلیمن قائم کرو - اب اپنے پر آجاؤ- سوچو- کہ چلتے کیوں کر ہیں ؟ بیٹھتے کیونکر ہیں - سوتے - کھانے- پیتے - کام کاج کرتے- پڑھتے- لکھتے کیوں کر ہیں ؟ ہاتھ پاؤں چہرہ اور پُشت کی ساخت کیسی ہے ؟ بدن پر بال کیوں اُگے ہیں ؟ خورش و پوشش کی ضرورت کیوں ہے ؟ بیماری اور تندرستی کے اسباب کیا ہیں ؟ اور انسانی حالتیں بلحاظ عمر و لیاقت کیوں ہر آن تغیر پذیر ہیں ؟ انسان پیدا کس طرح ہوتا ہے ؟ مرنا کیوں ہے ؟ جب تم اپنے بدن کی ساخت سے آگاہی پیدا کر لو- تو خیال کرو- کہ یہ کن مشکلات سے بنا ہے ؟ اور خالق نے آگ- پانی - مٹی- ہوا کو کس طرح ملایا ہے ؟ رنگ- روغن صورت - شکل- خاصیت - قد- بول- چال- روش میں ہر ایک کیوں متفاوت ہے- ہر ایک شخص کے سر اور انگھوٹھے کی ساخت کیوں مختلف ہے اس سے اب سرکاری دستاویزوں اور وثایق پر انگوٹھے کی چھاپ جعل سازی کے شک رفع کرنے کو لگائی جانی قرار پائی ہے- یہ ایجاد ملک فرانس سے آئی ہے - غرض جب تمہارا وجود صانع مطلق کی حکمت کا نمونہ ہے جس کو دیکھکر انسان نے اپنی عقل کے جوہر دکھائے ہیں- تو کوئی وجہ نہیں ہے- کہ وہ اپنے خالق کے جود و کرم کا شکر گزار نہ ہو- ہر ایک عضو شکریہ ادا کرنے کے لئے مستعد ہونا چاہئے - مثلاً آنکھ کا شکریہ کیا ہے ؟ اس کی حکمتوں اور صنعتوں کو دیکھنا- اور اس سے اس کی شوکت و عظمت کا اپنے دل میں

کہ دینا۔ اور آئینہ عقل کو مجلّےا کرنا۔ اب ایک درخت کا پتّا لے لو۔اس کے
بیئے۔ طرز ساخت اور رنگ پر ہی غور کرو۔ اور پھر چیونٹی سے ہاتھی کے
بدنی اجزا دیکھو۔ کس عالیشان حکمت سے کام لیا ہے! غرض آنکھ کو فطرتی
اور طبعی اشیا کی تحقیق میں لگاؤ۔ تاکہ ذات باری کی شان و شوکت اور
جلال و عظمت بخوبی تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔ کان کو علمی اور
عقلی مسائل کے سُننے اور زبان کو قومی و ملکی مفاد کی لکچر دینے میں لگانا۔
ان کی ساخت کی غرض کو پورا کرنا ہے + ہاتھ کا شکریہ کیا ہے؟ کہ وہ عمدہ
دستکاریوں میں لگایا جائے۔ یا اس سے مستحقوں کو نقد و جنس سے مدد
دی جائے + پاؤں جو بنی نوع انسان کی ہمدردی میں چلتے ہیں۔ دل
جس میں سچّی محبت ہے۔ دماغ جس میں نیک خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ
اپنا اپنا شکریہ بجا لاتے ہیں۔ مینے ایک متبرک کتاب میں دیکھا ہے۔ کہ وہ
ہاتھ جس سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے۔ کاٹ دینا بہتر ہے۔ اور وہ
آنکھ جو بیگانے حقوق میں بدی سے دیکھتی ہے۔ نابینا بھلی ہے۔ اسی
طرح پاؤں جو راہ راست پر نہیں چلتا۔ لنگڑا ہو جائے۔ تاکہ وہ انسان زیادہ
گناہ کرنے سے بچے۔ پس اے عزیزو! اپنی زندگی کا پھل پانے کے لئے ان
ضروری باتوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور کسی عضو کو جو خدا نے تم کو عطا کیا
ہے۔ شکر گذاری سے بیکار نہ رہنے دو۔ خیال کرو کہ اگر یہ کام کی چیزیں

نہ ہوتیں۔ تو پیدا کیوں کی جاتیں۔اب ان کو بیکار رکھنا یا ان سے پوری محنت نہ لینا۔یا بدی کی طرف مائل کرنا گویا صانع مطلق کی مرضی کے خلاف کرنا ہے + یہ بات دل میں رکھنا۔کہ کبھی بیکار بیٹھو۔تو فوراً اپنے دل سے کہو۔کہ میں بیکار نشینی کے لئے نہیں پیدا ہوا۔کوشش کرو۔کہ اسی وقت کسی کام میں لگ جاؤ۔اسی طرح جب ایک کام ختم ہو۔تو دوسرا شروع کر دو۔تم جانتے ہو کہ بُرے خیال نکمّے آدمیوں کو عموماً پیدا ہوتے ہیں۔ کاروباری آدمی ان سے بچا رہتا ہے۔جب بڑا خیال کبھی تمہارے جی میں آئے تو جھٹ اپنے دل کو سمجھا دو۔کہ میں خدا کی مرضی کے خلاف کرکے گنہگار بننا نہیں چاہتا۔اور نہ دنیا داروں میں بے غیرت اور بے حیا بن کر رہ سکتا ہوں۔تم اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھو اور لوگوں کو ایسا دکھاؤ جیسے کہ واقعی تم ہو۔اس کا یہ بڑا فائدہ ہوگا۔کہ ہمیشہ تم اپنے دلی مقاصد پر کامیاب ہوگے۔اور کبھی مضطرب الحال نہ ہونے پاؤگے +

دنیا بامید قائم

امید۔ طالب[۲] علم کا پڑھنا اور اُستاد کا پڑھانا۔والدین[۳] کی محبت۔گورنمنٹ[۴] کی رعایا پروری۔رعایا کی فرمانبرداری۔داد[۵] وستد۔بیوپار[۶]۔نا جائز[۷] و جائز کام۔حرفت[۸] و صنعت و زراعت۔معدنیات[۹] کی تلاش وغیرہ۔نتیجہ[۱۰] +

(۱) لفظ امید ایسا بدیہی اور کارآمد ہے۔ کہ ادنےٰ سے اعلےٰ اس سے مانوس ہے۔ دنیا کے ہر کاروبار کا مدار اس کے سر پر رکھا ہے۔ لیکن مجملاً اس کی تشریح کرنا ضرور ہے۔ مثلاً

(۲) طالب علم دن رات لکھنے پڑھنے میں مصروف ہیں اور اُستاد توجہ سے پڑھاتے ہیں۔ ماں باپ ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ تینوں فریق امید کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں +

(۳) اسی طرح سے والدین کو اپنی ننھی سی اولاد نرینہ کے ساتھ سچی محبّت گو قدرتی ہے۔ مگر مطلب سے خالی نہیں۔ ان کو امید ہوتی ہے۔ کہ ایام پیری میں یہ ہماری دستگیری کریگی۔ جب ہم خود نہ کما سکینگے۔ تو یہ کمائیگی۔ ہماری ضروریات زندگی کو پورا کریگی۔ یا ہمارے بقائے نام کے لئے یادگار رہیگی۔ ہمارے اندوختہ یا پس ماندہ املاک کی محافظت کریگی گو ان کا پورا ہونا ضرور نہیں۔ مگر اُن کی یہ امید برابر چلی جاتی ہے +

(۴) گورنمنٹ ہر وقت اپنی رعایا و برایا کے آرام و آسائش کے لئے مناسب تدابیر عمل میں لاتی ہے۔ بیرونی دشمنوں کے حملے سے ملک کے حدود کو محفوظ کرتی ہے۔ اور اندرونی مخاصمتوں کو مٹاتی ہے۔ اور کوشش کرتی ہے۔ کہ رعایا میں وہ رعب سلطنت ہو۔ کہ بھیڑیا اور بکری ایک گھاٹ

پانی پئیں۔ اور چور چکار۔ ڈاکو۔ رہزن۔ بدمعاش مفقود ہو جائیں۔ تاکہ عوام الناس امن چین سے بسر کریں۔ لیکن غور کی جائے۔ تو یہ انتظام بھی امید سے خالی نہیں۔ اس سے سلطنت کی پائداری مقصود ہے۔ رعایا اگر موجودہ حکومت کی ہوا خواہ۔ مطیع اور وفادار ہو۔ تو وہ بھی امن و آزادی کی امید پر۔ جنگی نوکر سر دینے کو حاضر ہیں۔ اور عدالت کے ملازم دماغی طاقت خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ اور خدمتگار دست بستہ حکم کے منتظر ہیں۔ کیوں؟ پیٹ بھرنے کی امید پر۔ روپے کمانے کے لئے۔ مرتبہ حاصل کرنے کے واسطے۔ اسی طرح بیمار تندرستی کی امید کئے پڑا ہے اور تندرست کو حصول خوشی۔ عزت اور دولت کی آرزو ہے +

(۵) ساہوکار اپنی آسامیوں کو قرض دیتے ہیں۔ یا مقروض قرض اٹھاتے ہیں۔ اوّل کو حصول نفع کی اور دوم کو کار براری کی امید ہوتی ہے۔ خواہ یہ داد و ستد نیک نیتی سے ہو۔ یا بدنیتی سے +

(۶) تاجر اپنے روپے کو خرید و فروخت مال و اجناس پر لگاتے ہیں۔ دیس بدیس پھرتے ہیں۔ تری و خشکی کے سفر کرتے ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔ غرض طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ کیوں؟ بامید نفع۔ خواہ اس سے نقصان ہی ہو +

(۷) چور مال پانے کی امید پر قمار باز جیتنے کی ہوس پر۔ کوئی اور

بد کار کسی آس پر مشکلات میں پڑتا ہے۔ لیکن نیک آدمی بامید نفع رسانی نیکی کرتا ہے۔ کوئی ناموری چاہتے ہیں۔ کوئی اپنی عاقبت کو بھلا۔ کوئی یہ سمجھتا ہے۔ کہ فرائض انسانی کے ادا کرنے میں بہتری کی امید ہے +

(۸) اہل حرفہ روزی کمانے کے لئے دستکاریاں کرتے ہیں۔ اور اکثر کام چور تن آسانی کے واسطے بھیک مانگنے لگتے ہیں۔ کاشتکار جو اپنی محنت کے پسینے دن رات بہاتا ہے۔ اور کام میں لگا رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری محنتوں کو قدرتی آفتوں نے برباد نہ کیا تو فصل پکنے پر میری امیدوں کا باغ ہرا بھرا ہو جائیگا +

(۹) کوئی معدنیات کی تلاش میں پتھروں سے ٹکراتا ہے۔ کوئی ریگستان و بیابان کی خاک چھانتا ہے۔ کوئی سمندر میں جہاز دوڑائے پھرتا ہے۔ سردی گرمی۔ طوفان۔ باد و باراں کی پروا نہیں کرتا۔ کوئی ریل پر سوار ہے۔ غرض موجد۔ مصنف۔ حکیم۔ زن و مرد۔ حاکم۔ محکوم۔ آقا و خدمتگار عابد و پارسا۔ پیغمبر و اولیا۔ خاص و عام کوئی ایسا نہیں۔ جس کو اس کی دھن نہ ہو۔ گو آرزوئیں ہر ایک کی مختلف ہیں۔ مگر اس سے خالی ہونا ممکن نہیں۔ اسی کو ہوس حرص اور لالچ جو چاہو کہ لو۔ اس کے بغیر نظام عالم کا قیام خیالی بات ہے۔ ہر ایک امر میں ترقی کے واسطے اس کا وجود لابدی ہے۔ انسان کی ترقی کے واسطے اس کی بڑی ضرورت ہے۔ بشرطیکہ نیک طرف لے چلے۔ مگر

دوسرے کی امید پر آپ کوشش چھوڑ دینی یہ نادانی ہے ۔+

(۱۰) اگرچہ اس کا کوئی جسم نہیں۔ مگر اس کی تاثیر سب پر روشن ہے جس کو دیکھو۔ اس کی دھن لگی ہے۔ اسی کی برکت ہے۔ کہ انسان اصول معاشرت و مخترعات میں یوماً فیوماً ترقی کرتا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی۔ تو دنیا کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر دنیا نہ ہوتی۔ تو دنیا دار کہاں سے ہوتے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ دنیا بامید قایم ہے +

انصاف اور رحم

انصاف اور رحم۔ انصاف میں رحم موجود ہے۔ نرم سزاؤں کے ساتھ جرائم کی کمی۔ رعایا کو قانون پڑھانا چاہیئے +

(۱) یہ دونو لفظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ آگ و پانی کی مثل سمجھ لو۔ لیکن ان دونو کے وجود پر کُل عالم کا مدار ہے۔ انہیں کے ہاتھ میں سیاست مدن ہے۔ انہیں کی برکت سے حکومت کا رعب اور سلطنت کا انتظام ہے۔ اور ان کی ضرورت ہر ایک انسان کے واسطے خواہ اس کو حکومت سے کچھ تعلق ہو۔ یا نہ ہو۔ حسب مراتب یکسان ہے۔ ایمانداری کا قیام بھی انصاف اور رحم پر ہے۔ یہ ایسے صلح کل ہے۔ کہ ان کے سامنے ہر ایک مذہب و قوم کا آدمی مساوی منصب رکھتا ہے۔ مگر ان کو قابو میں رکھنا بڑے بہادر

انصاف اور رحم

کا کام ہے۔ جب تم کسی پر زیادتی یا کسی کی طرفداری کرنے لگوگے۔ تو یہ چُپکے سے کان میں کہ کر۔ کہ لو میں چلا۔ دبے پاؤں کھسک جائینگے۔ لیکن جب تم سے ایک دفعہ یا کئی دفعہ خطا ہو جائے۔ اور پھر تم صدق دل سے ان کی التجا کرو۔ تو یہ فوراً آ موجود ہونگے۔

(۲) اگر بغور دیکھو۔ تو انصاف میں رحم موجود ہے۔ کیوں؟ جب بصورت قصور ایک کو تادیب کی گئی۔ تو گویا دوسروں پر رحم کیا گیا۔ جن کے حقوق پر وہ نہ سزا پانے کی حالت میں بڑھ کر دست درازی کرتا۔ جیسے سانپ اور بچھو پر جاندار سمجھ کر رحم کرنا اپنی بنی نوع پر ظلم کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح مجرم کو معاف کرنا اس کو زیادہ جرائم کے ارتکاب کی ترغیب دینا ہے پرانے زمانے کے انصاف کو حال کے انصاف سے پوری مناسبت نہیں۔ اب قانون پر چلنا انصاف ہے۔ پہلے انصاف ایک یا چند اشخاص کی مرضی کے متعلق ہوتا تھا۔ لیکن قانون حال کسی ایک شخص کی ساخت نہیں ہوتا بلکہ کل لیجس لیٹو کونسل (قانون بنانے والی جماعت) کے جماعت یا کثرت رائے سے بنتا ہے۔ مگر وہ زمانہ بھی دور نہیں ہے۔ جب تک کہ رعایا کی عام رضامندی نہ ہوگی۔ کونسل قانونی اپنے اختیار سے کوئی قانون پاس نہ کر سکیگی۔ یعنی کونسل میں رعایا کی طرف سے منتخب شدہ ممبر بھی داخل ہونگے۔ جو گورنمنٹ کی منفعت کے ساتھ غریب رعایا کی رفاہیت کا بھی خیال

انصاف میں رحم موجود ہے

رکھینگے - بلکہ اب تو یہ ہو گیا کہ قانونی کونسلوں میں اس قسم کے ممبر داخل ہونے لگے - اور بعض جگہ ممبروں کو سوال کرنے کا حق بھی دیا گیا - پنجاب میں گو کونسل واضعان آئین ۱۸۹۷ء میں بن گئی مگر دیگر رعایتیں ابھی اسے حاصل ہونی باقی ہیں - قدیم زمانے کی وحشیانہ سزائیں جو بلا تحقیق جرم دی جاتی تھیں - اور مجرم کو اکثر اپنی بریت کے لئے عذرات اور وجوہ پیش کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا تھا - حکام کے اختیار غیر محدود ہوتے تھے - زندہ آگ میں جلانے - کنوئیں میں ڈال دینے - شکنجے میں کھینچ دینے - اُکھلی میں سر کُچلنے - اور ہاتھی کے پاؤں تلے ڈالنے - ہاتھ - پاؤں - ناک - کان کاٹنے تھوڑے قصور پر زیادہ سزا دینے - یا کبھی مجرم سے زر کثیر لیکر چھوڑ دینے کی خراب سزائیں اس زمانے کے لوگوں کے کبھی خواب میں بھی نہیں گزرینگی بلکہ ان کو یقین بھی نہ آتا ہوگا - کہ یہ سزائیں کبھی اس ملک میں دی جاتی تھیں - اور سزا کی وہ سخت اور نا شائستہ قسمیں کہ جلتی آگ میں ہاتھ ڈالنا گرم تیل یا پانی جسم پر ڈالنا یا ہاتھ ان میں ڈبونا - گرم لوہے یا پتھر کو اُٹھانا نام کو بھی نہیں رہیں - ایک قصور وار کے عوض علاقہ یا گاؤں یا محلہ یا خاندان یا صرف اسی گھر کے لوگوں کو سزا دینے کی رسم جاتی رہی ہے - اب باپ قصور کرے - تو بیٹے کو کچھ واسطہ نہیں - بیٹا کرے - تو باپ کو کچھ تعلق نہیں - ہر ایک اپنے قول و فعل کا آپ ذمہ وار ہے - اور یہی

منشاءِ قانون فطرت (نیچرل لا) معلوم ہوتا ہے۔ گو انصاف ایک لفظ ہے جو کتابوں میں لکھا ہے۔ اِلّا اس کا پورا پورا استعمال کبھی نہیں ہوا کیوں؟ اس کا استعمال سخت مشکل ہے۔ تاہم گورنمنٹ انگریزی نے کسی قدر بذریعہ قانون اس پر عمل کیا ہے۔ اسی واسطے اس کا عہد ہمیشہ مبارک گنا جائیگا ؀

(۳) کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ وحشیانہ سزاؤں کے خوف سے کبھی جرائم کا انسداد ہوگیا ہوگا۔ یا رعب سلطنت سے قابل تعریف انتظام ہوا ہوگا ہرگز نہیں۔ بلکہ دن دھاڑے بھی بلا انتظام حفاظت سفر کرنا مشکل تھا۔ اب غریب ہو یا امیر۔ ہر مجرم کو بلا امتیاز قانونی انصاف سے سزا دی جاتی ہے۔ اور کوئی گنہگار مواخذے سے بچ نہیں سکتا۔ گو سزائیں ویسی سخت نہیں۔ تاہم جرائم میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ کیوں؟ نرم سزاؤں کے ساتھ عوام الناس کی طبائع بھی نرم ہوتی چلی ہیں۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ کہ خونی مجرم کو پھانسی کی سزا دینی یا کسی مجرم کو بید سے پیٹنا اس عادل گورنمنٹ کے عہد میں یہ وحشیانہ سزائیں نا زیبا ہیں۔ پھانسی کی جگہ حبس دوام اور بید کی جگہ قید یا جرمانے کی سزا دینی جائیے۔ بہر حال اب سرکار انگریزی کا وہ قابل تعریف رعب حکومت ہے۔ کہ اکیلا آدمی دور دراز سفر کر سکتا ہے۔ اور بلا نقصان اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

انتظام میں جو کمزوری ہے۔جس سے وارداتوں کا وجود باقی ہے۔تو یہ سرکاری قانون کی پیچیدگیاں اور وکیلوں کی کثرت سے ہے۔جو چوروں اور بد معاشوں کے پیٹ کے لالچ سے حامی ہوجاتے ہیں۔ یا اکثر ملازمان پولیس کی ناقابلیت یا رشوت خواری یا فرائض سے غفلت کی وجہ سے ہے۔مجسٹریٹ پولیس پر بدظن ہیں۔جس سے وہ ملزموں کو بلا سزا دئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ہماری رائے ہے۔کہ پولیس میں تعلیم یافتہ اشخاص داخل کئے جائیں۔ اور خود غرض آدمی چُن چُن کر نکال دئے جائیں۔جب پولیس ایمانداری سے کام کرنے پر آمادہ ہوگی۔ تو وکلار کو بھی اس مذموم فعل سے باز رکھنے کے لئے متوجہ کیا جا سکتا ہے ٭

با ایں ہمہ جو ملک میں عام امن ہے۔اس کی وجہ سخت سزائیں نہیں بلکہ عام انصاف ہے اور سرکار کی طرف سے عام قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے۔کہ شاید جہالت کے زمانے میں ایسا شاہی قیدیوں سے بھی نہ ہوتا ہوگا۔ جیل خانوں کے ملازموں کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔کہ وہ قیدیوں سے ناجائز بد سلوکی نہ کرنے پائیں۔ان کی حفظان صحت کا بھی برابر خیال کیا جاتا ہے۔اوران کو ٹوٹی پھوٹی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔کسی قدر دستکاری بھی سکھلائی جاتی ہے۔کہ جیل خانے سے چھوٹیں۔تو بد اعمالی نہ کریں۔سیکھے ہوئے کسب سے وجہ معیشت پیدا

پیدا کریں ÷ جرائم کی کمی کا ایک اور بڑا بھاری سبب یہ ہے۔کہ سر رشتہ تعلیم نے عموماً رعایا سے وحشیانہ اور جاہلانہ خیالات دور کرنے میں بہت کچھ کوشش کی ہے۔اور کر رہا ہے۔اور بالخصوص جرائم پیشہ اقوام میں بھی کچھ کچھ تعلیم کا شوق دلایا جا رہا ہے ÷ گورنمنٹ کا منشا بلکہ حکم ہونا چاہئیے۔کہ عدالتی حاکم حتے الوسع انصاف کو رحم کے ساتھ استعمال کریں ÷ ایسا نہ ہو کہ قانون کو انتقام لینے کا آلہ یا اپنے اشتعال طبع کے مطیع کر دیں۔کیونکہ ہنوز سب حکام اس قماش کے منصف مزاج نہیں ہیں۔بعض نہایت سخت بعض ترش اور بعض مذہبی تعصب میں غرق ہیں۔بعض نے تو مجسٹریٹی اختیارات کو نفسی اغراض کے پورا کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔جس کا نتیجہ ان کو بجز رو سیاہی اور کیا حاصل ہوگا؟ غرض قانون کے استعمال کرنے میں رعایا پر حکام کے مزاج اور اخلاق کا بڑا اثر پڑتا ہے۔گورنمنٹ کو صحیح اطلاع حکام کے چال چلن کی کس طرح ملے؟ اس کا سہل علاج یہی ہے۔کہ رعایا کے وکیل لائی کونسلوں میں ہوں۔اور رعایا اپنے دُکھ سُکھ کی خبر ان کی معرفت اپنی مہربان اور منصف گورنمنٹ کو کرتی رہے۔اور طرح پر قانونی ثبوت بہم پہنچنا مشکل ہے ÷

(۴۳) تیز قانونوں کی کثرت اور پیچیدگیوں کے ساتھ رعایا کی مشکلات

بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ اگرچہ اس کو تعلیم عامہ میں داخل نہیں کیا۔ تاہم اس سے عدیم الخبری کا عذر قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ اور گورنمنٹ کا یہ منشا ہے۔ کہ اس کے قانون کا سمجھنا رعایا کا اپنا فرض ہے۔ یہ امر بالکل بیجا تو نہیں۔ لیکن غور طلب ہے۔ ہم ادب سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ رعایا کو عام آسان زبان میں ان قوانین فوجداری وغیرہ کی تعلیم جن سے انسان کو ہمیشہ کام پڑتا ہے۔ مال کے حاکموں یا مدرسے کے ماسٹروں کی معرفت ضرور ہونی چاہیئے۔ تاکہ نادانستگی کا عذر باقی نہ رہے۔ گو ایسے جرم بہت نہیں ہیں۔ جن کو انسان فطرتاً جرم نہ سمجھتا ہو۔ تاہم بچوں کو ان سے باخبر کرنا زیادہ سودمند ہوگا۔ کیوں؟ وہ خود جان لینگے۔ اور بڑے ہوکر بخوف سزا اپنے آپ کو ارتکاب جرائم سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرینگے۔ اور بیخبروں کو بھی جو ان سے متعلق ہونگے۔ متنبہ کرتے رہینگے۔ اس سے یہ نیک نتیجہ نکلیگا۔ کہ اکثروں کے اخلاق خود بخود درست ہو جائینگے۔ اور درحقیقت اخلاقی حکومت کا منشا بھی یہی ہونا چاہیئے۔ کہ بغیر سزا دئے رعایا کے اخلاق درست ہو جائیں۔ گو سرکار مانع ہے۔ آمر نہیں۔ تاہم اگر کسی قدر آمر بننے سے جرائم کی کمی ہو سکے اور رعایا کے اخلاق درست ہوں اور گورنمنٹ بھی زیادہ ہر دل عزیز ہو جائے۔ تو کتنے بڑے فائدے کی بات ہے؟

خوشی

خوشی اور غمی ایسے عام لفظ ہیں۔ کہ ان سے ہر ایک واقف ہے۔ عورت۔ مرد۔ کیا امیر۔ کیا غریب سب ان کو جانتے ہیں۔ پر غمی کم کوئی نہیں چاہتا۔ ہر ایک خوشی کا خواہاں ہے۔ ایک ایسا مخبر سب کے ساتھ لگا ہے۔ کہ ہر شخص کے باطن کی خبر دیتا ہے۔ وہ ان کا چہرہ ہے۔ تم دیکھتے ہی بتا دوگے۔ کہ یہ شخص کس عالم میں ہے۔ خوش و خرم ہے۔ یا غمگین۔ غور سے دیکھو۔ تو انسانی خوشی کا زیادہ تعلق خارجی اسباب سے ہے۔ یعنی کسی خوبصورت چیز کے دیکھنے یا خوشبو یا خوش رنگ گلدستے کے سونگھنے۔ یا کسی لذیذ چیز چکھنے یا اچھی خبر سننے سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے طرح طرح کے سامان کرتا ہے۔ بعض شخص نفسانی و شہوانی خوشیوں سے دل خوش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ عارضی خوشیاں دیر پا نہیں ہوتیں۔ اور ان کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔ طالب علم کتابوں کے مطالعہ سے خوشی حاصل کرتا ہے اور تماشبین تماش بینی سے۔ لیکن قیاس سے معلوم ہوگا۔ کہ بار آور خوشی طالب علم ہی کی ہے۔ ایک کاروباری اپنے روزگار کے دھندے میں خوش رہتا ہے۔ بیکار ہو جائے۔ تو اسے تکلیف معلوم ہوتی ہے۔

اس کے واسطے ایک ایک دن کالا پہاڑ ہوتا ہے۔ تندرستی بھی انسان کے لیئے خوشی کا باعث ہے۔ اس کے بغیر تمام خوشیاں ہیچ ہیں۔ پس انسان کو بد پرہیزیاں اور بے اعتدالیاں کرکے اپنی صحت کی عمدہ خوشی کو بگاڑ نہیں لینا چاہیئے۔ گو تندرستی انسان کے بالکل اپنے بس میں نہیں ہے تاہم جہاں تک انسانی طاقت ہے۔ احتیاط شرط ہے۔ خوشی ہر کہ و مہ پر یکساں اثر کرتی ہے۔ بڑا آدمی ہے۔ تو اس کے بڑے مقاصد کے حاصل ہونے سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ چھوٹا ہے۔ تو چھوٹے مطالب سے + جیسے ایک تحصیلدار کو ڈپٹی کلکٹر ہوجانے کی خوشی ہے۔ ویسے ہی ایک چپراسی کو جمعدار ہونے کی۔ اگر ایک طالب علم کو ایم۔اے پاس کرنے کی خوشی ہے۔ تو دوسرے ادنےٰ درجے کے طالب علم کو صرف جماعت کی ترقی ملنے کی۔ بادشاہ کو کسی ملک کے فتح کرنے سے خوشی ہے۔ تو غریب کو صرف ایک روٹی کے ملنے سے خوشی ہے +

مگر انسانی خوشی کا انحصار عموماً اس فوقیت پر ہے۔ جو اپنے ہم رُتبہ یا قریبی لوگوں میں حاصل ہو۔ ایک طالب علم کو اس وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جب باقی طلبا میں اس کو امتیاز حاصل ہو۔ اسی طرح ایک ڈپٹی کمشنر کو اپنے ماتحت ملازموں کی ترقی دیکھنے سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اس کو اپنے ہم عہدہ و ہم رتبہ اشخاص میں اعزاز و امتیاز حاصل

کرنے سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر پیشہ ور کو اس وقت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جب اس کو اقران و ہم پیشہ اشخاص میں امتیاز و افتخار حاصل ہو۔ مثلاً ایک کمہار کو اس وقت زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ جب اس کی ساختہ چیزوں کی اور کمہاروں کی ساختہ اشیاء سے زیادہ قدر کی جائے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں کوئی خوشی پائدار نہیں ہے۔ اِدھر اُبال اُٹھا۔ اُدھر بجھا۔ اب چند خوشیوں کی تفصیل سُن لو۔ تنخواہ بڑھنے کی خوشی۔ اعلےٰ مدارج پانے کی خوشی۔ حکومت و فرمان روائی کی خوشی۔ سرکار سے خاص عزت ملنے کی خوشی۔ برادری میں عزت پانے کی خوشی۔ دولت حاصل کرنے کی خوشی۔ روپیہ کمانے یا بلا مشقت پانے کی خوشی۔ مقدمہ جیتنے کی خوشی۔ شان و شوکت کا سامان موجود ہوجانے کی خوشی۔ تصنیف و تالیف میں شہرت ملنے کی خوشی۔ بیٹا پیدا ہونے کی خوشی۔ بیاہ شادی کی خوشی۔ مقدمہ فوجداری سے رہا ہوجانے کی خوشی۔ قید خانے سے نکلنے کی خوشی۔ غرض ہم کہاں تک بیان کریں۔ یہ سب مختلف رنگ کی خوشیاں ہیں۔ اور کسی خوشی کا اندازہ یا مقدار مقرر نہیں کیا جاسکتا مگر یہ سب کی سب ناپائدار ہیں۔ منصبی اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ البتہ وقعت کے لایق ہوتی ہے۔ دنیا داری میں اگر تندرستی۔ دولت اور عزت کے ساتھ اپنے خویشوں۔ یگانوں میں اکٹھا

رہنے کا اتفاق ہو۔ اور ان سے پوری محبت بے منت کی جائے۔ اور جدائی
کا خیال دل میں نہ ہو۔ تو یہ خوشی بھی کچھ وزن دار ہوسکتی ہے۔ مگر
آخر ہر روز کی خوشی نہیں رہتی۔ عادت ہو جاتی ہے۔ خوشی کے عادی کو
ذرا غم کا صدمہ پہنچ جائے۔ تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ بھی
ظاہر ہے۔ کہ انسان ایک خوشی کو چھوڑ کر دوسری کے درپے ہو جاتا
ہے۔ اور کبھی بے احتیاطی سے خوشی کو غمی اور سُکھ کو دُکھ کی صورت
میں دکھاتا ہے۔ اور آخر کار اسی تگ و دو میں مر جاتا ہے۔ اور اخیر دم
تک اس کی امید تانہ خوشی حاصل کرنے کی چلی جاتی ہے۔ بڑی بڑی
کوششیں کرتا ہے۔ اس واسطے کبھی اپنی جان کو اس کی طلب میں
خطر ناک جگہ پر لے جاتا ہے۔ کبھی اس کی نا جائز خواہش میں بہت
بُرے کام کر بیٹھتا ہے ✣

لیکن مستقل مزاج اور علم الٰہی کے عالم اور عارف لوگ ایسی حالت
کو پسند کرتے ہیں۔ کہ نہ تو خوشی کی خوشی ہو۔ نہ رنج کا رُنج ہو۔ اور وہ
ایک ہی حالت میں رہنے کو عرفان الٰہی خیال کرتے ہیں ✣

نفسانی اغراض کے پورا کرنے کی خوشیاں جتنی ہیں بظاہر مزیدار اور
دلربا ہیں۔ مگر کس کام کی؟ کیوں؟ ناپائداری کے ساتھ اکثر گنہگار بھی
بنا دیتی ہیں۔ حد سے بڑھ جائیں۔ تو شادی مرگ تک پہنچائیں۔

اور اصل خوشی پھر بھی کوسوں دور ہو۔ لیکن یہ اصلی اور پائدار خوشی باطن میں نور اور سینے میں سرور پیدا کرتی ہے۔ اور ظاہری اور خارجیہ اسباب کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور وہ خوشی انسان کی ذات سے سچی ہمدردی کرتا ہے۔ دنیا میں جتنے فلاسفر ہوئے ہیں وہ عموماً اسی خوشی کی تلاش میں رہے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ملک اور قوم کے صدقے تن۔ من اور دھن سب کچھ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ وہ لوگ مبارک ہیں۔ جو اپنی قوم و ملک کی فائدہ رسانی پر فریفتہ ہیں۔ اور اس اصلی خوشی کی طلب میں مال اور جان کی بھی چنداں حقیقت نہیں سمجھتے ÷

صحبت کا اثر

صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ بدصحبت کی تاثیر جلد ہوتی ہے۔ انسان کو اپنے پیشے کے آدمیوں سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ انسان کو انسانی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے ÷

(۱) ہم نہیں جانتے۔ کہ کونسی چیز دنیا میں ایسی ہے جس میں کسی نہ کسی قسم کی تاثیر نہ ہو۔ جہاں پتھر میں کوئی چیز رکھی رہنے سے ایک عرصے بعد پتھر ہو جاتی ہے۔ اور مٹی میں مٹی۔ اور نمک میں نمک۔ وہاں

اس بات کا سمجھنا بھی کیا مشکل ہے؟ کہ خوشبودار اشیا کی تاثیر سے بوئے خوش اور بد بودار سے گندہ مغزی حاصل ہوتی ہے۔ایک بزرگ کہتا ہے۔کہ گھوڑے کو گدھے کے پاس باندھوگے۔ تو اگرچہ رنگ نہ بدلیگا مگر دولتی مارنی ہی سیکھ لیگا۔ پس اس سے دو ہی قسم کے اثر یعنی نیک یا بد معلوم ہوئے۔اور اس تاثیر سے انسان بھی خالی نہیں ہے٭

(۲) یہ قاعدے کی بات ہے۔کہ ہر شخص اپنی عقل اور پرائے مال کو زیادہ جانتا ہے۔ اسی مغالطے سے ٹھوکریں بھی بہت کھاتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ دعوے کیا تھا۔کہ ہم کسی کی صحبت سے متاثر نہ ہونگے۔ آخر ہوئے + قمار بازی کو جو صرف دیکھتے ہیں۔لیکن کھیلتے نہیں۔ اس میں شک نہیں۔کہ آخر کار وہ بھی کھیلنے لگ جاتے ہیں۔اسی طرح تماش بینوں۔ چوروں۔ جھوٹوں۔ شہدوں اور حرام کاروں کی صحبت سے انسان کو فوراً اثر ہو جاتا ہے۔اگر کوئی بچ رہا۔ تو تعجب کی بات ہے۔اور یہ بات بھی آزمائی ہوئی ہے۔کہ نیک کام کا اثر جلد نہیں ہوتا۔کیوں؟ نیکی ایک سادہ چیز ہے۔اور انسانی دل فریبیوں کے دور کرنے والی ہے۔اور بظاہر اس کی قدر کم ہے۔ البتہ اس سے عاقبت سنورتی ہے۔جس کے ضعیف الاعتقاد قایل نہیں۔ پر آخر کار نیک صحبت کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص

٭ نتیجہ: برے کا اثر جلدی ہوتا ہے۔

پڑھتا نہیں۔ لیکن پڑھنے والوں سے صحبت رکھتا ہے۔ تو ضرور اس کی بول چال نشست و برخاست ہی کسی قدر پڑھنے والوں کی سی ہو جائیگی ٭

(۳) جیسے انسان کی طبیعت نیکی سے متنفر ہے۔ اگر اس کے ساتھ نیک صحبت کا کچھ اثر بھی نہ ہوتا۔ تو اب تک کوئی شخص نیکی کا نام لیوا نہ رہتا۔ اور نیک ہونا تو کیسا۔ اور جہالت کا زمانہ کبھی بدل نہ سکتا۔ دیکھو! شاگرد استاد کی صحبت سے فیض پاتے ہیں۔ عابدوں کی صحبت سے انسان عبادت اور عالموں کی صحبت سے علم سیکھ جاتے ہیں۔ ایسا ہی سپیکروں سے تقریر کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ اور خوشنویسوں سے خوش خطی سیکھی جاتی ہے۔ غرض جیسی صحبت ویسا اثر۔ لیکن ساتھ ہی کل حیوانات اپنی جنس کی صحبت کو پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے ہم خیال اور بالخصوص اپنے ہم پیشے کے ساتھ صحبت رکھنا دل سے چاہتا ہے۔ انسان کو مناسب ہے۔ کہ آئندہ ترقی کے لئے اپنے سے زیادہ دانشمند۔ تجربہ کار۔ معتبر اور نیک خیال کی صحبت میں سو کام چھوڑ کر جائے۔ جیسے علم کے ساتھ عمل۔ اور پڑھنے کے ساتھ گننا ضرور ہے۔ ویسے ہی نو خیز انسان کو انسانیت کے حاصل کرنے کے واسطے مختلف شائستہ مجلسوں سے علم مجلسی کا حاصل کرنا لازم

انسان کو اپنے سے زیادہ دانشمند ... کی صحبت

بڑے بڑے عالم جن کا پہلے کسی مجلس میں تقریر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اتفاق پڑے تو بولتے ہوئے جی چراتے ہیں۔ اور بولتے ہیں تو اکثر مرتبہ اُن کی زبان لڑکھڑاتی ہے۔ جس سے اہل مجلس کے سامنے خفت اُٹھاتے ہیں۔ تا وقتیکہ انسان اپنا امتحان پہلے آپ نہ کرلے۔ یا اپنے سے بہتر لوگوں کی طرز بیان کو بخوبی نہ دیکھ لے۔ کسی غیر مجلس میں بولنے کا حوصلہ نہ کرے۔ لیکن پھر بھی بولنا بولنے سے آئیگا کیونکہ جو کام تم نہیں کر سکتے۔ اگر اس کو نہ کروگے۔ تو اس کا کرنا کس طرح آئیگا۔ مثلاً پیراک بننا چاہتے ہو۔ تو پانی میں اُترنے سے جی نہ چُراؤ۔ ورنہ اس فن سے محروم رہوگے :۔

(۴) چونکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اس کے واسطے صحبت کا ہونا بھی ضرور ہے۔ ایسا نہ ہوتا۔ تو انسان حوائج انسانی سے لاچار ہو جاتا۔ اور کوئی ایک دوسرے کی معاش اور معاد کے بارے میں مدد نہ کرتا۔ پھر ترقی کا زمانہ کس طرح آتا ؟ پس جو لوگ انسان کی صحبت سے نفرت کرتے ہیں۔ اور دنیاوی تعلق کے ہوتے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں۔ انہیں وحشی کہا جائے۔ تو مضایقہ نہیں۔ گو صحبت منصب اور حیثیت کے موافق زیادہ موزون ہوتی ہے۔ مگر اپنے سے بڑے کے پاس بیٹھنے میں عزت۔ دانش اور معلومات بڑھتی ہے۔ اور کم مایہ۔

رذیلوں۔ جاہلوں اور بد چلنوں کی صحبت انسانی شرف و عزت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔ بالخصوص ہمارے ملک کے رئیسوں اور ملک داروں کو واجب ہے۔ کہ اپنے ہم جلیس نیک چلن اور عقیل آدمی بنائیں۔ کیوں ؟ عاصیوں کے ارتباط میں حکومت کا رعب باقی نہیں رہتا۔ چال و چلن بگڑتا ہے جس سے ملک میں تباہی آنے کا اندیشہ ہے۔ نامی حکیم دیو جانس کلبی نے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ کہ میں نیکیوں کی صحبت میں بڑے شوق سے بیٹھتا ہوں۔ اور جیسے کُتّے کی دُم محبت سے ہلتی ہے۔ ویسے ہی میری متعلق رگ نیکیوں کے اختلاط کی خواہش میں جُنبش کرتی ہے۔ اور کُتا جیسے اجنبی آدمیوں پر بھونکتا ہے۔ ویسے ہی میں بدوں اور جاہلوں کو سخت آوازسے ڈانٹتا ہوں۔ اسی واسطے لوگ مجھے کلبی (کتّا) کہتے ہیں +

جب ہر ایک صحبت کا اثر لازم ہے۔ تو یہ عقلمندی نہیں۔ کہ قوم کے ہوا خواہوں کی صحبت سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ یا اپنے سے بہتروں اور بزرگوں کی ہم نشینی کو غنیمت نہ سمجھا جائے۔ سنو بھائی ! بد روشوں کی دوستی سے تم بد چلن نہیں ہوگے۔ تو متہم ضرور ہو جاؤگے۔ اور بنظر حقارت دیکھے جاؤگے۔ برخلاف اس کے ممکن ہے۔ کہ عالموں اور حکام کی ہم نشینی سے دانا اور معزز ہو جاؤ۔ پس اب تم ہی اپنے جی میں قیاس کر لو۔ کہ

تم رذالت کو پسند کرتے ہو۔ یا شرافت کو۔ شرافت اور بزرگی چاہتے ہو۔ تو بُروں اور جاہلوں کی صحبت سے ایسا بھاگو۔ جیسے ہوا سے مچھر۔ ورنہ تمہاری وہ گت ہوگی۔ جس کو دیکھنا کوئی شریف آدمی پسند نہیں کریگا +

مہذب کلام

ضرورتاً بولنا۔ بُری بات مُنہ سے نہ نکالنا۔ عورتوں کا سٹھنیاں گانا دنیا کا سفر اچھی طرح کیونکر طے ہو۔ زبان کی کرتوت و نتیجہ +

(۱) اول بات کو تولو۔ پھر مُنہ سے بولو۔ سیانے آدمی ضرورت بغیر نہیں بولتے۔ بولتے ہیں تو مطلب سے زیادہ نہیں۔ ایک دانا کا قول ہے۔ کہ ضرورت سے زیادہ بولنے والا دیوانہ ہے۔ دوسرے نے کہا ہے کہ خدا نے دو کان اور ایک زبان دی ہے۔ پس کہنے سے سُننا دو چند ہو۔ یعنی تم سے نہ پوچھا جائے۔ تو خاموش رہو۔ کیوں؟ زیادہ بولنا بکواس ہے۔ اور اس سے اپنا رُعب اور وقر گھٹتا ہے۔ اور اس کے سوا زیادہ بولنے میں زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں۔ ضرور سمجھ سوچ کر الفاظ مُنہ سے نکالو۔ ورنہ ندامت اُٹھانی پڑیگی +

(۲) کبھی ناشائستہ لفظ زبان پر نہ آنے دو بعض لوگ اپنا تکیہ کلام کوئی ناملائم لفظ کر لیتے ہیں۔ یا بات بات میں قسم کھاتے ہیں۔

یا اَوروں سے قسم کے ملتجی ہوتے ہیں۔ یا کسی کو بے ساختہ جھوٹا کہ دیتے ہیں۔ یا بے مطلب کسی سے آمدنی۔ مکان۔ خوراک یا پوشاک وغیرہ کی نسبت سوالات کر بیٹھتے ہیں۔ یا باہم گالی گلوچ و ٹھٹھہ مسخراپن کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس پاک آلۂ تکلم سے ایسا ناپاک کام نہیں لینا چاہئیے ۔

(۳) کوشش کرنی چاہئیے۔ کہ عورتیں شادی اور ماتم وغیرہ موقعوں پر فحش گیت نہ گایا کریں۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے۔ کہ بہو بیٹیاں اپنے بزرگوں کے سامنے یوں گستاخانہ اور بے حجابانہ بکیں۔ اور وہ بزرگوار ڈاڑھیاں ہلا ہلا کر ہنسا کریں۔ سنو! جو زبان ناشائستہ بولتی ہے بہتر ہے۔ کہ وہ گونگی ہو۔ جو بے اختیار ہو کر چلتی ہے۔ اس کے ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مفت میں گنہگار بناتی ہے۔ مصنف کتاب ہذا کی برادری نے بڑی خوشی کی بات ہے عورتوں کا فضول بکنا اور مردے پر سیاپہ کرنا قطعی بند کر دیا۔ جلسہ برادری دسمبر ۱۸۹۹ء بمقام رام نگر ہوا تھا ۔

(۴) تکبّر۔ خود ستائی۔ جھوٹ۔ غیبت اور مذمت ایسے ہی رذیلہ خصائل اس کی راہ میں کانٹے ہیں۔ یا ریلوے لائن پر پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے دھرے ہیں۔ جو اس کی روانی کو روکتے ہیں۔ جس کو راہ راست پر بے کھٹکے چلنا منظور ہو۔ وہ اپنے دامن کو ان کانٹوں سے بچائے۔ رستہ

صاف رکھے۔ ان ڈاکوؤں کی بیخ کنی کرے۔ اور اپنے بچاؤ کے واسطے عجز ونیاز۔ راست گوئی۔ تواضع و تحمل اور سلیم المزاجی کو محافظ کے طور پر ہر وقت اپنے ساتھ رکھے۔ امید ہے۔ کہ ان کی امداد سے دنیا کی پر خطر راہ بخیر و خوبی قطع ہو جائیگی۔ گو دوسری صورت میں بھی یہ سفر تمام ہو جاتا ہے۔ مگر پیچھے بدنامی کے سوا کوئی نام نہیں لیتا۔ جس سے زیادہ بُری یادگار اور کیا ہو سکتی ہے +

(۵) حیوانات سے انسان کو شرف کیوں دیا جاتا ہے؟ نفسانی اور شہواتی حوائج جیسے اسے لاحق ہیں۔ ویسے ہی انہیں جس طرح یہ پیدا ہوتا ہے۔ مرتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ لیکن وہ ایک پاک چیز ہے۔ جس نے باوجود اوروں کے پاس موجود ہونے کے اس کو شرف بخش رکھا ہے۔ وہ نطق ہے۔ جو زبان کے وسیلے سے اس کو حاصل ہے۔ ایک دوسرے کے مافی الضمیر کی اسی کے ذریعے اطلاع ہوتی ہے۔ وہ دل کے خزانے کی چابی ہے۔ بھید کو چھپانا چاہتے ہو۔ تو زبان پر مت لاؤ۔ یہ دنیا میں مشہور کر دیگی۔ اسی کے طفیل انسان جلیل القدر مراتب پاتا ہے۔ اور یہی اس کو ذلیل اور خوار کر دیتی ہے۔ یہ چاہے۔ تو لاکھوں کا خون کراوے۔ اور چاہے۔ تو پھانسی پر چڑھنے والوں کو چھڑاوے۔ اس کی فصاحت جادو کا کام

دیتی ہے۔ دشمنوں کو دوست بناتی ہے۔ اور بنے کاموں کو بگاڑتی ہے
شاہی تخت پر یہ بٹھاتی ہے۔ اور در در بھیک یہ منگاتی ہے۔ صلح و
امن کی باگ اس کے ہاتھ ہے۔ اور جنگ وجدل کی لاک اس کی
بات میں ہے۔ انسان کو پارسا اور خدا دوست یہ بناتی ہے۔ اور یہی
بد کردار اور گنہگار کر دکھاتی ہے۔ مہذب انسان اس کو اپنے قابو میں
رکھتے ہیں۔ اور خود سر نہیں ہونے دیتے۔ وہ بے ضرورت نہیں بولتے
اور بولنے کے وقت خاموش بھی نہیں رہتے۔ پس اے ناظرین! شائستگی
چاہتے ہو تو پہلے اپنی زبان کو درست کرو۔ بات وہ کہو۔ کہ سب پسند
کریں۔ اور تمہارے بول ایسے پیارے ہوں کہ گویا موتی برس رہے ہیں
یا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ ورنہ تم قابل رحم نہیں سمجھے جاؤ گے
اور اپنے کیے سے پچتاؤ گے۔ اور پھر اس وقت کی پشیمانی کچھ فائدہ
نہ دیگی +

بزرگوں کا ادب

نوجوانوں کی عام شکایتیں۔ ان شکایتوں کے دور کرنے کی تدبیریں

(۱) یہ شکایت عام ہو چلی ہے۔ کہ اکثر خام عقل طالب علم چار
حرف سیکھ کر ہمہ دانی کا دعوے کرنے لگتے ہیں اور بزرگوں کے ساتھ
شوخ چشم ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی کی انہیں شرم ہے۔ نہ خوف۔ نام کو

آزاد بنے پھرتے ہیں۔ جنٹلمین کہلانا چاہتے ہیں۔ مگر شرافت ذرا نہیں رکھتے۔ ماں باپ بیچارے جنہوں نے پالا۔ پوسا۔ پڑھایا۔ بیاہا۔ انہیں بالمقابل صلواتیں سناتے ہیں۔ انہیں جاہل سمجھتے ہیں۔ ماں سے زیادہ بیوی کی عزت کرتے ہیں۔ نوکر یا برسرکار ہو جاتے ہیں۔ تو ماں باپ اور مستحقوں کی پرورش نہیں کرتے۔ صرف اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ ماں باپ کے احکام کی تعمیل سے اپنی عورت کی فرمائش پوری کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لٹو ہو جاتے ہیں۔ کہ اپنی کمائی اس کے قبضے میں کر دیتے ہیں۔ آپ اُس کے دست نگر بن جاتے ہیں۔ عورت سیاہ کرے سفید۔ یہ دخل نہیں دے سکتے۔ حقیقی بھائی سے بگڑ جائے اس کی پروا نہیں۔ مگر بیوی ناراض نہ ہو۔ سکول سے تعلیم پا چکے۔ اور اُستاد سے طوطا چشم ہوئے۔ رستے میں اتفاقیہ کہیں اُستاد مل جائے۔ تو منہ چھپا جائینگے کہ سلام نہ کرنا پڑے۔ لینے دینے کے سر پر خاک۔ یہاں خالی سلام سے گریز ہے۔ حق فراموش ایسے ہیں۔ کہ اگر کسی اچھے منصب پر پہنچینگے۔ تو جس استاد کے صدقے میں یہ دن نصیب ہوا ہے۔ اُس کے شاگرد کہلانے کو اپنی کسر شان سمجھینگے۔ خدا جانے یہ کہاں سے لکھنا پڑھنا سیکھے تھے۔ شاید ماں کے پیٹ سے ڈگری لیکر نکلے ہونگے۔ جب اُن کا یہ حال ہوا۔ جن کا اوروں سے زیادہ حق ہے۔ تو باقی بزرگ رشتہ دار بیچارے

کس گنتی میں۔ بلکہ ان سے عداوت اور ان کے مخالفوں سے دوستی ہوگی۔

(۲) ہم نے ان شکایتوں پر غور کی۔ ہم یہ نہیں کہ سکتے۔ کہ یہ سب کی سب صحیح ہیں۔ لیکن بالکل غلط بھی نہیں کہ سکتے۔ کیوں ؟ بعض جگہ ایسے حالات کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پس ان شکایتوں کے دور کرنے کے واسطے ہم اپنی کتاب کے ناظرین سے یہ درخواست کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ بڑے ہیں۔ تو خود دانا ہیں۔ اگر چھوٹی عمر کے بچے ہیں۔ تو وہ کوشش کریں۔ کہ ان کی نسبت کوئی شخص یہ نہ کہے۔ کہ ان کو ادب نہیں سکھلایا گیا۔ کبھی کوئی لفظ زبان یا قلم سے بزرگوں کی شان کے خلاف استعمال نہ کرو۔ اگر ان کی طرف سے کچھ سختی دیکھو۔ تو اس کی حوصلے سے برداشت کرو۔ کیوں ؟ آخر وہ تمہارے دشمن تو نہیں۔ خفا ہونگے۔ تو تمہارے کسی فائدے ہی کے لئے ہونگے۔ ماں باپ یا اور بزرگوں سے تمہاری معلومات زیادہ ہوگئی ہے۔ یا تم بڑے رتبے پر پہنچ گئے۔ تو بھی انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔ کیوں ؟ آخر تم انہیں کے فرزند ہو۔ آسمان سے تو نہیں اترے۔ تم ان کی عزت نہ کروگے۔ تو اور لوگ کیا کرینگے۔ وہ بے عزت ہوئے۔ تو اس میں تمہاری بے عزتی بھی شامل ہے۔ بیوی سے بے شک اچھا سلوک رکھو۔ مگر ماں باپ

کے حقوق کو نظر انداز نہ کرو۔ دنیاوی مال کے واسطے کوئی بدنامی اپنے ذمہ مت لو۔ یہ محض عارضی شوخ رنگ کی طرح ہے۔ جلد اُڑ جائیگا۔ اُستاد کی متابعت اور مناسب خدمت ضرور کرنی چاہئے اس میں تمہاری سعادت مندی سمجھی جائیگی۔ غرض ہماری رائے میں بزرگوں کے جائز احکام کی تعمیل کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہئے۔ اور اپنے حرکات وسکنات اس قسم کے رکھنے چاہئیں۔ جس سے ان کے رتبے کے لحاظ سے بے ادبی نہ سمجھی جائے۔ ان کے سوا عمر۔ علم۔ عقل اور منصب کے اعتبار سے جو اپنے سے بڑھ کر ہو۔ اس کا بھی ادب کرنا چاہئے۔ غیروں سے بھی بحسن سلوک پیش آنا چاہئے۔ اس میں تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ مفت کی تعریف ہوگی۔ بزرگوں سے کلام کرتے وقت اُن کی نسبت کبھی تم کا لفظ استعمال نہ کرنا۔ بلکہ آپ یا جناب یا قبلہ وغیرہ باادب لفظ بولنا۔ پنجابی زبان میں لفظ اوئے بے ادب لفظ ہے۔ اور جی ادب کا۔ پہلے میں تین حرف اور دوسرے میں دو حرف ہیں۔ سیانے آدمی کبھی منظور نہ کرینگے۔ کہ ایک تو ہم بجائے دو کے تین حرف بولیں۔ اور دوسرے بے ادب اور بدخلق کہلائیں ٭

اگر تم کشادہ روئی اور خوش خلقی سے ہر خاص و عام کے ساتھ سلوک رکھوگے۔ تو لوگ تمہاری عزت کرینگے اور تمہارے دوستوں کی

تعداد بہت بڑھ جائیگی- حالانکہ تمہارا اس میں خرچ بھی کچھ نہ ہوگا- آخر میں تم کو پھر ایک دفعہ تاکید کرتا ہوں - کہ جہاں تک تم سے ہو سکے - نیک نامی کے کام کرو- اس میں کل نصیحتوں کی تعمیل شامل ہے ؎

ثابت قدمی

کسی کام کے شروع کر دینے سے پہلے اپنے دل میں اچھی طرح جانچ لو- کہ میں اس کام کو بخوبی کر سکونگا یا نہیں - تاکہ پیچھے خفت نہ اُٹھانی پڑے - لیکن جب شروع کر چکے- تو اس کا نباہنا ہی مردانگی ہے- تمہارا ارادہ ہمیشہ مستقل ہو- تمہاری بات ٹھیک ہو- تمہارا عہد سچّا ہو- جہاں قدم رکھو- مضبوط رکھو- خواہ کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے- اپنی صداقت نہ چھوڑو- اچھا ہمیں یہ تو بتاؤ- کہ بعض حکمائے زمانۂ قدیم کی خاص ناموری کس سے ہوئی ؟ سمندروں کو کس نے چھان ڈالا ؟ دنیا کے نقشے کیونکر طیار ہوئے ؟ پہاڑ اور جنگل کاٹ کر سیدھے راستے کس طرح بنے ؟ معدنیات کا حال کس سے دریافت ہؤا ؟ ہزاروں کلیں کیونکر بن گئیں ؟ علوم و فنون میں اختراعات کس کے طفیل ہوئے ہیں غیر ممالک کی سیر و فتوحات کس طرح کی گئیں ؟ آسمانی حالات کیونکر دریافت ہوئے ؟ دولت و حکومت کس سے ملی ؟ وغیرہ وغیرہ ان

سب سوالوں کا یہی جواب ہوسکتا ہے۔ کہ ثابت قدمی کی بدولت اور
الوالعزمی کی برکت سے + ثابت قدم آدمی جب چند بار اپنے کام
میں ناکامی دیکھتا ہے۔ بلکہ نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔ تو بھی اپنے
ارادے سے باز نہیں رہتا۔ اور جوں جوں ناکامی بڑھتی جاتی ہے
اس کی مصروفیت اس امید پر بڑھتی جاتی ہے۔ کہ کبھی تو مجھے
اپنی محنت کا پھل ملیگا۔ کوئی بڑا حادثہ یا کوئی بیش قرار مالی نقصان
بھی ہو جاتا ہے۔ تو بھی الوالعزم اور باحوصلہ آدمی خود گھبراکر
اپنے بدخواہوں کو کھلی اُڑانے اور خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا
وہ ایسا صابر اور مستقل مزاج دکھائی دیتا ہے۔ کہ گویا اس کو کوئی
صدمہ نہیں پہنچا۔ کیوں ؟ وہ جانتا ہے۔ کہ یا تو اس کا عوض ممکن
ہے یا نہیں۔ لیکن دونو صورتوں میں افسوس کرنا لاحاصل ہے۔
فیل شدہ طالب علم جو پست ہمت اور کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ وہ
ناکامی کے افسوس میں آئندہ پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اپنی جان کو
خطرے میں ڈالتے ہیں۔ مگر دانش مند اور منصف مزاج اور ثابت
قدم جانتے ہیں۔ کہ یا تو خود ہماری محنت کا قصور ہے۔ یا کوئی اور
امر اتفاقی ہوا ہے۔ وہ اور زیادہ دل دے کر پڑھتے ہیں۔ آخر کامیابی
حاصل کر لیتے + ایک صاحب سرکش گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور شہسوار

بھی نہ تھے۔ راستے میں خندق آئی۔ ہمراہی دوست ایڑ لگاتے ہی اس پار چلے گئے۔ یہ سر کے بل گر پڑے۔ پھر گھوڑے پر چڑھ بیٹھے۔ گھوڑا کودا اور پھر گر پڑے۔ پھر تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ آخر چوتھی بار اس نالی کو مع گھوڑے کے بخیریت پھاند ہی گئے ٭ تیمور بادشاہ نے جنگل میں ایک چیونٹی کو دیکھا۔ کہ صدہا دفعہ ایک ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کی۔ پر ہر دفعہ گر پڑی۔ آخر کار اپنی مستقل ہمت کی بدولت کامیاب ہوئی اسی چیونٹی سے تیمور نے استقلال کا سبق لیا۔ اور کئی شکستیں کھانے کے بعد آخر فتحمند ہوگیا ٭ پس اے بہادرو! زمانے کے ہیر پھیر سے کم ظرفوں کی طرح نہ گھبراؤ۔ اور اپنے ارادے پر مستقل اور ثابت قدم رہو۔ کہ شجاعت اور مردانگی کا یہی مقتضا ہے۔ اور کامیابی کے قفل کی یہی کلید ہے ٭

شرافت

شرف[۱] انسانی۔ نسبی[۲] شرافت۔ حسبی[۳] شرافت۔ نتیجہ[۴] ٭

(۱) کل حیوانوں پر انسان کو ادراک اور نطق کے سبب قدرتی شرف حاصل ہے۔ ذرا اور آگے چلو۔ اس کو آپس میں ایک دوسرے پر کیوں فضیلت ہے۔ دانشمندی یا اچھے ہنر یا پیشے کی بدولت۔ بڑے

شرف انسانی

منصب یا عالی مدارج کے باعث - زیادہ دولت کے سبب - پارسائی و
صداقت - حسن اخلاق و لیاقت کے لحاظ سے جو عمدہ تعلیم اور نیک
صحبت کا ثمرہ ہیں - کسی خاص ناموری یا بہادری کی فضیلت جو اس کو
اپنے ہمعصروں پر حاصل ہو - یہ سب شرافتیں ہیں - اور انسان کہلانے
کے لئے ان سے بے بہرہ نہیں رہنا چاہئے - بلکہ شرافت ایسا عمدہ وصف
ہے - کہ اس کے سامنے دولت اور حکومت کچھ قدر نہیں رکھتی - شریف
کو شریف کو دولت کی ضرورت نہیں - مگر دولت کے لئے شرافت کی حاجت
ہے - شریف سخت مصیبتوں میں بھی با حوصلہ ہوتا ہے - اور دنیا کی کوئی
لالچ دینے والی چیز اس کے دل کو نہیں لبھا سکتی - اب شرافت دو
قسم پر ہو سکتی ہے - ایک نسبی - دوسری حسبی ؞
(۲) نسبی شرافت وہ ہے - جو کسی کے باپ دادا میں موجود تھی - اور
حسبی وہ ہے - جو خود اس کی ذات میں موجود ہے - تمہارا باپ بڑا
دولتمند ہے - عہدے میں ڈپٹی کلکٹر یا سول جج یا عالم فاضل یا بہادری
میں رستم ثانی یا دانش میں افلاطون - لیکن تم ان اوصاف سے معرا
ہو - تو بتاؤ - یہ شرافت تمہاری معاشرت یا تمہاری ذات کو کہاں تک
مفید ہو سکتی ہے ؟ تمہارا دادا مخیر - راست باز اور نیک خلق وغیرہ
تھا - تمہارا پردادا یا سکڑ دادا ہمہ اوصاف موصوف و ہمہ شرافت شریف

تھا۔ مگر تم ان تعریفوں کے مستحق نہیں ہوئے۔ یعنی وہ اوصاف تمہاری ذات میں نہیں پائے جاتے۔ تو بھلا کیا بزرگوں کے نام کا تمغہ یا سارٹیفکٹ اپنے گلے میں لٹکائے لوگوں کو دکھاتے پھروگے؟ یا ان کی پُرانی ہڈیوں اور بوسیدہ مٹی کے نام پر چاہتے ہو۔ کہ اپنے نام کو روشن کرو۔ یا ان کارناموں پر شیخی کرتے ہو۔ تو اس سے زیادہ اور کیا حماقت ہوگی؟ تم نے پڑھا ہوگا۔ کہ جاٹوں کے لیئق لڑکے عالی مدارج پر پہنچ گئے تھے۔ اور وزیروں کے نالایق بیٹے حقوق سے محروم کئے گئے تھے۔ کنعان خود نابکار تھا تو اس کو اپنے باپ (حضرت نوحؑ) کی شرافت نے کچھ بھی فائدہ نہیں دیا تھا۔ پھر تم کیوں نسبی لیاقت یا شرافت پر بھروسا کئے بیٹھے ہو؟

(۳) پس شرافت و لیاقت وہی کار آمد ہے۔ جو انسان کی اپنی ذات میں موجود ہو۔ کوشش کرو۔ کہ تم اپنے بزرگوں سے بڑھ کر کارنامیاں کر دکھلاؤ۔ کیوں؟ کسی کے بڑے بوڑھے ہمیشہ زندہ نہیں رہتے اور نہ ہمیشہ ضروریات زندگی کے پورا کرنے کے لئے کفیل ہو سکتے ہیں۔ خانہ داری کے دھندے ہر ایک کے سر پر دھرے ہیں۔ جو ذاتی لیاقت سے بخوبی سرانجام ہوتے ہیں۔ پس جو اس امتحان میں بزدلی و تن آسانی کے باعث پورے نہیں نکلتے۔ یعنی خانہ داری کے بوجھ

پھینک اور دنیا کے تعلق چھوڑ فقیر ہو جاتے ہیں۔ سمجھ لو کہ ان میں جبھی شرافت کا مادہ نہیں ہے۔ یہ بخوبی یاد رکھو۔ کہ انسان اپنے قول اور فعل کا آپ جواب دہ ہے۔ اس لئے تم سعادت مند بن کر اپنے نام کو ایسا روشن کرو۔ کہ تمہارے نام سے تمہارے بزرگوں کی مردہ مٹی میں جان آ جائیگی۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم ہمیشہ اس مردہ مٹی کے نام سے پہچانے جاؤ۔ سنو! اگر تمہارے بدن سے چٹکی لی جائے۔ تو درد کس کو ہوگا تم کو یا تمہارے باپ کو؟ سردی تم کو لگے۔ تو گرم کپڑے پہننے یا آگ تاپنے کی ضرورت تمہیں کو ہوگی۔ دھوپ کھاؤگے۔ تو سائے کی تلاش تمہیں کو ہوگی۔ بھوک کے وقت کھانا۔ پیاس کے وقت پینا۔ نیند کے وقت سونا تمہارے بزرگ اپنے لئے کرتے تھے۔ اور تم اپنے لئے۔ اور یہ حاجتیں جداگانہ ہر ایک کو لازمی ہیں۔ یہ نہیں۔ کہ بھوک تو تم اپنی رفع کرو یا کوئی اور کرے۔ اور ساتھ ہی تمہارے بزرگ بھی شکم سیر ہو جائیں غرض اسی طرح ان کی ناموری اور عزت ان کے لئے مفید۔ یا انہیں تک محدود سمجھو۔ اور اپنے لئے عزت اور نام کے واسطے نئی تدبیریں سوچو اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ یہ آئین قدرتی ہے۔ انسانی گھڑت نہیں۔ مثلاً کبوتر اپنے بچوں کو اُس وقت تک اپنی چونچ سے دانا بھراتا ہے۔ جبتک وہ اُٹھا نہیں سکتے۔ اور جب وہ خود چُگنے کے لائق ہو جاتے ہیں۔ تو

پر مار مار کر دور کر دیتا ہے۔ کہ جاؤ آپ چگو۔ اپنے لئے آپ رزق تلاش کرو۔
سنو۔ جوانی میں اگر بیکار بیٹھوگے۔ یا گھر کے بڑے بوڑھوں کو تکلیف دوگے۔
یا بزرگوں کی شرافت کو ہنڈوی یا نوٹ سمجھ کر بیچ یا رہن کرتے پھروگے۔
تو بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ نیز بعض شخصوں کا یہ خیال بالکل غلط
ہے۔ کہ بزرگوں کے برابر ہم میں ہمت و حوصلہ نہیں ہے۔ یا ان کا زمانہ
اچھا تھا۔ اگر پست ہمتی کے خیال کو چھوڑ کر مردانگی سے دیکھو۔ تو ایسا
کوئی کام نہیں ہے۔ کہ تمہارے بزرگ تو کر سکتے تھے۔ اور وہ اب تم سے
نہ ہو سکے۔ دیکھو۔ صرف تم ہی زمانے کے شاکی نہیں ہوئے۔ بلکہ زمانہ
کی شکایت تو ہر زمانے میں ہوتی آئی ہے۔ واضح ہو کہ جو لڑکا باپ
سے کم ہمت ہو۔ وہ کپوت۔ اور جو اس کے برابر ہو۔ وہ پوت اور جو
سے بڑھ کر ہو۔ وہ سپوت کہلاتا آیا اور کہلاتا ہے اور کہلائیگا ۔

(۴) پس اے عزیزو! ہمیں امید ہے کہ تم سپوت ہونے کے لیے
کوشش کروگے۔ اور اپنی شرافت اور ناموری سے نہ صرف اپنے خاندان
کو۔ بلکہ قوم و ملک کو ممتاز کروگے۔ اور اپنے وجود کو ملک اور قوم کے حق
میں مفید ثابت کرکے زندگی کی اصل غرض کو پورا کروگے۔ تو اس سے
ایک یہ بڑا فائدہ ہوگا۔ کہ تم تو نیکنام ہو جاؤگے۔ اور اپنے پیچھے موجودہ
اور آئندہ اُمت کے واسطے اپنی عمدہ نظیر چھوڑ جاؤگے۔ جس سے آئندہ

نسلیں تمہیں ادب و عزت سے یاد کرینگی۔ دراصل یہی نیک زندگی کا اعلےٰ مشن ہونا چاہئے +

راست گوئی

سچ بولنا ایک ایسا وصف ہے۔جس کا ہونا ہر ایک انسان میں ضروری ہے۔ اور خصوصاً ملک ہند میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔کیوں؟ اب جو زیادہ جھوٹا۔ دغاباز۔ باتونی۔ مقدمہ باز۔ شریر۔ مطلب پرست۔ زمانہ ساز اور گواہی پیشہ ہو۔اس کو عموماً اس قماش کے لوگ سیانا سمجھتے ہیں۔ اور راست بازوں کو جن کی تعداد بہت کم ہے۔ زمانے کی رفتار سے ناواقف یا سادہ لوح خیال کرتے ہیں +

غضب یہ ہے۔کہ۔جھوٹے آدمی کو فتنہ پردازی یا دروغ گوئی سے ذرا بھی خوف یا شرم نہیں آتی۔گو وہ اپنے جی میں جانتا ہوگا۔ جو کچھ کہتا ہوں۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ حلف دروغی تو ان لوگوں کا پیشہ ہوگیا ہے۔ بات بات میں قسم ہے۔گویا قسم کو تکیہ کلام بنا رکھا ہے۔ عدالت میں بغیر ضرورت کے قسم کھانے کو مستعد رہتے ہیں۔دکاندار جو جھوٹ بول کر زیادہ پیسے کماتا ہے۔ منشی جو فریب دے کر رشوت کھاتا ہے۔ وہ بڑا ہشیار اور کماؤ سمجھا جاتا ہے ملازم جو علاوہ تنخواہ

کے ناجائز وسائل سے روپیہ جمع کرتا ہے۔ یا جو مطلب کی بات نہ بتلانے کی غرض سے دوسرے پیرائے سے مخاطب کو ٹال دیتا ہے۔ وہ اس امر کو داخل گناہ نہیں سمجھتا ؞

(۱) سچی بات چونکہ کڑوی ہوتی ہے۔ اس لئے مطلب براری کے واسطے جھوٹ بولنا جائز سمجھا گیا ہے۔ جیساکہ بموقع جنگ و جدل ایک بادشاہ دوسرے سے عہد شکنی کرکے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ تو عام اس کو سپاہیانہ داؤ خیال کرتے ہیں۔ اور چنداں قصور نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اہل مقدمات دورانِ مقدمہ میں سپاہیانہ پیچ کھیلنے کو عیب نہیں جانتے۔ اسی طرح کسی پر فوجداری جرم قائم ہو۔ تو اس کے بچاؤ کے واسطے بعض کے نزدیک جھوٹ بولنا جائز ہے ؞

(۲) بقول ایک بزرگ کے سچ سے عاقبت سنورتی ہے۔ خدا خوش ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ راست گو ہونا چاہئے۔ کردار بھی سچی ہو۔ اور گفتار بھی سچی۔ دیکھو جو سیدھی راہ چلتا ہے۔ وہ اس شخص کی نسبت جو ٹیڑھی راہ چلتا ہے۔ منزل مقصود پر جلد پہنچتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔ کہ سیدھی راہ چلنے والے کو کبھی نہ دیکھا۔ کہ رستہ بھول گیا ہو۔ پس جب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ تم جو کہتے ہو۔ سچ ہے۔ جو کرتے ہو۔ ٹھیک ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ تمہارا وقر زیادہ نہ ہو۔ لیکن

یہ نہیں۔ کہ اگر بھولے سے کبھی تم نے سچ بھی کہدیا۔ تو پھر اس کا امتحان کرنے لگو کہ لوگ اعتبار کرتے یا نہیں، ؟ بھلا یہ کیا ہے ؟ کہ تم سچ بولو۔ تو دوسرے ابنائے جنس پر احسان رکھو۔ بلکہ ہمیشہ اپنے جی میں مقرر کر لو۔ کہ زبان سچ بولنے کے واسطے بنی ہے۔ اور اس میں خواہ کسی کا نفع ہو۔ یا نقصان تم آزادی سے اپنی راستی پر قائم رہو۔ جب تم سے پوچھا جائے کہ تم کہاں جاتے ہو؟ یا کیا کرتے ہو؟ اگر اُس مقام یا کام بتانے میں اپنا نقصان سمجھو۔ تو جھوٹ موٹ جواب بناکر نہ دو۔ بلکہ یہ کہو۔ جہاں جاتے ہیں یا جو کام کرتے ہیں۔ وہ مقام یا کام ہم نہیں بتا سکتے۔ مخاطب ضد کرے۔ جیسا کہ اس ملک کا دستور ہے۔ تو تم کچھ پروا نہ کرو۔ اپنے قول پر ثابت قدم رہو ۔

(۳) ایک مشکل ہمارے ملک میں اور درپیش ہے۔ کہ ننھے ننھے بچوں کو (کلیہ قاعدہ تو نہیں۔ مگر اکثر یہ ہے) مائیں دودھ کے ساتھ جھوٹ پلاتی ہیں۔ سوتے کو جگاتی ہیں۔ تو جھوٹ بول کر۔ روتے کو خاموش کراتی ہیں۔ تو جھوٹا خوف دے کر۔ جھوٹ بول کر خوش کرتی ہیں۔ جھوٹے وعدے کرتی ہیں۔ تو گویا جھوٹ ان کی سرشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ بڑے ہو کر وہ سچ اور جھوٹ کا امتیاز کرنا نہیں جانتے۔ گو تعلیم مروجہ ان کو کسی قدر راہ راست پر لاتی ہے۔ مگر کیا فائدہ ؟ جب ہر طرف سے وہ جھوٹوں

میں گھرے رہتے ہیں۔ جیسے وہ آپ جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ ویسے ہی اَوروں کی بات کو خیال کرتے ہیں۔ کیوں ؟ انسان اپنے نفس پر قیاس کیا کرتا ہے جھوٹا سب کو جھوٹا۔ اَور سچا سب کو سچا سمجھتا ہے۔ مگر اسی امر میں بھی سچے کو جھوٹے لوگ بہت سے دھوکے دے جاتے ہیں۔ اور نیز جیسے رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا۔ یا گلہ کرنے والا اور گلہ سُننے والا بُرے آدمی ہیں۔ اسی طرح جھوٹ بولنے والا اور جھوٹ سننے والا دونو یکساں ہیں۔ اے عزیزو! جو بات کہو۔ کرکے دکھاؤ۔ بہتر ہو۔ کر بن کے کے عام فائدے کے کام کرو۔ کسی سے بحث کرتے وقت اپنی غلطی کا اقرار کر لو۔ اور صاف کہدو کہ میں خطا پر ہوں۔ اور آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ کیوں ؟ بہادر وہی ہے۔ جو اپنے مُنہ سے اپنے قصور کا اقرار سچائی سے کرتا ہے + جھوٹ بولنے کی برائیوں کو واضح طور پر پھر کہتا ہوں۔ کہ جھوٹ کے برابر اور کوئی خراب وصف نہیں ہے۔ کیوں ؟ جھوٹا لوگوں میں غیر معتبر ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے دل میں ہمیشہ شرمندہ رہتا ہے۔ اس کی بات پانی کی لکیر سمجھی جاتی ہے۔ خواہ افسر ہی ہو۔ تو بھی عام کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ جھوٹا جب جھوٹ بولتا ہے۔ تو اس کے سچ بنانے کے واسطے اُسے ایک مسلسل تار جھوٹی باتوں کا باندھنا پڑتا ہے۔ مگر پھر بھی جھوٹے پر خدا کی مار ہوتی ہے وہ دنیا میں ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جھوٹ کل گناہوں

اور خرابیوں کی جڑ ہے - اس کو بڑی جواں مردی اور کوشش سے اکھاڑنا چاہئے - نہیں تو تم جانو- آخر نتیجہ اس کا بہت خراب نکلیگا اے عزیزو! جھوٹے کی صحبت کا اثر بہت بُرا ہوتا ہے - اس سے بچنا چاہئے- سنو وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے - جس کے پاس راست بازی کی دولت ہو- تم اس دولت کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کرو- کیوں ؟ ظاہری دولت اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی +

اتفاق

اس لفظ سے ہر ایک واقف ہے - اور معنی کے لحاظ سے سب اس کو کارآمد اور باوقر سمجھتے ہیں- نظام عالم کو بغور دیکھتے ہیں- تو اس کی بڑی ضرورت پاتے ہیں- آدمی کو مدنی الطبع ہونا خود اس امر کا کافی ثبوت ہے - وہ گاؤں- قصبوں اور شہروں میں جمع ہو ہوکے رہتا ہے - اور ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے- قانون شاہی جن کو قانون قدرت سے مطابق کرنے میں انسانی طاقت خرچ کی جاتی ہے- ہمیں بآواز بلند بتا رہے ہیں- کہ باہم اتفاق سے رہو ورنہ تکلیف اُٹھاؤگے + کوتے شہد کی مکھیاں اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) اتفاق سے رہتے ہیں- اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں- تو پس شرم کی بات ہے- کہ ہم انسان ہو کر آپس میں عداوت

رکھیں۔ چونکہ انسان کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا آپس میں مل بیٹھنا اور ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا۔ رنج و راحت میں شریک ہونا ضرور ہے۔ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو۔ جس میں ستارے۔ سیارے۔ اقمار دُم دار اور پروین باتفاق ہماری طرف تک رہے ہیں۔ یہ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا چمن کے پھول ہیں۔ یا آسمان ایک ایوان شاہی ہے جس میں یہ قندیلوں کی بجائے لٹک رہے ہیں۔ یا جواہرات کے گچھے ہیں۔ کہ جگمگا رہے ہیں۔ ہم کو ان سے روشنی پہنچتی ہے۔ اندھیری رات ہو۔ اور مطلع صاف ہو۔ تو ہمیں سفر میں رہنمائی کرتے ہیں۔ وقت کا اندازہ بناتے ہیں۔ عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ بعض نے سعادت و نحوست کا مدار ان کی گردش پر سمجھ رکھا ہے۔ مکھیاں جو زہریلی ننھی ننھی جان ہیں۔ باہمی اتفاق سے شہد پیدا کرتی ہیں۔ اگر آدمیوں کا اتفاق ہو تو خدا جانے کیسے کیسے عمدہ نتیجے پیدا ہوں +

نباتات جو یکجا اُگی ہو۔ یا باقاعدہ مختلف گل و ثمر کسی باغ میں لگے ہوں۔ کیسے دلربا معلوم ہوتے ہیں۔ اسی پر قیاس کرو۔ کہ منشاءِ قدرت کیا ہے۔ کہ مختلف اقوام و مذہب کے لوگ گھروں۔ گاؤں۔ شہروں اور ملکوں میں متفق ہوکر رہیں۔ اور نیز انسان کا وجود خود اجتماع ضدین سے بنا ہے۔ یعنی عناصر سے جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اس سے

بھی پایا جاتا ہے۔کہ ہمارا باہمی اتفاق سے رہنا آئین فطرت کے موافق ہے۔ چھوٹے چھوٹے متفق ہو جائیں۔ تو بڑے بڑے کام کر دکھائیں۔ جیسے دو اکائی گیارہ ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی دو آدمی بھی متفق ہو جائیں۔ تو پہاڑ کو گرا دیں۔ دریا کی روانی روک لیں۔ ایک کمزور تنکے کو ہم بآسانی توڑ مروڑ سکتے ہیں۔ لیکن تنکوں کا ایک بڑا مٹھا ہو۔ تو اسے مشکل سے توڑ سکینگے۔ یعنی اُن میں طاقت پیدا ہو جائیگی۔ تنکوں کے مٹھے کو اکٹھا باندھیں۔ تو ان سے بھی عملی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ جھاڑو بن جائیگی۔ جس سے مکان صاف کیا جاتا ہے۔ لیکن متفرق تنکے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ انسان کو اتفاق پیدا کرنے میں کیوں بہت سے فائدہ حاصل نہ ہونگے؟ اتفاق کی بدولت انسان ہر ایک کام میں ترقی کر سکتا ہے۔ عام لوگوں کے ساتھ نیکی کر سکتا ہے۔ اپنی قوم و ملک کو مخالفوں کے حملے سے بچا سکتا ہے۔ دیکھو۔ ہندوستان میں اس کی کس قدر ضرورت ہے؟ کیوں؟ یہ ہر ایک حملہ آور کے سامنے آپس کی پھوٹ کے باعث دست بستہ غلام بن جاتا ہے۔ دولت و عزت برباد کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ ہر ایک کے خیالات یکساں نہیں ہیں۔ جہالت کے باعث ایک دوسرے سے تعصب رکھتے ہیں۔ اپنی نادانی سے وطنی بھائیوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اتفاق کس

ح ہو۔ خانہ بدوش قومیں جیسے سانسی۔ پکھی دارسے۔ بھیڑ گھٹ۔ بازی گر
غیرہ اور رذیل قومیں جیسے دھوبی۔ چمار۔ جھیور وغیرہ اس بات میں ہم سے
ھی ہیں ؟ کیوں ؟ ان میں اتفاق ہے۔ وہ سرکاری عدالتوں میں نہیں
تے۔ اپنے مقدمے اپنی برادریوں میں فیصل کرتے ہیں۔ مصنف کتاب ہذا کی
اری نے منظور کر لیا ہے کہ خاص قسم کے اندرونی مقدمات برادری
ں پیش ہوا کریں۔ دیکھئے اب تعمیل ہوتی ہے کہ نہیں۔ ہم ذرا ذرا سے
املے میں سرکاری عدالتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے
، برخلاف کوشش کرتے ہیں۔ ہم جانتے بھی ہیں۔ کہ پھوٹ ایسی بلا ہے
اں اس کا سبز قدم آیا۔ خوشی سے غمی اور آبادی سے ویرانی ہو جاتی
ہے۔ یہ گھروں۔ خاندانوں۔ شہروں اور ملکوں کو وبائی امراض کی مانند برباد
دیتی ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ پھر بھی باز نہیں آتے۔ ماسوا اس کے نفاق
باعث باہمی حسد۔ خود غرضی اور زر۔ زن اور زمین کے ناجائز تعلقات بھی
ہیں۔ ان کے واسطے انسان ناکردنی کام کرتا ہے۔ راستی اور ایمان سے پھر جاتا
ہے۔ بدنام ہوتا ہے۔ لڑتا ہے۔ جھگڑتا ہے۔ سزا پاتا ہے اور کٹ مرتا ہے۔
ین بھی اپنی اولاد کے ہاتھ سے تنگ آ جاتے ہیں۔ حقیقی بھائی ہوں
ان کی نیچرتی محبت میں خلل آ جاتا ہے۔ اگرچہ ملکر رہتے ہوں خرچی
زرگی کا لحاظ بھی کرتے ہوں۔۔ اور اپنی ہستی کو یکی سمجھتے ہوں۔ پھر

بھی یہ تینوں ایسے برہم زن ہیں۔ کہ انہیں اس طرح جُدا کر دیتے ہیں۔
کہ گویا وہ بھائی ہی نہیں ہیں۔ ایک ماں باپ سے پیدا ہی نہیں ہوئے۔
خالص دوست بھی ہوں۔ تو انہیں ایسا بگاڑتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے
خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ عقلمند تو سمجھتے ہیں۔ کہ ان رذائل کی
ناجائز محبّت کبیرہ گناہوں میں پھنساتی ہے۔ اس لئے وہ ان سے پہلو
بچائے رہتے ہیں۔ جبھی تو ہر وقت خوش و خرّم نظر آتے ہیں۔ اور زندگی
کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ وہ دوستی اور دشمنی دونو سے الگ تھلگ رہتے
ہیں۔ بعض حضرات بہتان پردازی اور چغل خوری سے اوروں کی محبت
میں رخنہ ڈال دیتے ہیں۔ ایسے نابکار قوم کے دشمن سخت ملامت کے
مستحق ہیں۔ لیکن دور اندیش ایسے اخوان الشیاطین کی صحبت سے بچے
رہتے ہیں۔ اور انجان لوگ ان کی ابلہ فریبی میں آکر اپنا آرام۔ مال اور
عزّت برباد کر لیتے ہیں ۔

اگرچہ پھوٹ یا نفاق ہمارے ملک کا مشہور میوہ ہے۔ مگر جب اس
کے درخت جہالت کی جڑیں اُکھاڑ کر کھاری سمندر میں ڈالی جائینگی۔ تو پھر
خود ہی مفقود ہو جائیگا۔ لیکن یہ درخت علم کے پھاوڑے سے اُکھاڑا
جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا وجود بہر صورت زیان رساں ہے۔ اور نیز یاد
رکھو۔ کہ نفاق امن کا دشمن اور افلاس کا باعث ہے۔ دیکھو! صاحبان

انگریز نے اتفاق کی طفیل کس قدر دولت۔عزّت۔حکومت حاصل کی ہے۔کہ ساری دنیا ان کا لوہا مانتی ہے۔اور ہم نفاق کے بدلے اپنا ملک۔دولت اور حکومت سب کچھ کھو بیٹھے۔اور کھو رہے ہیں۔کیونکہ عموماً ہر جگہ یہ بربادی بخش صفت موجود ہے۔اور اس کے سوا تعصب مذہبی کا ستیاناسی دورہ ابھی بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہے۔خدا کرے ہمارے پیارے ہندوستان کو اس موذی کے ہاتھ سے جلد نجات ملے۔تاکہ ہم سب ہر ایک ملّت کے آدمی آپس میں اس طرح مل جائیں۔کہ گویا ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے۔کہ تعصب مذہبی کی آگ مشتعل کرنے والے جاہل اور کمینہ خصلت اشخاص ہوتے ہیں۔جو نالائق پیشواؤں کی ترغیب سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔شرفا بیچارے ناحق آٹے کے ساتھ گھُن کی طرح پس جاتے ہیں + اے بھائیو! آؤ ہم تم شیر و شکر ہو جائیں۔امن سے رہیں۔غیر ممالک کے باشندوں کو اپنی جہالت اور کوتاہ اندیشی پر ہنسنے کا موقع نہ دیں +

غرض اتفاق کی تعریف جس قدر کی جائے۔مناسب ہے۔کیوں؟ جن چیزوں یا کاموں کو انسان نے ناممکن سمجھا تھا۔اتفاق نے ڈنکے کی چوٹ سے کہدیا۔کہ ہم وہ کام بآسانی کر سکتے ہیں۔چہ جائیکہ ممکنات اٹکے رہیں +

پس اے ناظرین! تم بلا امتیاز ذات - مذہب - قوم یا فرقے کے ایک دوسرے کی امداد میں متفق ہو جاؤ! لیکن یاد رکھو - کہ ہمیشہ نیک کام پر اتفاق کرو! اس کے طفیل تمہیں دولت و اقبال نصیب ہوگا - اور بڑے مزے سے زندگی بسر ہوگی +

اصلی نیکی کیا ہے

انسان[۱] کی ہستی کیا ہے؟ تم[۲] کون سی باتوں کو نیکیاں سمجھتے ہو؟ اصلی[۳] نیکی یہ ہے - تم بھی چاہو - تو کر سکتے ہو +

(۱) اس بات کا تو دل سے اقرار کرتے ہو - کہ انسان کی زندگی ناپائدار چیز ہے - جس کو پانی کے بلبلے سے تشبیہ دی گئی ہے - اور بعض نے اس کو خواب و خیال سے مشابہ کیا ہے - اور ماں - باپ - بھائی - بہن - جورو - خصم - دوست - آشنا - آقا اور خدمتگار یہ سب رشتے و تعلق بھی ایسے ہیں - جیسے خود انسان کی زندگی - یا یوں کہو - کہ یہ سب مسافر ایک ناؤ پر جس کو زندگی کہنا چاہئے - سوار ہیں - اور دنیا ایک دریا ہے - اس سے گزر رہے ہیں - جس طرح مسافروں میں قطع تعلق ناؤ سے اترنے کے بعد ہو جاتا ہے - اسی طرح ان میں بھی ہو جاتا ہے - یا دنیا ایک سرائے ہے - ابتدا سے اب تک کروڑوں مسافر آئے - اور چلے گئے - انہیں تاروں کی چھاؤں

انسان کی زندگی

تلے ہم سے لاکھوں بہتر پھر ہو گئے۔ اور سورج کی روشنی اور گرمی اور چاند کی چاندنی اور ٹھنڈک کا لطف اُٹھا گئے۔ اسی طرح شاہ سے گدا تک کے حال پر قیاس کر لو۔ اب تم آئندہ بھی ہمیشہ ایسا ہوتے رہنے کی دلیل آسانی سے قائم کرسکتے ہو۔ اور نیز دنیا کی سب چیزیں کیا منقولہ کیا غیر منقولہ محل فنا میں ہیں۔ ماسوائے اس کے انسان جوان کی طلب میں کھپ کھپ کے مرجاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی موت کے بعد اس کے کار آمد نہیں۔ لیکن اس چند روزہ زندگی کا لطف کون اُٹھا لے گیا؟ جس نے اپنے خالق کی فرمانبرداری کے ساتھ بنی نوع انسان سے نیکی کی۔ اور قوم کی بھلائی میں فنا فی القوم ہو گیا۔

(۲) تم اس انوکھی نیکی کو اب تک نہیں سمجھے ہوگے۔ کیوں؟ تم جانتے ہو کہ مسجدیں۔ مندر۔ معبد۔ سرائیں۔ کوئیں اور پُل بنوانا نیکی میں داخل ہے یا خیرات دینا۔ دان پُن کرنا نیکی ہے۔ بھوکے کو کھلانا نیکی ہے ننگے کی تن پوشی نیکی ہے وغیرہ۔ ہم کو بھی ان نیکیوں سے چنداں انکار نہیں مگر جس نیکی کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ وہ ان سے بدرجہا بہتر ہے۔ بھلا تم ہی قیاس کرو۔ کہ ہم جو روپیہ مندر یا معبد پر خرچ کرینگے۔ تو کیا یہ نیکی پائدار ہے؟ ہرگز نہیں۔ اول تو پہلے ہی اس قسم کے لاکھوں مکان موجود ہیں۔ جن میں سے بعض تو پاکھنڈیوں۔ مُشٹنڈوں اور لُچّوں

کا اکھاڑہ بنے ہوئے ہیں۔ اور بعض کو بدمعاشی اور ناخداپرستی کا منبع
کہ سکتے ہیں۔ اور بہتیرے کروڑوں کی لاگت سے اُجڑے پڑے ہیں۔ چمگادڑوں
اور اُلوؤں کے لئے وقف ہوگئے ہیں۔ موذی اور درندے جانوروں کے
سٹیشن ہیں۔ کُتے موتتے ہیں۔ دیکھنے سے بھیانک معلوم ہوتے ہیں۔
اور صدہا بے نشان و نابود ہوگئے ہیں۔ اسی طرح باقی مفید عام عمارتوں
پر خیال کرلو۔ جیسے کوئی اپنے بقائے نام کے لئے نرینہ اولاد کی خواہش
کرتا ہے۔ ویسی ہی یہ عارضی ناموری ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ شاید وہ یا
اس کی آیندہ اولاد لاولد مر جائے۔ اور پھر پیچھے کوئی نام لیوا باقی نہ
رہے۔ اور اگر رہے بھی۔ تو اس سے مردے کی روح کو کیا فائدہ؟ کسی کو
پرانی ہڈیوں کے اکھیڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کون پوچھتا ہے۔ کہ تمہارے
باپ دادا۔ پردادا وغیرہ کا کیا نام ہے۔ اپنے پر ہی آزماؤ۔ کہ تم ہر ایک
سے پوچھتے پھرتے ہو؟ یا تم سے ہر ایک پوچھتا ہے؟ عمارتیں مفید
عام بنوائیں۔ اس سے بھی اصل غرض ناموری ہے۔ جو نیکی سے کم
درجے پر ہے۔ اور یہ بھی چند روزہ ہے۔ دائمی نہیں۔ ایک بھوکے
کو کھانا کھلا دیا۔ ننگے کو کپڑا پہنا دیا۔ تو کیا وہ عمر بھر کے واسطے
مستغنی ہو جائیگا؟ بالکل نہیں۔ بلکہ دو تین پہر گزرنے کے بعد پھر
وہی بھوکے کا بھوکا۔ اور مہینا دو مہینے کے بعد کپڑا پھٹ جانے

ہے پھر وہی ننگے کا ننگا ہو جائیگا۔ گو یہ نیکی ہے۔ مگر اعلےٰ درجے کی نیکی نہیں ہے۔ کیونکہ محدود اور ناپائدار ہے۔ جو دان پُن سرگروہان مذہب کو دیا جاتا ہے۔ وہ تو کسی نیکی میں داخل ہی نہیں کیوں؟ وہ اپنا حق الخدمت لیتے ہیں۔ یا ہم ان سے واہ وا خوشامد و آفرین سُننے کے لئے دیتے ہیں یا بخوف برادری مجبوراً رسم پرستی کرتے ہیں۔ اگر یہ کہو کہ خدا کی بندگی کرنا یا اس کی توحید و الوہیت کا اقرار کرنا یا ہر ایک سے عجز و نیاز کے ساتھ پیش آنا نیکی ہے۔ بیشک نیکی ہے۔ اور ہر آدمی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ادنےٰ تامل سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ ایسا کرنا ہمارا فرض ہے۔ کوئی احسان نہیں۔ اور اس کا فائدہ ایسا محدود ہے۔ کہ نیکی کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے۔ اوروں کو اس سے کیا مطلب؟ اگر دنیا چھوڑ فقیر ہو جانا یا گوشۂ تنہائی اختیار کرنا یا خاموشی سے مرنجان و مرنج ہو کر بیٹھ رہنا نیکی ہے۔ فرض کیا کہ یہ نیکی ہے۔ تو بھی غیروں کو اس سے کیا واسطہ؟

(۳) ٹھہرو! میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کہ اصلی نیکی کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ نیکی انسان کی ذات پہ کی جائے۔ اور وہ ملک و قوم کو بلا تفریق مذہب فائدہ پہنچاتا ہے۔ جس میں خود اس ریفارمر کی بہتری بھی شامل ہے۔ سنو! جو ملک اور قوم کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور سچے دل سے ان کو

فائدہ پہنچاتے ہیں۔ان کی آزادی میں کوشش کرتے ہیں۔ان کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ان کو افلاس سے بچاتے ہیں۔ اور باہمی مخاصمتوں کو دور کرتے ہیں۔ اور ان کو اکتساب علم و ہنر کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور عامہ حفظ صحت میں صدق دل سے سرگرم رہتے ہیں۔ اور عام کے جی میں راستی کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ علے ہذا القیاس ایسے نیک مرد سچے ریفارمر ہیں۔ اور بلاشبہ وہ عارضی اور اصلی نیکی کی ماہیت سے پورے واقف ہیں۔ اور ہم انہیں کو نیک مرد سمجھتے ہیں :۔

جیسے ان دنوں بعض محب پیدا ہو گئے ہیں۔ جو دن رات اسی فکر میں لگے ہیں۔ اگرچہ اکثر جاہل یا متعصب ان کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان کی بدنامی اور خرابی میں کوشش کرتے ہیں۔ تو بھی وہ نیک مرد اپنے ارادے پر مستقل ہیں۔ وہ برا کہنے یا کرنے والوں سے انتقام لینا جائز نہیں سمجھتے۔ اور نہ ان کی مذمت سے دل برداشتہ ہوتے ہیں۔ اگر گذشتہ واقعات تواریخی سے باخبر ہو۔ تو ڈاکٹر بالٹن و ہملٹن کی بہادریاں تمثیلاً یاد رکھو۔ کہ انہوں نے اپنی قوم کو کس قدر فائدہ پہنچایا۔ شاہجہاں اور فرخ سیر سے خدمات نمایاں کے عوض میں انہوں نے کیا مانگا؟ روپیہ ہاتھی۔ گھوڑا۔ یا اپنی ذات کے لئے کوئی ملک یا حکومت؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنی قوم کے لئے آزادانہ تجارت اور اپنے ملک کے تجارتی مال پر

سے محصول کی معافی اور بیٹھنے کو جگہ اور مال کی حفاظت کے لئے چند اپنے ہی پہرہ دار رکھنے کی اجازت حاصل کی۔ خیال کرو۔ نہ وہ خیر مجسم انگریزی قوم میں پیدا ہوتے۔ اور نہ انگریز ہندوستان کے شہنشاہ بنتے۔ کلمبس نے کیا کیا ؟ کہ اپنی جان خطرے میں ڈالی۔ لیکن برّ اعظم یورپ کے واسطے ایک نئی دنیا دریافت کرکے دے گیا۔ ڈاکٹر لونگسٹن نے سالہا سال افریقہ کے صحرائے اعظم کی ریگ چھانی اور اسی تگ و پو میں کہیں تین روز پانی جھاگتے ہوئے جان دیدی۔ ۱۸۹۵ء میں نینسن صاحب قطب شمالی کی تحقیقات کو آیا اپنی نابودی کے سوا قوم کو نفع عظیم ملکا۔ ایسے کتنے ہی نیک مرد ہو گزرے ہیں۔ جن کا نام صفحۂ ہستی پر ہمیشہ بڑی عزت سے لیا جائیگا۔

(۴) تم اگر یہ خیال کرو۔ کہ بھلا ہم کس گنتی میں ہیں۔ ہم کونسا کام اصلی نیکی کا کر سکتے ہیں۔ تو یہ تمہارا خیال ٹھیک نہیں۔ ٹیٹری ٹانگیں آسمان کی طرف کرکے سوتی ہے۔ کہ اگر گر پڑے۔ تو ان پہ ٹکا رکھوں اس کے خیال میں، آسمان کوئی مجسّم چیز ہے۔ خواہ یہ اس کی نیچری عادت ہے۔ لیکن اگر سچ ہے۔ تو اس کے بہادرانہ خیال کو دیکھو۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کو ایک سوت کی انٹی پر خریدنے کے لئے جو بڑھیا تیار ہوئی تھی اُس کے مردانہ حوصلے کو خیال کرو۔ اس نے خریدا یا نہ خریدا۔ اس سے

میں کچھ مطلب نہیں۔ بلکہ اصل غرض یہ ہے۔ کہ ایسی تمثیلوں سے تم میں حوصلہ پیدا ہو۔ کیونکہ تم بھی نئی امت کے ممبر ہو۔ کرنا چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو ٭

بروں سے کیسا سلوک کرنا چاہئے

خوبی[1] و زشتی کا بیان۔ فطرتی[2] عادتیں نہیں بدلتیں۔ آخری[3] بحث پر فیصلہ ٭

(۱) دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں۔ جس پر لفظ خوبی یا زشتی نیک یا بد کا اطلاق نہ کیا جائے۔ مثلاً جمادات کی خوبی و زشتی ان کی تاثیرات کے لحاظ سے یا سختی و نرمی۔ کار آمد و غیر کار آمد یا مرغوب و غیر مرغوب ہونے کی وجہ سے خیال کی جاتی ہے۔ اسی طرح یا کسی قدر خیالات کے تغیر سے نباتات کی نسبت تصور کر لو۔ اور حیوانات پر بھی عموماً ایسا ہی قیاس جما لو اور اسی طرح حضرت انسان کو بھی لے لو۔ اس کی نسبت یہ لفظ شکل و شباہت یا ذاتی اوصاف کے باعث بولے جائینگے ٭

(۲) کسی کی سرشتی عادتیں اور قدرتی رنگت ہم نہ تو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مثلاً سانپ۔ بھیڑئیے اور شیر وغیرہ کی قدرتی روش۔ زندگی کی طرز اور ضرر رسانی کا قدرتی مادہ تغیر پذیر نہیں۔ باز کا چڑیوں کو مارنا۔ اور بلی کا چوہے پر اور کتے کا بلی

پر حملہ کرنا۔ اور آگ کا جلانا وغیرہ طبعی عادتیں بدل نہیں سکتیں۔ کالا گورا نہیں بن سکتا۔ اور نہ گورا کالا بن سکتا ہے۔ چاہے ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں۔ پر کامیابی ممکن نہیں۔ ہاں درندوں کو ہم پکڑ کر پنجرے میں بند کر دیں۔ ان کی ڈاہڑیں توڑ ڈالیں۔ ان کے ناخن کتر دیں۔ تو یہ دوسری بات ہے۔ کالے پر کوئی مصنوعی روغن چڑھا دیں۔ اور گورے پر سیاہی مل دیں۔ تو وہ نہ تو قدرتی رنگ ہو سکتا ہے۔ اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔ اسی طرح جو قدرتی بامزہ چیزیں اور خوش ذایقہ ثمر ہیں۔ ہر چند ہم ان سے اچھا سلوک نہ کریں۔ مگر وہ اپنا ذاتی فائدہ دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس برتن میں زہر ہو۔ اس سے زہر ہی ٹپکتا ہے۔ اور جس میں شہد بھرا ہو۔ اس میں سے شہد ہی نکلتا ہے۔ مگر زہر اور شہد بھی قدرتی چیزیں ہیں۔ اور وہ برتن بھی قدرتی چیز سے بنا ہے۔ البتہ ہم بعض قدرتی چیزوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی مرضی کا بنا سکتے ہیں مگر اس کی اصلیت کو نہیں بدل سکتے ÷

(۱۳) چونکہ پیدایش۔ تربیت اور عقل کے تفاوت کے سبب انسان کی طبیعتیں ایک سی نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی حالت کی تبدیلی بھی یکساں نہیں ہو سکتی بعض کو بُرے کاموں کی چیٹک ایسی لگ جاتی ہے۔ کہ پھر نیکی کو سنتے ہی نہیں۔ جہاں کسی فلاسفر نے

نصیحت کرنی چاہی۔ اور یہ وہاں سے کھسکے۔ یا کھڑے رہے تو ایسے سنگدل ہو کر بیٹھے۔ تو ایسے ڈھیٹ بن کر۔ کہ ہزار طرح کہو۔ راستی کی ایک نہ سنینگے۔ لاکھ طرح سمجھاؤ۔ ایک نہ مانینگے۔ اور یہ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر شریفوں پر ٹھٹھے اُڑاتے ہیں۔ اور اپنے بنی نوع کی ایذا دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ اور برادرانہ سلوک چھوڑ کر ہمیشہ نقصان رسانی کا فکر کرتے ہیں۔ ایسے آدمی غریبوں۔ یتیموں۔ بیوہ عورتوں۔ بوڑھوں اور معذوروں پر بھی رحم نہیں کرتے نصیحت۔ ملامت اور بدنی سزا کی بھی پروا نہیں رکھتے۔ اپنی بے غیرتی اور بے حیائی کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔ بیٹے ہیں۔ کہ ماں باپ کے جانی دشمن ہیں۔ ان کی عزت و دولت اور نام و ننگ برباد کر رہے ہیں۔ شاگرد ہیں کہ اُستاد کی پند و نصائح کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔ سکول سے نکلے یا گدھوں کی طرح دُلتیاں چلانے لگے ایسے ہی بدمعاش اور لوگوں کے حق میں شیطان ہیں۔ جو ان کو بھی بدی کی ترغیب دیتے ہیں۔ جس طرح موٹی گھاس یا خراب روئیدگی کھیت کے مزروعہ فصل یا پھل۔ پھول کے پودوں کو بگاڑنے لگتی ہے۔ یا نشو و نما کو روکتی ہے۔ تو اس کو جڑ سے اُکھاڑا جاتا ہے۔ اسی طرح جب بعض شخصوں کا چلن ایسا بگڑ جائے۔ کہ کسی تدبیر سے درست نہ ہو سکے۔ اور بھلے مانسوں کو ان کے پاس سے پگڑی تھام کر

بھی چلنا مشکل ہو۔ تو ان کا ایسا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔ کہ اَوروں کے واسطے عبرت ہو۔ ورنہ اندرونی انتظام و امن میں سخت خلل واقع ہوگا چونکہ لوہا لوہے سے کوٹا جاتا ہے۔ اس لئے بدوں سے بُرا سلوک کرنا بُرا کام نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اور خلق اللہ کے حق میں نیکی کرنا ہے اور جو دیدہ و دانستہ بدوں سے وہ سلوک کرتا ہے۔ جن کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ اس کو بھی ان کی ذیل میں داخل نہ کیا جائے۔ چور کا معاون چور۔ اور جھوٹے کا معاون جھوٹا اور جواری کا مددگار جواری کیوں نہ کہلائے؟ علم اخلاق کی کتابوں میں اس امر کے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی گئی ہیں اور تواریخی کتابوں میں بھی بیشمار تجربے موجود ہیں۔ اور تمہاری اپنی تحقیقات میں بھی اس کے کتنے ہی ثبوت ملینگے۔ کہ بُروں سے اچھا سلوک کرنا اچھوں سے بُرا سلوک کرنا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکال لینا۔ کہ ہم پبلک کو انتقام لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ نہیں جس کو ہم خود نہ پسند کریں۔ اُس کی ترغیب اَوروں کو کیونکر دے سکتے ہیں۔ بلکہ اس امر پر زور سے آمادہ کرتے ہیں۔ کہ حتے المقدور ہر حال میں انصاف کو مد نظر رکھو۔ دل میں کینہ یا رنج کو نہ ٹھیرنے دو۔ اور اس کو بھی عین انصاف سمجھو۔ کہ بد چلن جو صحبت و اخلاق اور پند و نصائح سے سیدھی راہ نہیں چلتے۔

اور جن کے وجود سے نقصان کے سوا اَور کسی قسم کی امید نہیں۔ اور انسانی کوشش ان کی صلاحیت پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ تو ان سے وہ سلوک کرنا چاہئے۔ جس کے وہ لائق ہیں۔ ایسا نہ کریں۔ تو ہم خود ہی نوع انسان کے دشمن ہیں۔ یاد رکھو۔ جیسے بُروں سے نیکی نہیں ہو سکتی۔ ویسے ہی نیکوں سے بُرا کام نہیں ہو سکتا۔ پس ہماری دانست میں بُروں سے بُرا کرنا اس غرض سے کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔ یا ان کے وجود سے پبلک کو ایذا نہ پہنچے۔ داخل نیکی ہے۔ بشرطیکہ ان کی طرف سے ہمارے جی میں کسی قسم کا ذاتی کینہ یا بغض نہ ہو۔ ورنہ ہم انتقام لیتے ہیں اور گنہگار بنتے ہیں ۔

زندگی کا کچھ بھروسا نہیں

موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ مرنا ضروری ہے۔ موت کسی کو پسند نہیں۔ موت بھی فائدہ مند ہے ۔

(۱) انسان اپنے تئیں یوں تو اشرف المخلوقات سمجھے ہوئے ہے۔ لیکن اس کی ہستی کی کچھ بساط نہیں۔ بعض بیچارے اِدھر دنیا میں آئے۔ اُدھر چل بسے۔ بعض نے چند روز ہوا کھائی۔ اور عالم بالا کو سدھارے۔ کتنے ہی جوانی میں جہان چھوڑ گئے۔ اور بعضے زندہ درگوت

یعنی پیدا ہونے سے مرنے تک برابر بیماریوں میں مبتلا اور درد و رنج میں گرفتار
دن رات نالہ اور فریاد۔ اور گریہ و زاری سے کام۔ آخر اس بدحالی میں
ہی عقبیٰ کا رستہ لیتے ہیں۔ ان کے حال زار کو دیکھ رونگٹے کھڑے ہوتے
ہیں۔ کئی ایسے ہیں۔ کہ پیدا ہوئے اور آرام میں پڑے۔ ہر ایک عمر یعنی طفلی
جوانی اور پیری امن و چین سے کٹی۔ کبھی بیماری اور تنگدستی کا نام تک
نہ سنا۔ کئی عمر بھر تہیدستی سے نالاں رہے۔ اور کئی ناز و نعم میں پلے
پوسے۔ اور عیش و عشرت میں دنیا سے سدھارے*

حیرانی ہے۔ تو اس امر کی۔ کہ کیوں ہر ایک کی حالت۔ صورت اور معاشرت
مختلف ہوتی ہے۔ اس موقع پر ایک گروہ آواگون کے ثبوت میں اس
دلیل کو پیش کرتا ہے۔ کہ انسان پچھلے جنم کے اعمال کی جزا یا سزا اگلے جنم
میں لیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ اس کو اپنے خالق کا حسن انتظام کہتا ہے۔
لیکن آخری دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی*

(۲) دنیا میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑھ جائے۔ دولت۔ ثروت۔ حکومت اور
جاہ و حشمت حاصل کر لے۔ لیکن آخر اُس کو مرنا ہے۔ خواہ دولت میں قارون
تکبر میں فرعون۔ ملک گیری میں سکندر۔ دبدبے میں جمشید۔ اقبال میں
فریدون۔ انصاف میں نوشیروان۔ ظلم میں ضحاک۔ سخاوت میں حاتم
طائی۔ کثرت اولاد میں راون۔ خوبصورتی میں یوسفؑ۔ بدصورتی میں لیپلنڈی

حکمت میں لقمان۔ شہ زوری میں رستم۔ روئیں تنی میں اسفند یار۔ قناعت میں فیروز شاہ تغلق۔ ثابت قدمی میں بابر۔ صلح کل میں اکبر۔ عیاشی میں محمد شاہ۔ شورہ پستی میں افغان۔ بہادری میں سکھ۔ وفاداری میں ہندوستانی حکمت میں چینی۔ ظرافت میں ایرانی اور مہمان نوازی میں عرب۔ جنتی پن میں تبتی۔ قبول صورتی میں جارجی۔ اور بد صورتی میں حبشی۔ دانشمندی میں یورپین یا امریکن۔ غرض کچھ ہی ہو۔ اور کوئی ہو۔ موت کی تیز تلوار سے سلامت نہیں رہا۔ اور نہ رہیگا۔ پہاڑ ہو یا ریگستان۔ سمندر ہو یا جزیرہ۔ کہیں اس کے ہاتھ سے رہائی ممکن نہیں۔ جدھر جاؤ۔ یہ موجود ہے۔ ماں باپ کا ایک ہی بیٹا ہو۔ اور وہ بوڑھے بھی ہوں۔ مفلس بھی ہوں۔ معذور بھی ہوں مگر جب وقت آتا ہے۔ تو یہ بے رحم اسے بھی ہڑپ کر لیتی ہے۔ اُن بیچاروں کو تڑپتا اور کانپتا چھوڑ دیتی ہے یہ ایسی سنگدل ہے۔ کہ اس کو مطلق رحم نہیں آتا۔ ولی۔ پیغمبر۔ اوتار۔ بادشاہ۔ گدا۔ امیر۔ غریب۔ حاکم۔ محکوم۔ عورت۔ مرد۔ بوڑھا۔ جوان اور بچہ۔ یہ کسی کی رعایت نہیں کرتی۔ جب وقت آجاتا ہے۔ تو پھر یہ کسی کا لحاظ نہیں رکھتی۔ مقررہ موقع کے بعد ایک دم کی فرصت نہیں دیتی۔ جان کے عوض اگر روپیہ۔ ملک یا دنیا کا اَور سامان لیا جاتا۔ تو شاید وہ لوگ بچے رہتے۔ جو دے سکتے۔ اس صورت میں موت بھی بیچاری

غریبوں کے ہی حصے میں آتی۔ مگر یہ سب ہی زوال کے قابل ہے۔ اس سے جان کا معاوضہ کیونکر ہو سکے ۔

جب یہ ظاہر ہے۔ کہ موت کے پنجے سے کسی کا چھٹکارا نہیں۔ اور اس کا فکر گناہوں سے بچاتا ہے۔ اور آخر کو نیک نام بناتا ہے۔ اور مرگ فراموشوں پر لعنت و پھٹکار ہوتی ہے۔ پس جس کو اپنے بقائے نام نیک کی ضرورت ہے وہ ہر وقت اس کے فکر میں رہے۔ اور سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے ۔

(۳) سو برس کا بوڑھا ہو۔ بیماری سے بھی جاں بلب ہو۔ قبر میں پاؤں لٹکائے ہو۔ یا کوئی اندھا ہو۔ لاٹھی کے سہارے چلتا ہو۔ ساتھ ہی کمزور اس قدر ہو۔ کہ ایک قدم چلنے میں کئی ٹھوکریں کھاتا ہو۔ یا محتاج سے بھی تنگ ہے یا کوئی جزامی ہو۔ یا اور کسی قابل عبرت بیماری میں مبتلا ہو۔ کہ لوگ اس کو اپنے پاس بھی نہ بیٹھنے دیتے ہوں۔ اس حال میں کوئی غمخوار اور ہمدردی کرنے والا بھی نہ ہو۔ غرض ہر قسم کی تنگیاں ہوں۔ پر پھر بھی کسی کا جی مرنے کو نہیں چاہتا۔ چاہتا کیا ہے؟ کہ کچھ اور جیوں۔ یقین نہیں آتا۔ تو کسی ایسے شخص سے پوچھ کر تجربہ کر لو۔ مرنے کا نام سن کر کیسے کلمے سناتا ہے۔ تم کو اور تمہارے عزیزوں کو کسی قدر ناگفتنی کہتا ہے؟ چونکہ سب جانتے ہیں۔ کہ مرنا ضرور

ہے۔ پر آخر دم تک یہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ کسی طرح اس کے ہاتھ سے بچ رہیں۔ مگر اب تک موت کے برخلاف کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اور امید نہیں کہ کبھی ہو۔ لیکن اس کے برخلاف جو کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ موت کسی کو پسند نہیں۔ البتہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض شخص خود کشی کیوں کر لیتے ہیں ؟ سنو خود کشی کرنے والوں کے دل یا دماغ میں خوف۔ غیرت یا غم سے پہلے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو اس کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ پس پاگل کا فعل نظیر کے قابل نہیں ہو سکتا۔

(۴) موت نہ ہوتی۔ تو دنیا میں پاؤں رکھنے کو جگہ نہ ملتی۔ ہمیشہ تندرستی اور فارغ البالی سے رہنا ممکن ہوتا۔ تو لوگ خدا کے وجود کے بھی قائل نہ رہتے۔ اور قیاس نہیں چاہتا۔ کہ صرف پیدایش ہی جاری رہتی۔ تو پھر انسان کمال تکلیف میں کیوں نہ گرفتار ہوتے۔ اس لیئے نظام عالم کے لئے موت کا ہونا بھی لازم تھا۔ البتہ نوجوان مرجائے۔ تو بڑا رنج ہوتا ہے کہ کیوں اس عالم میں مٹا ؟ مگر جب اس امر پر غور کی جائے۔ تو یہ رنج بھی بے سود ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا دار بمنزلہ باغبان ہیں۔ اور ان کے گھر گلزار ہیں۔ ان کے بال بچے وغیرہ اس کے سمن و ریاحین ہیں۔ لیکن باغ کا مالک اور ہی ہے۔ جسے خدا کہتے ہیں۔ جب باغ کا مالک اپنے باغ سے کسی پودے کو اکھیڑ ڈالے۔ تو مالی کچھ عذر نہیں کرسکتا۔ اور اگر

عذر صرف فضول ہی نہیں۔ بلکہ اس میں گونہ گستاخی بھی ہے۔اس واسطے
مُردے پر رنج و افسوس کرنا۔ رونا۔ چلّانا۔ بال نوچنا اور سینہ پیٹنا کفر میں
داخل ہے۔کیوں ؟ ماتم دار اپنی زندگی کو دیر پا سمجھتا ہے۔ حالانکہ ایک
دم کا بھروسہ نہیں۔مصنف کتاب ہذا کی برادری نے رام نگر میں یکم جنوری
کو ایک جنرل جلسہ کرکے مردے پر سینہ کوبی کی بُری رسم کو قطعی بند کردیا
ہے۔ایک حکیم کہتا ہے۔کہ موت صرف قطع تعلق روح کا بدن سے ہے
ورنہ کوئی چیز قابل فنا نہیں۔ ہر چیز ہمیشہ تک اپنے محل میں موجود
رہیگی۔یعنی آگ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی جن سے انسان مرکب ہے۔متفرق ہوکر
اپنے اپنے جنس میں مل جائینگی۔ نابود نہ ہونگی۔ مگر مخالف عنصروں کا
ایک جگہ ہونا ہی ان کی جدائی کی دلیل ہے۔کہ ان کا ملاپ پکّا نہیں۔
کبھی نہ کسی وقت ان میں پھوٹ پڑیگی۔جس برتن میں اتنی مخالف
چیزیں اکٹھی رکھی ہیں۔موت کبھی نہ کبھی اس برتن کو پھوڑ ڈالیگی۔
پس اے عزیزو ہمارے سروں پر ہر وقت رحلت کا نقارہ بج رہا ہے۔
ہمیں اس لئے بخوشی تیار رہنا چاہئے۔کیونکہ ہم کو اس سڑک پر ضرور چلنا
ہوگا۔خواہ بخوشی تیار ہوں یا نہ ہوں۔موت کا شربت جو ہمارے بزرگوں
نے پیا تھا۔ضرور ہم بھی پئینگے۔اور اُن کو بھی پینا پڑیگا۔جو ہمارے
بعد آئینگے۔خواہ وہ خواہش کریں یا نہ کریں۔باوصف اس کے معلوم نہیں

کہ ہم کیوں فرعونی دماغ رکھتے ہیں۔ اور ناکردنی کام کرتے ہیں۔ اے خدا! ہمیں نیک ہدایت کر۔ اور تسلّی دے!

ہماری موجودہ حالت

(۱) سلطنت کی طرف سے ہمیں ہر طرح امن حاصل ہے۔ داد خواہی اور اپیل کے لئے عدالتیں کھلی ہیں۔ جن میں ادنےٰ اور اعلےٰ کی شنوائی بلا رو و رعایت ہو جاتی ہے۔ ہماری روحانی ترقی کے لئے مدارس کھلے ہیں۔ اور جسمانی حفاظت کے لئے شفا خانے۔ اور ہماری مالی محافظت اور امن قائم کرنے کے واسطے پولیس۔ اور دشمنوں کے دانت توڑنے کے لئے جنگی فوج تیار ہے۔ ریلوے گاڑیاں ہماری سواری کے گھوڑے۔ اور تار برقی اور ڈاک ہماری خبریں اور چٹھیاں پہنچانے کے لئے کتنے تیز ہلکارے ہیں۔ ہماری زمینوں کی آبپاشی کی غرض سے نہریں کھدی ہیں۔ ہم پر برٹش حکومت فرمانروا ہے۔ جو قانون پر چلتی ہے۔ قدیم زمانے کی طرح شخصی حکومت نہیں۔ کہ ایک شخص کی طبیعت میں نیک یا بد جو کچھ آیا۔ کر دیا۔ کسی کو لوٹا۔ کسی کو باندھا۔ چوروں کو انعام بخشا۔ یا خدمت گزاروں کا سر کاٹ ڈالا۔ اب ادنےٰ سپاہی کیا بلکہ رعایا سے لیکر خود قیصر ہند تک قانون کے تابع ہیں۔ پھر کسی پر جبر کیوں ہو؟ فرانس اور امریکہ کے اضلاع متحد وغیرہ میں جمہوری سلطنت

ہے۔وہاں شاہی خاندان کی پرستش کی رسم نہیں ہے۔اور نہ ایک ہی خاندان میں حکومت ورثے کے طور پر چلی جاتی ہے۔بلکہ ملک میں سے ایک شخص ذی لیاقت اور اہل الرائے منتخب کیا جاتا ہے۔اور وہ چار یا پانچ برس تک سلطنت کی انتظامی کمیٹی کا میر مجلس (پریزیڈنٹ) رہتا ہے۔اور کونسل ادنےٰ و اعلےٰ مع کل رعایا کے اس کے زیر فرمان رہتی ہے۔لیکن وہ بھی سلطنت کے موجودہ قانون کا مطیع ہوتا ہے۔ہماری دیسی ریاستیں گونہ شخصی حکومتیں ہیں۔جو آہستگی سے شائستگی پر آ رہی ہیں۔مگر گورنمنٹ انگریزی کے زیر سایہ ہونے سے وہ رعایا پر کم تشدد کرتی ہیں۔اِلّا جو امن و آسائش ہم کو حاصل ہے۔عجب نہیں کہ دیسی ریاستوں کی رعیت اس سے محروم ہو۔پس ہمیں اپنی گورنمنٹ کا ممنون ہونا چاہئے۔جس نے ہمیں امن و آزادی بخشی۔اور نیز خدا کا شکر گزار۔جس نے ہم پر برٹش گورنمنٹ کو فرمانروا بنایا ؛

(۲) ہم تعلیم علوم سے جی چُراتے ہیں۔اس واسطے شائستگی سے کوسوں دور ہیں اور ہاف سویلائزڈ (نیم وحشی) کا خطاب اب تک ہمارے موزون حال چلا جاتا ہے۔مرد اپنی عورتوں سے اب تک سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔اور تشدد روا رکھتے ہیں۔اور وہ ان سے برسر مقابلہ ہوتی ہیں۔وجہ یہ ہے۔کہ ان کو اس قدر بھی نہیں پڑھایا جاتا۔کہ حقوق خویشی و بیگانگی

سے واقف ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ جب تک یہ جاہل رہینگی۔ ہم خواہ کتنے ہی
مدارج علمی طے کر لینگے۔ پھر بھی ہاف سویلائزڈ کے الزام سے بری نہیں
ہو سکینگے۔ کیوں؟ آخر عمر بھر ہم کو انہیں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور انہیں
کے ساتھ ملکر رہنا ہوتا ہے۔ جب تک ہم شیر خوار ہیں۔ ان کی گود میں پڑے
دود کے ساتھ اُن کی عادتیں غٹ غٹ پیتے ہیں۔ جب کچھ ہوش سنبھالتے
ہیں۔ تو انہیں کے قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ جوان ہوتے ہیں۔ تو خانہ داری
کی گاڑی میں جُت جاتے ہیں۔ جوئے کا ایک سرا ہمارے کندھے پر ہوتا
ہے۔ دوسرا اُن کے کندھے پر۔ اسی طرح آخری منزل کو پہنچ جاتے ہیں۔
یہ بیاہ شادیوں پر بن ٹھن کر آزادانہ پھرتی ہیں۔ اور فحش بکتی ہیں۔
بے حجابانہ حرکتیں کرتی ہیں۔ کوئی بوڑھا مر جائے۔ تو سوانگ بھرتی ہیں۔
اور واہیات بکتی ہیں۔ نہ بیاہ پر یہ گاتی ہیں۔ مُردے پر یہ روتی پیٹتی
ہیں۔ کوئی ماتم ہو جائے۔ تو پیٹ پیٹ کر مُنہ اور چھاتی بگاڑ لیتی ہیں۔
سر کے بال نوچ ڈالتی ہیں۔ اور ایک عجیب گت سے پیٹتی اور ایک عجیب
سُر سے روتی ہیں۔ جو یہ ہنر نہ رکھتی ہو۔ اُس کو نالائق اور بیوقوف
سمجھتی ہیں۔ مرد اُن کو اُن حرکتوں سے نہیں روکتے۔ کیوں؟ تقلید کے
بندے ہیں۔ رسم پرستی پر مرے جاتے ہیں۔ ذات کا امتیاز اب تک چلا جاتا
ہے۔ جس سے ترقی میں بڑا ہرج ہو رہا ہے۔ ہم خدا سے اس قدر نہیں ڈرتے

[illegible]

جس قدر ذاتوں کی قید توڑنے سے خوف کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے بالعموم پیشے بدل گئے۔ اور ہم بہتری مذہبی قیدیں توڑ بیٹھے +

(۴۳) جو ہماری مذہبی پیشوا یا دین کے محافظ ہیں۔ وہ خاص کر اپنے مذہبی فرائض چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ اب رسوم مقررہ سے بھی زیادہ حاصل کرتے ہیں۔ جو نہ دے یا کم دے۔ تو شکوہ۔ شکایت۔ غمازی۔ رمز۔ مذمت کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور ہم اب تک برداشت کئے جاتے ہیں جو پیر یا گورو۔ ریفارمر (مصلح قوم) نیک سیرت بے تکلف پھرتا ہو۔ اس کو کھانا کھلانا بھی عار سمجھتے ہیں۔ پیسا پیسا چندہ دینے میں بھی دریغ ہے پر جس کے ساتھ سامانِ تزک واحتشام ہو۔ دس بیس خدمتگار ہوں۔ گھوڑوں کے ساتھ کتے دوڑتے ہوں۔ ساقی اور مطرب ہم رکاب ہوں۔ بدن پر مکلّف پوشاک ہو۔ زیور پہنے ہو۔ اس کی ولایت اور کرامت میں شبہ کرنا داخل گناہ سمجھا جاتا ہے۔ منزلوں پیشوائی کرتے ہیں۔ اور بڑی خواہش سے اپنے گاؤں میں لے جاتے ہیں۔ خواہ دس جگہ سے قرض وام کرنا پڑے مگر انہیں ضرور مکلّف کھانے کھلاتے ہیں۔ نذریں دیتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں۔ تعویذ گنڈے حصول مراد کے لئے ان سے لیتے ہیں۔ اور بڑے صدق دل سے ان کو صحیح جانتے ہیں۔ اور یہ نہیں خیال کرتے کہ یہ یار لوگوں کے ٹھگے سیدھے کرنے کا ٹھکا ہے۔ ورنہ ہوتا وہی ہے۔

جو مشیت ایزدی میں ہے۔ مقدر میں کم و بیش کا اختیار کسی کو حاصل
نہیں۔ چیلے یا خلیفے لوگوں کو یقین دلاکر پیر جی کو آسمان پر چڑھا دیتے
ہیں۔ ایسا نہ کریں تو لوگ فریب کے پھندے میں کیونکر پھنسیں؟ اور
ان کو ساتھ رکھنے کا کیا فائدہ ہو؟ تحصیلدار کے ساتھ چپراسی۔ اردلی نہ
ہوں تو کسی نا واقف کو کیا خبر؟ کہ یہ تحصیلدار ہے۔ اسی طرح مرید یا بالکے
ہمراہ نہ ہوں۔ تو پیر جی کو کون جانے؟ یہ بے ترس گروہ پہلے تو بالجبر
شیرینیاں وصول کرتا تھا۔ شکر ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کی برکت سے ان
کا تحکم پہلے سے کم ہو گیا ہے۔ غریبوں کا تو ان کی خاطر تواضع میں اب
بھی پلیتھن نکل جاتا ہے۔ مقروض ہو جاتے ہیں۔ گھر۔ زمین۔ زیور بک
جاتے ہیں۔ جیسے گڈریا اپنی بھیڑوں کی اون ہر ششماہی کو کاٹ کر
انہیں ننگا بُچا کر دیتا ہے۔ ویسے ہی یہ حضرات بھی ششماہی یا سالانہ دورے
میں مریدوں سے شیرینیاں اور نذرانے لیکر ننگ چھننگ کر دیتے ہیں۔ یہ
شیرینیاں اور نذریں ایسی سرگرمی سے وصول کرتے ہیں۔ کہ سرکاری مالگذاری
اس طرح وصول نہیں ہوتی۔ جس طرح عموماً حکام کے دورے سے رعایا کی
تباہی ہو جاتی ہے۔ یعنی لکڑی۔ گھاس۔ انڈا۔ مرغی اور دود وغیرہ گرد
نواح سے بجبر کھینچ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے دورے سے مریدوں کا
حال ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ یہاں بیم و رجا سے کام لیا جاتا

ہے۔جس سے اکثر مرید حسن عقیدت دکھانے کو مجبوراً ایسا کرتے ہیں۔ اور
وہاں مجسٹریٹی اختیارات اور حکومت کے دباؤ سے ان کو تعمیل احکام کرنی
پڑتی ہے۔سونٹا اور جوتا بڑے مرشد ہیں۔سُنا ہے۔یا نہیں؟ کہ زمیندار میوہ
تو خوب ہے۔پر جوتی سے جھڑتا ہے۔یہ تو ہمارے عام معزز دیسی بھائیوں
کے خیالات ہیں۔اب پنجاب میں سر فنٹز پیٹرک صاحب کی گورنمنٹ نے دورے
میں حکام کے تشدد کا اچھا انتظام کر دیا ہے۔کہ پہلے خرچ کے لئے روپے
بھیجیں۔اور چیزیں انہیں بازاری نرخ پر ملیں۔چارپائی تک سونے کو کسی
کو بلا کرایہ پیشگی لیئے نہ دی جائے + رہی یہ بات کہ پیرو گرو بنانے کی اب کچھ
ضرورت ہے یا نہیں۔ ہماری رائے میں ایک تعلیم یافتہ جنٹلمین کے واسطے
ایسے پھندوں میں پھنسنے کی کچھ ضرورت نہیں۔اب وہ وقت آگیا ہے
کہ ہم غلامانہ خیالات ترک کر دیں۔جاہل بے پیر ہونا عار سمجھتے ہیں۔ہیں
ایسے فضول اور جاہلانہ خیال بالکل چھوڑ دینے چاہئیں۔جس صورت میں
کہ ہمارے پیر و مرشد یا گرو بننے کا دعوے کرنے والے جو اپنی ذاتی معلومات
میں بھی ہم سے کمتر ہیں۔ہمیں بیوقوف سمجھ کر ہم کو اپنے بزرگوں کی کرامات
کا خوف دلاتے ہیں۔انہیں اب خود بھی شرم آنی چاہئے +

(۴) عیاشی۔بدمعاشی۔آوارہ گردی اور بُری صحبتوں کے باعث
ہماری واہمہ قوت بُرے خیال اور خراب کاموں کی طرف مائل ہوتی جاتی

بھوت پریت کا وہم

ہے - سوتے جاگتے ہمیں بُرے فعلوں کی دُھن لگی ہے - اب تک عورتوں کو بات بات میں جِن - بھوت یا آسیب کا سایہ ہوتا رہتا ہے - اب ایسے فضول خیال ملک کے شایستہ حصّے سے دور ہو گئے (مصنف) اور بعض جاہل مرد بھی اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ وہم ہے یا مکر و فریب یا کوئی خاص مرض) لطف یہ ہے کہ عقلمندوں اور یورپین عورتوں اور کسبیوں کو بھوت کبھی نہیں پڑتا - حالانکہ بعض خوبیاں ان میں زیادہ ہیں - ضعیفہ اور نابالغہ بھی اس سے مستثنٰے ہیں - یہاں بھی حاضرات اور تعویذ سے کام لیا جاتا ہے - لوگوں کو نشانی دکھانے میں دھوکا دیا جاتا ہے - کہیں ویرانے میں فاسفرس باہمی رگڑ سے مشتعل ہو جاتی ہے (یہ گاس ویرانہ - قبرستان - مسان - کھنڈرات - دلدل اور سیلی زمین میں اکثر ناقص اجزوں سے جمع ہو جاتی ہے - اور ذرا صدمہ پہنچے - تو دیا سلائی کی طرح بھڑک اُٹھتی ہے - جس کو اگیا بتال کہتے ہیں) تو اس کو چھلاوا یا بھوتوں کی آگ سمجھتے ہیں - چونکہ خوف یا وہم ایک بڑا مرض ہے - جو اکثر ناواقفوں پر غالب آ جاتا ہے - اگر اس سے کوئی مر جائے - تو یہ آسیب کا مارا سمجھا جائیگا - خیال کرنے کی بات ہے - کہ وہم سے انسان کو ہیضہ ہو جاتا ہے - اس سے اور کئی وبائی امراض ہو سکتے ہیں - کبھی خواب و خیال میں سرگرداں رہتا ہے - سوتا ہو - تو چونک اُٹھتا ہے -

میلوں اور تماشوں سے بُرے خیال پیدا کرتا ہے۔اگر نیک طرف لے چلے۔ تو پورا نیک بنا دے۔اسی کی طفیل انسان خودی اور خدائی کا دعوے کر بیٹھتا ہے۔ دیوانہ وار بڑیں اسی کے سبب لگانے لگتا ہے۔آبادیوں سے نکل بھاگتا ہے۔ویرانوں میں بسیرا کرتا ہے۔گرمیوں میں آگ کی دھونیاں تاپتا ہے۔اور سردی میں ٹھنڈے پانی کے اندر کھڑا رہتا ہے۔ اپنے جسم کو مشکلات میں ڈالتا ہے۔تکلیفیں دیتا ہے۔زچہ کو محفوظ مکان میں بند رکھتے ہیں کہ غیر عورت کی آواز نہ پہنچے۔اس صورت میں بچہ مر جائے۔تو ڈائن کا مارا کہتے ہیں۔جادو کو صحیح جانتے ہیں۔اور اُسے مار ڈالنے میں خدا کا منصب دیتے ہیں۔غرض وہم انسان کو قسم قسم کے ناچ نچاتا ہے۔اور عجیب و غریب تماشے کراتا ہے۔خبردار! کبھی تم وہم کا نہ کھانا۔متذکرہ صدر وہم کے کرتوت کم ہوتے جاتے ہیں اور لوگوں کے اعتقاد اب فضولیات سے اُٹھتے جاتے ہیں۔میں اس کتاب پر اب نظر ثانی کر رہا ہوں بعد از تصنیف سترہ سال۔ زمانہ نے بہت کچھ اُس وقت سے اس وقت تک کایا پلٹ لی (مصنف)

(۲) کوئی تیوہار یا میلہ آجائے۔تو پھر اکثر ہمارے جاہل بھائی مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے۔گویا اُن کو شاہی منصب مل جائیگا۔ دن اور گھڑیاں گنتے ہیں۔کب آئے اور کب ہم اُس سے فائدہ اُٹھائیں

ایک دوسرے کو خوش ہو ہو کر اس کے جلد آنے کی خوش خبریاں سناتے ہیں۔ گھر میں کچھ نہ ہو۔ تو ناجائز طور پر خرچ پیدا کرتے ہیں۔ میلے پر مکلف کپڑے پہنتے ہیں۔ اور بعض شرابیں پیتے ہیں۔ اور فضول روپیہ اُڑاتے ہیں۔ فحش گیت گاتے ہیں۔ ناچتے ہیں۔ غرض اپنی جہالت کی پوری بہار لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔ یہاں عقل کی کیا مجال ہے۔ کہ کل میلے کے حلقے میں آسکے۔ مزار پرستی اور خالی مکان پرستی کرتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ چراغیاں دیتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں۔ مرادیں مانگتے ہیں۔ القصہ ہمارے میلے اب تک ناشائستہ ہیں۔ کسی تجارت یا حرفت یا صنعت وغیرہ کی ترقی یا قدردانی کا یہاں کچھ واسطہ نہیں۔ البتہ دو میلے شائستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کے وجود سے کچھ فائدہ بھی ہے۔ جن میں حکام کا تعلق ہے۔ وہاں گھوڑے۔ بیل۔ گائے۔ بھینس اور مختلف اشیاء و اجناس کی نمائش ہوتی ہے۔ اچھے موٹے تازے جانور اور عمدہ صنعتوں پر انعام دیا جاتا ہے۔ جس سے مستحقوں کے دل بڑھتے ہیں۔ اور دیکھنے والوں کو عمدہ ترغیب ہوتی ہے ۔

(۶) عورتیں مردوں سے اکثر میلوں پر جانے میں جو برائے نام مذہبی ہیں۔ پیش دستی کرتی ہیں۔ جن سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح مندروں۔ معبدوں اور خانقاہوں میں جہاں ان کی آمد و رفت

رہتی ہے۔ وہاں مجاوروں کو تو رزق کی کمی نہیں رہتی۔ مگر خراب حرکتوں کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاتی۔ عورتیں اب تک فقیر لباس آدمیوں کا ادب کرتی ہیں۔ انہیں ہر طرح پوجتی ہیں۔ دو چار دن کوئی فقیر صبر سے ایک جگہ خاموش بیٹھے۔ اور شروع میں کچھ نہ مانگے تو اُس کے ولی میں کچھ شبہ نہیں کیا جاتا۔ ہر طرف سے جُہلا اُس پر لوٹ پڑتے ہیں۔ اور اُس کے پاس نعمتوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ فقیروں کے بھیس میں عموماً بدمعاش۔ مکّار اور ریاکار لوگ ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کو کوئی خانگی صدمہ پہنچا ہو۔ یا بے ہنر اور نالایق لوگ جو اَور کسی طرح گزارہ نہ کر سکتے ہوں۔ گو اچھے ہوں تاہم جو اَوروں کے ٹکڑے کھاتے ہیں۔ اور خود کچھ کام نہیں کرتے وہ ہرگز پرستش کے لائق نہیں۔ اور ان سے کسی بہتری کی امید رکھنی بڑی نادانی ہے۔ ایسے گروہ میں کتنے ہی کیمیاگر یا رسائنی بنے پھرتے ہیں۔ نادان مرد اور عورتیں اب تک رسائن کو صحیح جانتے ہیں۔ باوجودیکہ ان کے سامنے کتنے ہی لوگوں کا مال مار کر یہ بدمعاش رفو چکر ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنے اعتقاد کو نہیں توڑتے۔ غرض خدا پرستی سے فقیر پرستی اور مزار پرستی سبقت لے جا رہی ہے۔ اور یہی ملک میں عام جہالت کا ثبوت ہے۔

(۷) ابھی تک ملک کی طرف سے عام طور پر اصلی عالموں کی قدر نہیں

ہوتی - جُہلا میں لائق قدر عالم اُس کو سمجھا جاتا ہے جو جھوٹے قصے اور کہانیاں اور عقل و فکر سے دور افسانے جانتا ہو - اور بات میں اس قدر نمک - مرچ لگاتا ہو - جس سے اصل بات کا پتہ نہ ملے - دیسی مکاتب میں خلاف تہذیب کتابوں کا پڑھنا اب تک علمیت میں داخل ہے - انہوں نے اپنے قدیمی پیرایئے کو ترک نہیں کیا - سرکاری مدارس دن بدن ان سے سبقت لے جا رہے ہیں - اور ان کی تعلیم راستی کی طرف رعایا کو کھینچ لئے جاتی ہے - یہ مکاتب رعایا کے گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے - مصنف کی دانست میں ضرور کچھ تعلیم مکاتب دیہی کا طرز بدلا ہے - مگر امداد کا دیا جانا بالکل فضول ثابت ہوا ہے - اب ایسے سکول بھی کھل گئے ہیں جو بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہیں - ان سے طلبار کو بے غیرتی اور بے شرمی کی تعلیم ملتی ہے جس سے وہ گدائی پیشہ بآسانی ہو جاتی ہیں - ملک اور قوم کو خود متوجہ ہو کر ایسے خراب سکول بند کر دینے چاہئیں - ورنہ یہ زہریلے پودے ضرور بار آور ہونگے - اور ملک اور قوم کو تباہ کر ڈالینگے - نام نہاد یہ ہندوؤں کے مذہبی سکول ہیں - یہ خود غرضوں نے اپنے پیٹ پالنے کو کھول رکھے ہیں - ان کا یہ فعل قابل نفرین ہے - اب جو نتائج امتحان پر ان کی قدر کی جائیگی - تو یہ تدبیر غالباً ان کے دقیانوسی خیالات توڑنے کے واسطے مفید ثابت ہوگی - بشرطیکہ دیسی مکاتب

کے معائنہ کرنے والے افسر بکثرت اور لائق حاصل ہو جائیں۔ سرکاری مدارس میں شاگردوں کا فیس کے سوا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ یعنی انہیں دیسی مکاتب کے شاگردوں کی طرح استادوں کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ جب لوکل سلف گورنمنٹ کا پورا رواج ہو جائیگا۔ تو شاید بتدریج مفت تعلیم دینے کا دستور نہ رہیگا۔ اور پرائیویٹ اشخاص اپنی خوشی سے بطور ایک چلتے ہوئے پیشے کے اس کو قبول کرنے کی رغبت ظاہر کرینگے ٭

(۸) جہاں ہمارے ملک کے اکثر جوان اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ وہاں کوئی علمی مسائل کی بات نہیں کرتے۔ بلکہ وہاں خوبصورت عورتوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یا ناچ رنگ اور شراب کی محفل جمتی ہے۔ یا ٹھٹھہ مسخری کی پھلجڑی ہوتی ہے۔ اور ہنسی قہقہے سے آسمان گونج اُٹھتا ہے۔ یا گلہ شکایت۔ چُغلی اور غیبت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ بھلے مانسوں پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ اور شرفا و علما کی مذمت کی جاتی ہے۔ ان کے سوانگ بنائے جاتے ہیں۔ یا فحش گیت گائے جاتے ہیں۔ جوان عورتیں لڑکیاں یا لڑکے بھی جہاں جمع ہوتے ہیں۔ کوئی شایستہ بات نہیں کرتے۔ جھوٹے قصے یا کہانیاں پڑھتے۔ کہتے اور سُنتے ہیں۔ یا بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ لڑکے اپنے سے بڑوں کا چنداں ادب۔ لحاظ اور شرم نہیں کرتے۔ عورتوں کی بے شرمی حد سے گزر گئی ہے۔ ناجائز طور پر آزاد ہوئی جاتی ہیں۔ ننگے بدن شلوع

عام کے کوئیں۔ جوہڑوں۔ تالابوں اور نہروں پر نہاتی ہیں اور مردوں کے سامنے آبادی کے قریب رفع حاجت کو بیٹھ جاتی ہیں۔ کمائی کا مدار عموماً مردوں پر ہے۔ یہ بجز کھانے۔ سونے چرخہ کاتنے۔ ہنسنے اور رونے کے اور کچھ نہیں جانتیں۔ پیسے کا سوت دن میں کمائینگی۔ تو دو پیسے کا سودا اُڑا جائینگی مگر جب اور کام نہیں ہے۔ تو ان کو چرخے کی قید میں رکھنا ہی زیبا ہے لیکن بے انصافی ہوگی۔ کہ ہم ان کی خدمات خانہ داری کا اعتراف نہ کریں مکان صاف رکھتی ہیں۔ کھانا پکاتی ہیں۔ بچوں کی پرورش کرتی ہیں فرصت ہوتی ہے تو چرخہ کاتتی ہیں۔ یا سینا پرونا اور کشیدہ لے بیٹھتی ہیں۔ غرض بیکار ایک لمحہ بھی نہیں رہتیں۔ ایک نیا شگوفہ بیکار بدمعاشوں کا کھلا ہے کہ وہ لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کو نام نہاد دیویاں بنا کر جاہل مرد و عورات ہنود کو لوٹتے پھرتے ہیں۔ دیویاں بال کھول کر سر ہلاتی ہیں۔ اور ان کے بھگت بھیٹاں گاتے اور جھانجھ بجاتے ہیں۔ بعض بیوقوف محض ناموری کے لئے اپنی جیبھ کو زخمی کرتے ہیں۔ جس کا زخم خود بخود اچھا ہو جاتا ہے۔ بات تو جب ہے کہ اپنی ناک کاٹ ڈالیں اور پھر وہ درست ہو۔ خدا جانے کب ہمارے ملک میں سے جہالت دور ہوگی۔ اور سنئے! بعض جوارئے اور نوسرئے عجیب و غریب دھوکا دہی سے اپنے سادہ لوح بھائیوں کو لوٹ رہے ہیں۔ خدایا ان کو راہ راست پر لا +

(۹) بچوں اور عورتوں کو اب تک زیور سے لادا جاتا ہے۔اور گوٹے
کناری سے جھمجھاتا اور رنگین لباس خصوصاً سرخ رنگ اور نیز منقش
کپڑوں کو نہایت پسند کیا جاتا ہے۔ نادان مرد بھی اپنے تئیں عورتوں
کی طرح ملبوس رکھتے ہیں۔اور انہی کی طرح بناؤ سنگار کرتے ہیں۔ عام
لوگ بھی کسی حال میں خوش نہیں ہوتے۔ سادہ لباس رکھو۔تو سوم کہلاؤ
ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرو۔ تو کنجوس کا خطاب پاؤ۔ اگر عوام سے اختلاط
رکھو۔تو بنظر حقارت دیکھے جاؤ۔ اور اگر ان کی صحبت سے علیحدہ رہو۔تو
مغرور سمجھے جاؤ۔ البتہ خوشی یہ ہے۔کہ چھوت اب پہلے سے کم ہوتی جاتی ہے
اور ہمارے کھانے پینے اور پہننے میں دن بدن تغیر ہوتا جاتا ہے۔یعنی جوں
جوں زمانہ بدلتا جاتا ہے۔ یہ بھی ساتھ ساتھ نئی رنگت پکڑتے جاتے ہیں
اولڈ فیشن دیکھ دیکھ کر بیزار ہوتے ہیں۔ مگر بیچاروں کی کچھ پیش نہیں جاتی
اس پر ضرور ہمارا بھی اعتراض ہے کہ عورتوں کا لباس فاحشہ عورتوں
کے مشابہ ہوتا جاتا ہے۔ دیہات میں ضرور سادگی ہے مگر شہروں کی عورتیں
دن بدن اپنے خاوند پر قابو حاصل کر رہی ہیں جس طرح چاہتی ہیں
انہیں ناچ نچاتی ہیں زن پرستی کا رواج ترقی پر ہے +

اگر عوام کو ان کی غلطی سے آگاہ کیا جاتا ہے۔تو لاجواب ہونے پر
لڑنے۔لامذہب اور دہریہ یا کرسچن کا خطاب دینے کو تیار ہو جاتے ہیں +

(۱۰) جب ہزاروں نظیریں سامنے موجود ہیں۔ کہ بچوں کے حق میں چیچک کا مرض سخت بلا ہے۔ اور ویکسی نیشن یعنی ٹیکا اس کا مجرب علاج۔ پھر بھی بچوں کو ٹیکا نہیں لگواتے۔ ماں اپنے بچوں کی صحت کے واسطے کڑوی دوا کس بیدردی سے پلاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی محبت مادری پائی جاتی ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کو ٹیکا لازمی قرار دینے کا قانون بنانا پڑا۔ مگر وہ بھی اس جگہ کے لئے جہاں میونسپل کمشنر خود درخواست کریں۔ یعنی خود بچہ ماں سے کہے۔ کہ کڑوی دوا پلاؤ۔ گورنمنٹ کا کام ہے۔ کہ ویکسی نیٹر (ٹیکا لگانے والے) لائق مقرر کرے۔ بعض بیوقوف اس طرح ٹیکا لگاتے ہیں۔ کہ بچہ جان سے جاتا ہے۔ یہی وجہ عموماً لوگوں کے تنفر کی ہے۔ جو غلط نہیں ہے۔ بچوں سے جاگ لینے کا ظالمانہ سلوک کوئی پسند نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس میں بڑا سخت عیب یہ ہے۔ کہ جاگ جس سے لیا جائے۔ اگر اُس کے خاندان میں کوئی موروثی بیماری مثل دق۔ آتشک وغیرہ چلی آتی ہو۔ تو وہ دوسرے بچے کے جسم میں بعض دفعہ اثر کر جاتی ہے۔ جس بچے سے جاگ لیا جاتا ہے۔ وہ اکثر روتا چلاتا ہے۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی اور عام پسند تدبیر جیسے کٹی یا بچھیا کے تھنوں سے جاگ لینا وغیرہ سب جگہ جاری کرنی چاہئے۔ اب پہلا ظالمانہ دستور موقوف ہو گیا کٹی سے

جاگ لی جالنے لگی بچھیا سے لینا اس سے بھی زیادہ سود مند ہے کیونکہ ہندوؤں کے زمانے میں اس کا نام گئو تھن سیتلا تھا۔ ونکسی نیٹروں کے چال و چلن بھی سخت نگرانی کے محتاج ہیں۔ کیونکہ وہ ٹھنڈی ہوا اور جاڑے کے موسم میں غریب عورتوں کو مع بچوں کے گاؤں گاؤں لئے پھرتے ہیں جس نے کچھ نذر کیا۔ عورت کو مع بچے کے ان سے چھڑا لاتا ہے۔ ورنہ بیچاری سخت آفت میں مبتلا رہتی ہے ۔

(۱۱) کسوف و خسوف (سورج اور چاند گہن) سے ابتک اولڈ فیشن والوں کے خیالات خوفناک چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ جو نظام شمسی کے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسا ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ اور باقاعدہ ہوا کرتا ہے۔ کہ گردش میں ایک مستقیم خط پر زمین اور آفتاب کے درمیان چاند آ جائے تو کسوف یا سورج گہن اور آفتاب اور مہتاب کے درمیان زمین آ جائے تو خسوف یا چاند گہن ہو جاتا ہے۔ دُم دار ستاروں کے چڑھنے سے بعض لوگوں کو خوف پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان کا دُم دار ہونا نحوست کا موجب ہے۔ حالانکہ ان کا چڑھنا غیر معمولی نہیں ہے۔ اور وہ بھی نظام شمسی میں داخل ہیں۔ وہ قرب آفتاب کے سبب مشتعل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی مشعل لیکر دوڑے تو شعلہ اس کے پیچھے ہو جاتا ہے۔ وہ دیگر اجرام فلکیہ کی طرح دورہ کرتے ہیں۔ بڑی تیزی سے دوڑتے ہیں۔ اور دُم یا

دُمیں پیچھے ہوتی ہیں۔ وہ دور دور نکل جاتی ہیں۔ اور اپنے معمولی عرصے تک نظر آتی ہیں۔ جب آفتاب سے دور نکل جاتے ہیں۔ تو ان کی دُم بُجھ جاتی ہے۔ جس رات مطلع صاف ہو۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ تارے ٹوٹتے ہیں۔ ذرا قیاس تو کرو۔ اگر ہر روز اسی طرح ہزاروں آسمان سے ٹوٹتے۔ تو اب تک ایک نہ رہتا۔ یا پہلے سے کچھ کم ہو جاتے۔ یا جن کو تم روز دیکھتے ہو۔ ان سے بھی کوئی ایک آدھ کم نظر آتا۔ مگر نہیں۔ اتنے کے اتنے ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ آتشی اور برقی ابخرے ہیں۔ جو زمین سے اوپر جاتے ہیں۔ اور آپس میں رگڑ کر اور مشتعل ہو کر نیچے گر پڑتے ہیں۔ راہ میں ہی بُجھ جاتے ہیں۔ ورنہ کبھی کوئی یہ تو کہتا۔ کہ ہم نے فلاں جگہ تارا ٹوٹا پڑا دیکھا ⁂

(۱۲) ہمارے دیسی بھائی اب تک بڑی خوشی سے ممبر میونسپل کمیٹی و آنریری مجسٹریٹ بنتے ہیں۔ اور ان بلا تنخواہ عہدوں کے حاصل کرنے کے واسطے بہت کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے نہیں کہ ان عہدوں کو حاصل کرکے ملک اور گورنمنٹ کو فائدہ پہنچائیں۔ یا اپنی لیاقت سے سوسائٹی کی خدمت کریں۔ بلکہ اکثر اس غرض سے کہ ان کو اپنے ہم جلسوں پر خود نمائی کا موقع ملے۔ اور رعب حکومت دکھلاکر ذاتی غرضیں پوری کریں۔ بلکہ اکثر ممبر ووٹر (رضامندی ظاہر کرنے والے) کم

ہو جانے کے خوف سے یا حکام ضلع کے رعب میں آکر اپنی رائے آزادی سے نہیں دیتے۔ اے ناظرین! شاید وہ تہذیب کا زمانہ بہت دور ہے۔ جس کی ہمیں دلی آرزو ہے۔ کیوں؟ آزاد رائے کی قدر کرنے والے ابھی بہت کم ہیں۔ غرض اب تک تو ہمیں اکثر ممبر خوشامدی ٹٹو یا ہاں میں ہاں ملانے والے نظر آتے ہیں۔ یا ایسے لوگ جن کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ ہمارے ممبر ہونے سے کیا غرض ہے۔ اور ہمارے منصبی فرائض کیا ہیں! آنریری مجسٹریٹ بھی ایسے بہت کم ہیں۔ جو اپنے فرائض پر پورے پورے کار بند ہوں۔ اور ذاتی اغراض کو چھوڑ کر ایمانداری سے فیصلے لکھتا ہوں +

(۱۳) سلف ہلپ یعنی خود مددی کا رواج اب تک ہمارے ملک میں نہیں ہوا تھا۔ اور نہ اس اصول پر لوگ کار بند تھے۔ کہ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے۔ مگر شکر ہے۔ کہ اب گورنمنٹ نے خود ملک کو اس طرف متوجہ ہونے کی مناسب ہدایتیں کی ہیں۔ اور سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ جو کام اپنے کرنے کے ہیں۔ ان میں گورنمنٹ کی استعانت کا محتاج نہ رہنا چاہئے۔ خصوصاً اپنی تعلیم۔ حفظ صحت۔ صفائی اور مفید عام تعمیرات کا بار رعایا کو خود اُٹھانا چاہئے۔ اسی طرح قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہم کو ہر ایک کام میں اپنی مدد آپ کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس عمدہ اور ضروری اصول پر صداقت اور روشن ضمیری سے کار بند

ہوں- اور ملکی خدمات کو عزت کا ذریعہ خیال کریں- جس میں گورنمنٹ کا منشا
بھی پورا ہو- اور اپنی زندگی کی غرض بھی- ہمارے ملک پر یہ مہربانی لارڈ رپن
صاحب بہادر گورنر جنرل و وائسرائے ہندوستان کی ہے- جس کے سبب سے
ان کا نیک نام عزت سے لیا جائیگا- بشرطیکہ ملک عام اصول آزادی و
انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑے- اپنے ماسبق وائسراؤں و گورنر جنرلوں کے
تجربات کے بھروسہ پر ابھی تک لارڈ کرزن صاحب نے صاف الفاظ
میں کہدیا ہے کہ لوکل سلف گورنمنٹ کے لئے ابھی انڈیا کی ہوا موافق نہیں
ہے کہیں کوئی الٹا پھیر کرکے ہماری آرزوں کو پھر نہ دبا دیا جائے ⁂

(۱۴) چند وجوہات سے ہماری اس طرح روزانہ ترقی ہورہی ہے- جس
طرح ہماری عمر بڑھتی ہے- مگر معلوم نہیں ہوتی- اور نہ کوئی تناسب قائم ہوسکتا ہے
سب سے بڑا سبب گورنمنٹ انگریزی کی اخلاقی حکومت ہے- گو باقی سب اس کے
طفیل سے ہیں- مگر ان کا ذکر ضرور ہے- مدارس کی تعلیم- ریلوے کی اشاعت
سفر کی سہولت- راستوں کا کھل جانا- اور دیس بدیس کے آدمیوں سے میل
جول پیدا ہونا- جس سے- خوراک- پوشاک اور بول چال میں نمایاں تغیر
ہو رہا ہے- اور اس کے سوا ہمارے بھائیوں میں چند آدمی ایسے لائق ہوگئے
ہیں- جو اپنے تن- من اور دھن کو ملک اور قوم کی اصلاح میں خرچ کررہے
ہیں- یقین ہے کہ ان ریفارمروں کی کوشش سے ہماری حالت میں بہت

کچھ شائستگی آجائیگی۔ اور ان کے مرنے کے بعد پھر ایسے ہی بلکہ ان سے بھی
زیادہ ریفارمر پیدا ہو جائینگے۔ اور اسی طرح تسلسل جاری رہنے سے ہم بھی
کسی روز مغربی ہز اعظم کی طرح شائستہ ہو جائینگے۔ افسوس ہے کہ سوامی
دیانند سرستی۔ کنہیا لال الکھ دھاری۔ پنڈت سردھا رام پھلوری۔ پنڈت
لیکھرام۔ اور سر سید احمد خاں تھوڑے دنوں میں اپنی کوششوں کا میدان
خالی کر گئے۔ سر دست تو ہمیں اُن کا نعم البدل کوئی نظر نہیں آتا۔ خیر
گھبرانے کی بات نہیں۔ زمانہ مناسب وقت اصحاب کو خود پیش کر دیگا۔
لیکن یہ ہمارا کام ہے۔ کہ پہلے ہم اپنی مہربان گورنمنٹ کی نعمتوں
کا شکریہ اس کی فرماں برداری میں ظاہر کریں۔ پھر اپنے ملکی
ریفارمروں کی قدر کریں۔ اور ان کی محنت کی داد دیں۔ اور ان
کے لکچروں کو رغبت سے سُنیں۔ اور پڑھیں اور ان کے مقاصد
کو پورا کریں +

گلشن تہذیب

اس میں حسب ضرورت زمانہ ۱۵۰ نصیحتیں درج ہیں۔ جو نہایت مفید ہیں

۱ خدا کو حاضر ناظر خیال کرو۔ اور اُس کی عظمت کو اپنے دل میں جگہ دو!

۲ صداقت ایمان کی جڑ ہے۔ ہر ایک کام میں اس کا لحاظ رکھو!

۳ ہمیشہ وقت کی قدر کرو۔ اور ایک لمحہ بھی بیکار نہ جانے دو!

۴ آزادی کی قدر کرو۔ مگر کہیں مادر پدر آزادی کو پسند نہ کرنے لگنا!

۵ رستہ چلنے میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں بے موجب نہ دیکھتے جاؤ!

۶ اپنی آنکھوں کو حیا سے جھکائے رکھو!

۷ اپنے کسی عضو جیسے ہاتھ۔ پاؤں اور آنکھ وغیرہ سے بیہودہ اشارے نہ کرو!

۸ آہستہ چلنا بیماری کی اور جلدی چلنا غضب کی علامت ہے۔ پس متوسط درجے کا قدم اٹھاؤ!

۹ سونا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ کھانا۔ پینا۔ بولنا وغیرہ سب بڑی احتیاط سے چاہئے

۱۰ تقلید کرنا چاہتے ہو۔ تو کسی ٹھیک کام میں کرو!

۱۱ اتنا نہ کھاؤ کہ بیمار ہو جاؤ۔ کھانے میں بے عادت زیادہ پانی نہ پی جانا۔ نقصان کریگا۔

۱۲ جب کھانے لگو۔ تو پہلے ہاتھ۔ منہ اور ناک صاف کر لو۔ اور کھانے کی چیز سے اپنے ہاتھ اور کپڑوں کو آلودہ نہ ہونے دو۔

۱۳ جو کام جلدی میں کیا جاتا ہے۔ اکثر اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں نکلتا۔

۱۴ دنیا میں رہ کر پابند صداقت ہونا خالص فقر ہے۔

۱۵ مغربی تعلیم کا یہ مزہ ہے۔ کہ انسان غلامانہ خیال پسند نہیں کرتا۔

۱۶ صرف تعلیم سے اخلاق درست نہیں ہوتے۔ تا وقتیکہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

۱۷ شریروں کی شرارت کو نصیحت اور ہدایت سے دور کرنے کی کوشش کرو۔

۱۸ غفلت کل بد انتظامیوں کی جڑ ہے۔

۱۹ اپنے فرض منصبی کو پوری طرح ادا کرنا ایمانداری ہے۔

۲۰ ضرورت کل ایجادوں کی ماں ہے۔

۲۱ جو اپنی طبیعت پر قادر ہے۔ وہی بہادر ہے۔

۲۲ جس کو اوروں کی حالت سے عبرت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے۔ کہ لوگ

اس کا حال دیکھ کر عبرت حاصل کریں +

۲۳ جو چیز اپنے واسطے پسند نہیں کرتے۔ اور دن کے واسطے کیوں کرتے ہو؟

۲۴ عبادت جو لوگوں کے دکھلانے کے واسطے کی جاتی ہے۔ وہ ریاکاری ہے۔ اس سے نہ کرنی بہتر +

۲۵ اپنے ملک والوں کے ساتھ نیکی کرنے کے برابر اور کوئی عبادت نہیں +

۲۶ نیکی ناموری کی اُمید پر مت کرو!

۲۷ نیکی وہ ہے۔ جو دائیں ہاتھ سے کی جائے۔ اور بائیں کو خبر نہ ہو +

۲۸ اپنے ایمان کو ضرورت کے تابع نہ ہونے دو!

۲۹ خواہ کوئی ہنر ہو۔ کامل ہونا چاہیئے +

۳۰ کمال ہنر سے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ جس سے معاش میں مدد ملتی ہے +

۳۱ دولت عزت کے حاصل کرنے کے واسطے بڑا بھاری وسیلہ ہے +

۳۲ کسی کو کچھ دیکر پچھتانا نیکی کو مٹانا ہے +

۳۳ مصیبتوں میں حوصلے کا امتحان ہوتا ہے +

۳۴ تنگدستی دوستوں کی خالص محبت دیکھنے کو عمدہ معیار ہے ٭

۳۵ قسم کھانے کی عادت نہ ڈالو !

۳۶ ماں۔ باپ۔ استاد اور حاکم کے سامنے جو سخت لفظ بولتا ہے۔ یا آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ وہ بے حیا اور گستاخ ہے ٭

۳۷ جہاں کام نرمی سے ہوسکتا ہو۔ وہاں سختی کرنی ضرور نہیں ٭

۳۸ تم بد معاش نہیں۔ تو بد معاشوں سے صحبت کیوں رکھتے ہو؟

۳۹ تم بد نہیں۔ تو نیکوں سے بُرائی کیوں کرتے ہو ؟

۴۰ بھلے مانس ہو۔ تو تہمت کی جگہ سے کیوں نہیں بچتے ؟

۴۱ تم بے رحم نہیں۔ تو چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں اور دوسرے بیگناہ جانوروں کو کیوں ستاتے ہو ؟

۴۲ یاد رکھنا چغلی خور کا منہ کالا ہوتا ہے ٭

۴۳ بُری خبر ہے۔ تو کسی اَور کو بیان کرنے دو !

۴۴ روپے کے خرچ کرنے اور قرض لینے میں کبھی دیری نہ کرو !

۴۵ مہذب کہلاتے ہو۔ تو ضروری جواب طلب خطوط کا جواب جو نامناسب بھی نہیں باوجود فرصت بواپسی ڈاک کیوں نہیں دیتے ؟

محبت کا دعوے کرتے ہو۔ تو دوستوں اور رشتہ داروں کو بیرنگ خط نہ بھیجو ٭

۴۷ بچے کو اتنا لاڈلا نہ بناؤ۔ کہ علمی ترقی سے محروم رہ جائے ÷
۴۸ اپنی مزاج کو صلح کل پالیسی پر رکھنا بہتر ہے ÷
۴۹ کسی کا گلہ کرنا یا سُننا دونو بُرے کام ہیں ÷
۵۰ کسی بے معنی اور خلاف تہذیب لفظ کو منہ سے نہ نکالو!
۵۱ تمہاری زبان میں وہ شیرینی ہو۔ کہ سُننے والے عش عش کریں ÷
۵۲ مؤدب کا ہر جگہ وقر و لحاظ ہوتا ہے ÷
۵۳ خوش خلق جہاں جائے۔ اس کا وطن ہے ÷
۵۴ بد خلق کے دل میں ہر وقت رنج و غم کا ڈیرہ جما رہتا ہے ÷
۵۵ تواضع و انکسار سے پرائے اپنے۔ اور تکبر و خود بینی سے اپنے پرائے ہو جاتے ہیں ÷
۵۶ تہذیب کے یہ معنی ہیں۔ کہ اوروں کے رُتبے اور عزّت کا خیال رہے۔ اسی سے مہذب کی اپنی تعظیم و تکریم ہوتی ہے ÷
۵۷ جس کام میں کسی مخلوق کی اذیت بغیر پبلک کو راحت پہنچے۔ وہ ثواب ہے ÷
۵۸ بچّے کو جھوٹے قصے۔ کہانی پڑھنے سے نہ روکنا خود بد افعالی کا محرک ہوتا ہے ÷
۵۹ لڑکے کو لوگوں کے سامنے بار بار شرمندہ کرنا۔ اور سزا دینا اُس

کو بے حیائی اور بے غیرتی میں اُستاد بنانا ہے +
۶۰ ہمیشہ نیکوں کی عزّت کرو۔ اور عوام سے بکشادہ پیشانی پیش آؤ +
۶۱ جو اپنے قصور کا اقرار کرکے لوگوں کے سامنے معافی چاہتا ہے۔ ہم سے پوچھو۔ تو اس کو یہی سزا کافی ہے۔ بشرطیکہ بالطبع شریر نہ ہو +
۶۲ جس میں صبر اور دور اندیشی نہیں۔ اس کو دانشمند نہ کہنا چاہیئے +
۶۳ کسی کا بُرا کرکے خوشی کی امید نہ رکھو !
۶۴ وقت پر مغرور اور مصیبت میں غمناک نہ ہونا چاہیئے۔ کیوں ؟ یہ دونو عارضی ہیں +
۶۵ موت کی یاد گناہ سے بچاتی ہے +
۶۶ معرفت الٰہی عمدہ شے ہے۔ پر آسانی سے میسر نہیں ہو سکتی۔ کوشش درکار ہے +
۶۷ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے +
۶۸ دشمن کو جب تک دشمن سمجھتے رہو گے۔ دھوکا نہ کھاؤ گے +
۶۹ جب تک نئے کام پر نکتہ چینی نہ ہو۔ وہ بے نقص نہیں ہو سکتا +
۷۰ لالچی آدمی عزّت کو دولت پر قربان کر دیتا ہے +
۷۱ دانشمند مال صدقۂ جان اور جان عزّت پر سے قربان سمجھتا ہے +
۷۲ خدمت سے عظمت اور خود بینی سے مذلت ہوتی ہے +

۷۳ ہنسنے سے روح تحلیل ہوتی ہے- پس زیادہ نہ ہنسنا چاہیے +
۷۴ ظریف سے متین کا رعب داب زیادہ ہوتا ہے +
۷۵ بچپن کا زمانہ تحصیل علم و اکتساب ہنر کے لئے ہے- صرف کھیل کود میں ضائع نہ کرو +
۷۶ جھوٹ کو بدیوں کا سردار اور سچ کو نیکیوں کا سرتاج سمجھتے رہنا +
۷۷ جو ڈرا کر یا لالچ دے کر اوروں کی کمائی کھاتے ہیں یا بھیک پر گزارہ کرتے ہیں- اُن کو کمینہ سمجھو!
۷۸ جہاں تک ہو سکے- اپنے تئیں خوش معاملہ بناؤ +
۷۹ تلوار کا زور لوگوں کو اتنا مطیع نہیں کر سکتا- جتنا انصاف و رحم کا +
۸۰ اپنے ظاہر و باطن کو یکساں کرنے کی کوشش کرو +
۸۱ غصہ انسان کو گنہگار بنا دیتا ہے- اس قوی دشمن سے بچتے رہو!
۸۲ دولت نہ ہو- تو افسوس نہیں- لیکن دولت ہو اور اعتبار نہ ہو- تو نہایت افسوس کی بات ہے +
۸۳ مال و دولت کو کارروائی کا آلہ سمجھو- اس کی زیادہ محبت گنہگار کردیگی +
۸۴ نیک چلن ہمیشہ محنتی- دیانتدار اور عمدہ اصول کے پابند ہوتے ہیں +
۸۵ پہلے اپنی قدر آپ کرو- پھر اور لوگ بھی تمہاری قدر کرینگے +
۸۶ روپے کو عزیز رکھوگے- تو عزت کیونکر بڑھیگی +

۸۷ تجربہ تمام اُستادوں کا اُستاد ہے +

۸۸ طبیعت کو لاپروا بناؤگے۔ تو عقل سے خالی رہوگے +

۸۹ موجودہ گورنمنٹ کے قانون کے خلاف کام نہ کرو۔ ورنہ عمر بھر پچتاؤگے +

۹۰ مہذب صورت بنانی چاہتے ہو۔ تو معمولی صفائی سے بڑھ کر بناؤ سنگار نہ کرو !

۹۱ اپنے تئیں اگر اَوروں سے بہتر سمجھوگے۔ تو کبھی بہتر نہ بنوگے +

۹۲ ہمیشہ مفید عام کاموں کے انصرام میں سرگرم رہو !

۹۳ سب آدمیوں کو بلا تعصب مذہبی اپنا بھائی سمجھتے رہو !

۹۴ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی امداد کے واسطے ہمیشہ تیار رہو۔ بشرطیکہ امداد کی قابلیت موجود ہو +

۹۵ قناعت پائدار خوشی کی مضبوط سیڑھی اور دل کے اضطراب کی سخت دشمن ہے +

۹۶ اگر راستی بھی قائم رہے۔ اور تمہارے ہاتھ یا زبان سے کسی کا بھلا ہوسکے۔ تو دریغ نہ کرو !

۹۷ نیکوں کا گناہ ہلکے ابر کی مانند ہے۔ جو ہوا سے فوراً دور ہو جاتا ہے۔ اور مطلع جوں کا توں صاف رہتا ہے +

۹۸ معلم وہ ہے جو لیاقت اور طریقۂ تعلیم کے ساتھ اخلاق حسنہ کا مخزن ہو +

۹۹ مانگنا بہت بُرا پیشہ ہے۔ اس کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہو +

۱۰۰ فصاحت اور بلاغت کے یہ معنی ہیں۔کہ تھوڑے لفظوں میں بہت سا مطلب ادا ہو جائے +

۱۰۱ سفر سے طبیعت کی خامی دُور ہوتی ہے۔اور مختلف تجربوں سے عقل بڑھتی ہے +

۱۰۲ ہمیشہ اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر چلتے رہو۔یہی ہر ایک ترّقی کی جڑ ہے +

۱۰۳ بردشتی اگر فیّاض ہے۔تو بھی قابل تعریف نہیں +

۱۰۴ متدین اگر ممسک ہے۔تو بھی لایق مذمت نہیں +

۱۰۵ اُستاد کا ادب فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی کرتے رہو۔گو تم اُس سے زیادہ لایق ہو گئے ہو +

۱۰۶ علمی لیاقت اَور شے۔اور دابِ مجلسی اَور +

۱۰۷ اپنی محنت اور نیک چلنی سے اُستاد اور ماں باپ کو خفا ہونے کا موقع ہی نہ دو +

۱۰۸ پرہیزگاری۔مذہبی پابندی۔انسانی ہمدردی اور انجام فرائض کے خیال بچّوں کے ذہن نشین کرو۔کیوں؟ اس وقت کی تعلیم انہیں ساری عمر یاد رہیگی +

۱۰۹ بن پوچھے کسی کی چیز کو نہ چھیڑو۔اور اس پر تصرف کرنا تو کیسا؟

۱۱۰ جہاں تک ہو سکے اپنا رویہ ایسا بناؤ۔ کہ تمہیں سرکاری عدالت میں نہ جانا پڑے ۔

۱۱۱ تم اپنے ملک اور قوم کی ہمدردی کرتے ہو۔ تو گویا ذاتی اغراض پوری کرتے ہو ۔

۱۱۲ آقا ہو۔ تو اپنے نوکروں پہ سختی نہ کرو۔ بلکہ ان کی ضرورتوں کو اپنی حاجتوں کے موافق سمجھو ۔

۱۱۳ شکر کرو۔ کہ تم آقا ہو۔ اور تمہارے جیسے آدمی تمہارے دست نگر ہیں

۱۱۴ نوکر کو پیار محبت سے رکھو۔ تو وہ دل سے تمہارا خیر خواہ ہو جائیگا۔ اس میں یہ کتنا فائدہ ہے۔ کہ تمہارا کام بھی اچھا کریگا۔ اور خوش بھی رہیگا ۔

۱۱۵ ساہوکار ہو۔ تو اپنی اسامیوں کے مفلس ہونے میں کوشش نہ کرو۔ بلکہ اپنی نیک نیتی سے خشک درختوں کو ہرا کرو ۔

۱۱۶ بیوپاری ہو۔ تو انجان اور چاتر کو ایک ہی نرخ دو !

۱۱۷ دنیا میں جیسی نیت ہو۔ ویسی ہی مراد ملتی ہے۔ بدنیت ہو جاؤگے تو بڑی مصیبت سے مروگے ۔

۱۱۸ حرفت و دستکاری کرتے ہو۔ تو کھوٹی چیز بنا کر لوگوں کو دھوکا نہ دو۔ ورنہ ملک کو بدنام اور اپنے کو حقیر و ذلیل بناؤ گے ۔

۱۱۹ چھوٹے ہو۔ تو اپنے بڑوں کا ادب کرو۔ خواہ ان کی حیثیت قابل ادب

نہ ہو۔ان کی مشکل جو رفع کر سکتے ہو۔کرو +

۱۲۰ بڑے ہو تو چھوٹوں پر مہربانی کرو! بڑائی اسی میں ہے۔کہ چھوٹوں کو تم سے ہر طرح آرام ملے +

۱۲۱ چکّی میں گیہوں ڈالو۔تو آٹا پیسے۔خالی گھماؤ۔تو چکّی خراب ہو۔یہی حال دل کا ہے۔پس اسے ہمیشہ کسی مفید مشغلے میں لگائے رکھو +

۱۲۲ نیکی کرکے اُس کا عوض چاہنا نیکی نہیں ہے +

۱۲۳ بُرا سلوک کرنے والے سے اگر انتقام لینے کا ارادہ نہ رکھو۔تو تم بڑے شیر مرد ہو +

۱۲۴ حلیمی ایسا زبردست ہتیار ہے۔کہ جدھر لیکر چلو۔فتح و نصرت پیشوائی کرے +

۱۲۵ نوکری کے قائم رہنے یا اس میں ترقی کرنے کے واسطے عمدہ کارگزاری کے سوا بالا دست افسر کی فرمانبرداری بھی ضرور ہے +

۱۲۶ کسی معذور یا ناقص الخلقت کو دیکھ کر ٹھٹھے نہ اُڑاؤ۔بلکہ شکر کرو۔کہ تم ایسے نہیں ہو +

۱۲۷ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرو۔جیساکہ واقعی تم ہو +

۱۲۸ جو کام وقت پر کیا جاتا ہے۔درست ہوتا ہے۔پس ہر ایک کام کے واسطے ایک وقت مقرر ہونا چاہئے +

۱۲۹ بھلے کام میں اگر تکلیف بھی ہو۔ تو مضایقہ نہیں ۔ تکلیف چلی جاتی ہے۔ اور بھلائی باقی رہتی ہے +

۱۳۰ دنیا کی تمام لذتیں عارضی اور ناپائدار ہیں۔ ان پر کبھی فریفتہ نہ ہو جانا +

۱۳۱ جو شخص مجبوراً قرض لیتے ہیں۔ ان کی حالت اس قدر قابل افسوس نہیں۔ جس قدر مقروض کی اوروں کو قرض دینے سے ہے +

۱۳۲ خوشی میں غمی۔ تندرستی میں بیماری۔ توانگری میں مفلسی۔ سیری میں گرسنگی اور زیست میں موت کو یاد رکھو +

۱۳۳ کسی کی عزّت۔ ناموری اور ترقی دیکھ کر جی میں نہ جلو۔ بلکہ خوش ہونا چاہئے۔ کہ ہمارا بھائی اس لائق ہوا +

۱۳۴ زندگی بھر اپنے علمی اور عملی معلومات کا ذخیرہ بذریعہ تصانیف جمع کرتے جاؤ۔ اور موجودہ اور آیندہ امّت کے لئے چھوڑتے جاؤ +

۱۳۵ کنفوشش حکیم کہتا ہے۔ کہ لوگ تجھ سے واقف نہ ہوں۔ تو افسوس نہیں۔ افسوس یہ ہے۔ کہ تو لوگوں سے واقف نہ ہو +

۱۳۶ خوشامد کرنے والا گنہگار اور سُننے والا جاہل ہے۔ کیوں؟ وہ دھوکا دیکر مطلب نکال لیتا ہے۔ اور یہ دھوکا کھاتا ہے +

۱۳۷ جو ڈاکٹر فیس کا غلام ہے۔ غریبوں کا بھی مفت علاج نہیں کرتا ڈاکٹر کیا ہے۔ بھاڑے کا ٹٹو ہے +

۱۳۸ حاکم جو زور حکومت یا اختیارات کو طرف داری یا خود غرضی یا اشتعال طبع کے مطیع کرتا ہے۔ وہ انصاف کی لائن سے گرا ہُوا ہے +

۱۳۹ خبردار کہیں مسکرات یا منشی اشیا کا استعمال شروع نہ کر دینا عادت ہوگئی۔ تو عمر بھر طبیعت کی غلامی کرنی ہوگی۔ اور سب کی نظروں میں حقیر رہو گے +

۱۴۰ ملکی رسوم جو خلاف تہذیب ہوں۔ ان کو نہ صرف خود چھوڑنا چاہیئے۔ بلکہ اوروں کو بھی ان کے ترک کرنے پر آمادہ کرنا چاہیئے ..

۱۴۱ طالب علموں کے لئے امتحان سپاہیوں کے میدان کارزار کی ہے۔ یہاں پاس و فعل کو فتح و شکست سے متناسب کر لو۔ سپاہی دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور یہ جہالت کا +

۱۴۲ بادشاہ مثل بڑے دریا کی ہے۔ اور حکام اور اہلکار مثل چھوٹی نہروں اور نالیوں کے ہیں۔ جو اسی دریا سے کاٹی گئی ہیں۔ پس جو مزہ دریا کے پانی کا ہوگا۔ وہی نہروں کے پانی کا +

۱۴۳ بے پوچھے بولنا۔ اور مطلب سے زیادہ بولنا۔ اور بولنے کے موقع پر چپ رہنا۔ اور کسی اور کی بات میں بول اُٹھنا۔ یا کبھی سخت الفاظ میں تقریر کرنا بیوقوفی کی علامتیں ہیں +

۱۴۴ کہیں دنگہ فساد ہو رہا ہو۔ تو تم رفع کرنے کی کوشش کرو۔

ورنہ جھٹ وہاں سے کِھسک جاؤ - کہ کہیں تمہیں بھی اس جھمیلے میں نہ پھنسا لیں +

۱۴۵ جہاں تشدد کئے بغیر کام نہیں چلتا - تم لطف و مدارات سے مطلب براری کرلو - تو تم تعریف کے قابل ہو +

کتے جو لڑتے ہیں - کیسے بُرے معلوم ہوتے ہیں - جو انسان ہو کر
۱۴۶ لڑتے - جھگڑتے اور فساد کرتے ہیں - کتوں سے بدتر ہیں - کیوں؟ کتے عقل سے معذور ہوتے ہیں +

۱۴۷ جتنا روپیہ شادی و ماتم کی فضول رسموں میں برباد کرتے ہو - اگر تعلیم عامہ پر خرچ کرو - تو اپنے ملک کو جہالت اور مفلسی سے بچا لو

۱۴۸ جب تک فریقین کا حال پورا نہ سُن لو - اپنی رائے نہ دو - اور اخیر فیصلہ نہ کرو +

۱۴۹ آپ کاج مہا کاج اپنے کام کو اپنے ہاتھ سے کرو - یہ ممکن نہ ہو تو اپنے سامنے کراؤ - یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی تجربہ کار کے اعتبار پر چھوڑو - پھر بھی اس کی نگرانی یا پڑتال آپ کرو - یا کسی اہل وثوق سے کراؤ +

۱۵۰ بیمار ہو جاؤ - تو اپنا علاج کسی اچھے تجربہ کار حکیم سے کراؤ کسی لالچی یا نیم حکیم سے علاج نہ کرانا - کہ زندگی ہی سے مایوس

ہو جاؤ۔ ایسے حکیموں کی تعداد ہمارے ملک میں بہت ہے اور بڑھتی جاتی ہے +

سوالات جواب طلب

۱ ثابت کرو۔ کہ ہم بغیر تکمیل علوم مغربی کے ناشایستہ رہینگے +
(۱) مشرقی لٹریچر میں دور از قیاس افسانے بھرے ہیں +
(۲) مغربی لٹریچر علوم جدیدہ اور تازہ تحقیقات رکھتا ہے +

۲ صرف پرائمری تعلیم ہم کو چنداں مفید نہیں ہوگی +
(۱) ہماری معلومات نہیں بڑھینگی + (۲) ہم آبائی پیشوں سے بے خبر ہو جائینگے + (۳) خامیوں کے رفع کرنے کو پرائمری تعلیم سے آگے ہاتھ پاؤں ہلانا کہاں تک ضروری ہے؟

۳ امتحان مڈل پاس کر لیں۔ تو کیا اصلی غرض سوسائٹی کی حاصل ہو جاتی ہے؟
(۱) ہماری معلومات پرائمری سے زیادہ تو ہو جائینگی + (۲) لیکن ہماری خامی دُور نہیں ہوگی + (۳) اعلےٰ تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم حاصل نہ کریں۔ تو اصلی غرض سوسائٹی کی حاصل نہ ہوگی +

۴ سابقہ و حال کی تعلیم کا فرق بتاؤ +
(۱) دیسی مکاتب میں کیسی تعلیم ہوتی ہے ؟ (۲) سرکاری مدارس میں کیسی ؟ (۳) جس کو اچھا سمجھتے ہو۔ اس کے لئے مضبوط دلائل پیش کرو +

۵ موجودہ تعلیم میں تمہارے نزدیک کیا کیا نقص پائے جاتے ہیں +
(۱) پرائمری کی تعلیم میں + (۲) مڈل کی تعلیم میں + (۳) ان کے رفع کرنے کی کیا تدبیریں ہیں +

۶ ہمیں علمی تعلیم کس زبان میں ہونی چاہئیے +
(۱) آسان ذریعہ تحصیل علوم کا اپنی ملکی زبان ہے + (۲) سنسکرت عربی۔ فارسی۔ اردو۔ پنجابی سے تم کس کو ملکی زبان تصور کرتے ہو۔ مع وجوہات بتاؤ +

۷ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے ؟ کس پیشے کو پسند کروگے ؟ اور کیوں اس کو اوروں پر ترجیح دیتے ہو +

۸ خوش خطی بھی اچھا ہنر ہے +
(۱) کمال کسی ہنر کا ہو۔ مفید ہی ہوتا ہے + (۲) پس خوش خطی کمال کو پہنچنے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہئیے + (۲) خوش خطی کے فوائد بتاؤ۔ کہ وہ غریب کو خوش گزران اور امیر کے لئے

بمنزلہ زیور ہو جاتی ہے ÷

۹ تواریخ و جغرافیہ ÷

(۱) جغرافیہ و تواریخ پڑھنے کے نفعے اور نقصان بتاؤ ÷ (۲) ہم کہتے ہیں۔ کہ ان کی تعلیم سے ہماری معلومات بڑھتی ہے ÷ (۳) گھر بیٹھے ملک کی سیر ہوتی ہے ÷ (۴) بزرگوں کے کیئے ہوئے تجربے حاصل ہو جاتے ہیں۔ تم کس طرح ان کو غیر مفید ثابت کر سکتے ہو ÷

۱۰ اقلیدس و الجبرا ÷

(۱) ہر ایک کے فوائد جداگانہ بتاؤ ÷ (۲) معمولی کار و بار میں ہم کو ان سے کیا مدد مل سکتی ہے ÷

۱۱ حساب و مساحت ÷

(۱) ہمارے کار و بار کا مدار ان پر ہے ÷ ان کی مشق ہمیں راستی کی طرف کس طرح کھینچ لے جاتی ہے؟ (۲) بغیر استعمال کیوں قابو سے نکل جاتے ہیں ÷

۱۲ سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم داخل کرنی چاہیئے یا نہیں؟

(۱) ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں ÷ (۲) گورنمنٹ سے عوام کی خواہش پوری ہونی ممکن نہیں ہے ÷ (۳) عقلی اور اخلاقی تعلیم میں مذہبی بھی داخل ہے ÷ (۴) اور اگر شامل کرنا ضرور ہو۔ تو وہ اصول مذہبی داخل کئے

جائیں۔ جو ہر ایک قوم کے نزدیک قابل تسلیم ہیں +

۱۳ قانونی تعلیم مدارس میں عام طور پر دینی چاہئے یا نہیں + (۱) ہم کہتے ہیں۔ کہ نہیں دینی چاہئے + (۲) تم ثابت کرو کہ دینی چاہئے (۳) اس کا حاصل کرنا رعایا کا فرض ہے ؟ (۴) یا اس کی تعلیم دینا گورنمنٹ کا کام ہے +

۱۴ ثابت کرو جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے + (۱) اپنی مدد سے انسان عالم و فاضل ہو سکتا ہے + (۲) دولتمند ہو سکتا ہے + (۳) حکومت کو پہنچ جاتا ہے +

۱۵ زراعت۔ تجارت۔ حرفت و دستکاری۔ ملازمت۔ گدائی میں تم کس کو پسند کرتے ہو ؟ اُس کو پسند کرنے کی وجوہات اور دوسرے کی تردید کی دلائل پیش کرو +

۱۶ ہمیں لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے + حقیقی رشتہ دار۔ عام لوگ۔ حاکم۔ ماتحت یہ لوگ ہیں +

۱۷ خود حکومتی یا لوکل سیلف گورنمنٹ سے ہم کو کن فوائد کی امید ہو سکتی ہے۔ جو پہلے حاصل نہ تھی +

(۱) دربارۂ انتظام اندرونی + (۲) تعلیم + (۳) صفائی و حفظ صحت + (۴) آسائش عامہ رعایا +

۱۸ اپنی ترقی و آسائش و شائستگی کے لئے کیا اسباب ہیں +
(۱) بھاری سبب خود مددی یا سلف ہلپ ہے - اور وہ تحصیل علم کے ہاتھ میں ہے + صرف کتابیں بغیر عملی تعلیم کے ہمیں پوری مفید نہ ہونگی - کیوں ؟

۱۹ ثابت کرو کہ فطرت میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے +
(۱) اپنے ہی کرتوت اس کو رذیل بناتے ہیں - اور اپنے اعمال شریف
(۲) تم نہیں مانتے؟ قسمت کے قائل ہو! تو مقبول حجتیں بیان کرو

۲۰ خوراک

(۱) طاقت بدنی اس پر منحصر ہے + (۲) زیادہ کھانا سست اور بیمار کر دیتا ہے + (۳) متواتر کھانا حیوانوں کا کام ہے +
(۴) بھوک سے کم اور طاقت پر کھانا موجب صحت ہے +

۲۱ پوشاک

(۱) کپڑا دیسی ہو یا ولایتی ؟ (۲) تم کس فیشن کی پوشاک پسند کرتے ہو؟ (۳) کن وجوہات سے تم دیسی کپڑے سے نفرت کرنے لگے ہو؟

۲۲ خواب

(۱) ثابت کرو - کہ زیادہ سونا کاہلی ہے + (۲) نہ سونے سے بیماری پیدا ہوتی ہے + کس قدر سونا چاہیئے +

۲۳ موسم

(۱) موسم کون کون سے ہیں؟ (۲) کس موسم کو پسند کرتے ہو؟
(۳) اور موسموں کو ناپسند کرنے کی کیا وجوہات رکھتے ہو؟

۲۴ گردش زمانہ *

(۱) کبھی رات کبھی دن - کبھی صبح - کبھی شام * (۲) اگر وہ ایک طرح رہتا - تو کیا ہرج تھا * (۳) کیوں اس کا ایک طرح رہنا تم ناممکن سمجھتے ہو؟

۲۵ فضول خرچی کو کون سے لوگ پسند کرتے ہیں؟

(۱) جن کو ناجائز وسائل سے دولت ہاتھ لگی ہو * (۲) یا ورثہ میں سے پائی ہو * (۳) یا محض جہالت سے *

۲۶ تجہیز و ازدواج بیوگان کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟

(۱) اس کے فائدے * (۲) اس کے نقصان * (۳) قول فیصل *

۲۷ بڑے باپ کے بیٹے کو بڑا سمجھتے ہو - یا بڑی لیاقت و شرافت والے کو بڑا *

(۱) باپ امیر تھا - بیٹا غریب ہے * (۲) باپ غریب تھا بیٹا امیر ہے * (۳) باپ جاہل تھا - بیٹا عالم ہے - تم کس کو اچھا جانتے ہو؟ دلائل کے ساتھ بیان کرو *

۲۸ اپنی قوم سے رسوم قبیحہ کو کس طرح دور کروگے *

(۱) پہلے خود ان کو ترک کردوگے * (۲) یا قوم کو متواتر ہدایات سے راہ

راست پر لاکر ان کے شامل ہو جاؤگے ۔ (۳) دونو دستور متذکرہ

صدر سے کس کو پسند کرتے ہو ؟ اس کا ثبوت دو ۔

۲۹ بیکاری سے بیگار بھلی ہے ۔

(۱) محنت سے انسان چست و چالاک رہتا ہے ۔ (۲) چستی سے دولت

پیدا ہوتی ہے۔ جو دنیا میں ذریعہ عزت و افتخار ہے ۔ (۳) بیکاری

انسان کو مفلس کر دیتی ہے ۔

۳۰ خدا کو حاضر و ناظر ولائل کے ساتھ بتاؤ ۔

(۱) خدا کے وجود کا ثبوت دو ۔ (۲) خدا ہمارے پاس موجود ہے ۔

(۳) خدا ہمارے ہر ایک کام کو دیکھتا ہے ۔

۳۱ غصہ بُری خصلت ہے ۔

(۱) بھلے آدمی اس سے نفرت کرتے ہیں ۔ (۲) اس سے عزت اور

جان و مال کا نقصان ہوتا ہے ۔

۳۲ بدی سے بچنا بھی نیکی ہے ۔

ثابت کرو۔ کہ جھوٹ ۔ حرام کاری ۔ بے ایمانی ۔ حسد ۔ بغض ۔ دغا ۔ فریب ۔

اور رشوت ستانی سے بچنے والا بھی بڑا نیک مرد ہے ۔

۳۳ انسان کس طرح ہر دل عزیز ہو سکتا ہے ۔

بے تعصبی ۔ راستی ۔ انکساری ۔ حلیمی ۔ ادب اور ملک و قوم کی ہمدردی

سے مفصل بیان کرو +

۳۴ ایفائے وعدہ عمدہ صفت ہے +

(۱) وعدہ وہ کرو۔جو پورا کر سکو + (۲) جو کر چکے ہو۔اس کو پورا کرو +

(۳) بیوفائی میں بے قدری اور شرمساری ہے +

۳۵ مزاج کیسا ہونا چاہئے ؟

(۱) تلوّن مزاجی بڑی صفت ہے + (۲) مستقل مزاجی بڑا عمدہ وصف ہے۔ان دونو سے جس کو تم پسند کرتے ہو۔اس کو دوسرے پر بذریعہ دلائل ترجیح دیکر دکھاؤ +

۳۶ گورنمنٹ انگریزی کی حکومت ہونے سے ملک ہند پر کیا اثر ہوا +

(۱) مذہب پر + (۲) معاشرت پر + (۳) اخلاق پر +

۳۷ انگریزی ڈاکخانوں سے رعایا کو کیا کیا فائدے حاصل ہوئے ؟

(۱) پہلے یہ انتظام ملک ہند میں نہ تھا۔ سڑکیں نا درست تھیں۔ ہرکارے اور قاصد خاص مقرر کرنے پڑتے۔جس سے زیادہ وقت اور زر خرچ ہوتا۔اب تھوڑے عرصے میں اور پیسے دو پیسے سے وہ کام بآسانی ہو جاتا ہے + (۲) منی آرڈر۔ سیونگز بنک۔ چٹھی۔ رجسٹری۔بیمہ۔پارسل اور قیمت طلب پارسل وغیرہ کا بیان کرو +

۳۸ ابر و باران کا ذکر کرو +

(۱) ابر کیوں بنتے ہیں ؟ (۲) بارش کیوں ہوتی ہے ؟ (۳) اولے کیوں پڑتے ہیں ؟

۳۹ ہوا و طوفان کا بیان ٭

(۱) ہوا کیوں چلتی ہے ؟ اور اس کا رخ کیوں بدلتا رہتا
(۲) آندھی اور بگولے کا سبب کیا ہے ؟
سورج و چاند سے ہم کو کیا کیا فائدے پہنچتے ہیں ؟
سورج کے مقدار اور اُس کی ضرورت مع فوائد ٭ (۲) سورج اور
چاند کی روشنی کا تناسب۔ چاند کی حاجت مدلّل بیان کرو

۴۱ چھوٹے بھائی کو ایک چٹھی لکھو۔ جو امتحان مڈل دینے کے لئے تیاری
تیاری کس طرح کرے؟ امتحان میں جائے تو کیا کیا احتیاط عمل میں لا

۴۲ بیٹے کو ایک خط لکھو۔ اس میں کفایت شعاری کے فائدے
فضول خرچی کے نقصان ہوں ٭

۴۳ باپ کے نام خط ہو۔ اس میں اپنے پڑھنے میں مشغول رہنے
بورڈنگ ہوس میں گزارہ کرنے کا حال ہو ٭

۴۴ اُستاد نے تمہاری طالب علمی کے وقت جو تمہیں مفید نصیحتیں
کی تھیں۔ وہ کون کون سی تھیں ان کی تعمیل تم نے کُلاً یا
جُزاً کس طرح کی۔ ایک خط کی صورت میں اپنے اُستاد کو یقین دلاؤ ٭

۴۵ تم نوکری چاہتے ہو۔ تو ایک عرضی کسی ایسے عہدے کے حاصل کرنے
کے واسطے لکھدو۔ جس کے امیدوار ہو۔ اس میں ادب کے ساتھ
اپنے حقوق ظاہر کرو۔ کہ کیوں یہ عہدہ تمہیں دیا جائے ٭ فقط

॥ ओ३म् ॥

GULDASTA-I-TAHZIB

BY

LALA SHANKAR DASS

Head Master Municipal Board School

RAMNAGAR

DISTRICT GUJRANWALA

FOR

Student of the 5th Primary Class

Girl Schools in the Middle Department Punjab.

PRINTED AT THE MOTI PRESS

Hoshiarpur

1899.

13th Edition. *1400 Copies.* *Price 0 8 0*